قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوعِ اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۴۰

کراچی: ہفتہ۔ ۵ نومبر ۱۹۵۵ء

قیمت چھ آنہ
سالانہ پندرہ روپیہ

قرآن نے کیا کہا؟

گزشتہ اقساط میں یہ حقیقت ہمارے سامنے آچکی ہے کہ قرآنی نظام کے مطابق جو جنتی معاشرہ قائم ہوتا ہے اس میں دنیا کی آسائش و زیبائش کی تمام چیزیں میسر ہوتی ہیں زندگی کا معیار بہت بلند ہوتا ہے۔ سامان نشوونما کی فراوانی ہوتی ہے۔ اور فراوانی کے ساتھ عمدگی بھی۔ جو یہاں جنتی زندگی بسر کرتا ہے وہ مرنے کے بعد بھی جنتی زندگی گزارتا ہے (اگرچہ اس جنت کے کوائف کے متعلق ہم اس وقت کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ بایں ہمہ) قرآن نے ان دونوں جنتوں کے متعلق ایک فقرہ میں بتا دیا کہ یہ۔ ذواتا افنان (۵۵/۴۸) ہیں۔ یعنی مختلف فنون کا مجموعہ۔ جہاں قسم قسم کے علوم و فنون جمع ہوں لیکن اس جنتی معاشرہ کی خوبی یہی نہیں کہ اس میں سامان نشوونما اور علوم و فنون کی فراوانی ہوگی۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زندگی انفرادی نہیں ہوگی۔ وہاں ہر فرد دوسرے افراد سے زندگی کی توانائیوں کا سامان حاصل کریگا۔ یتنازعون فیھا کاسا لا لغو فیھا ولا تاثیم (۵۲/۲۳) وہاں دئے سے دیا جلتا چلا جائیگا اور اس طرح اس جنت کی وسعتیں حدود فراموش ہو جائینگی۔ عرضھا کعرض السماء والارض (۵۷/۲۱)۔

طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

1. تنہا عقلِ انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت کرنے کے قابل نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اس طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔
2. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے اس لئے نوعِ انسانی اب آخر تک کے لئے کسی منزل من اللہ تصور کی محتاج نہیں۔
3. حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ ہر بات جو قرآن کے مطابق ہو صحیح ہے جو اس کے خلاف ہے غلط ہے۔
4. حضور نبی اکرمؐ انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن ملوکیت کی سازشوں نے ہماری تاریخ اور روایات میں ایسی چیزیں شامل کر دی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضورؐ کی سیرت کا محکم سند خود قرآن کریم ہے۔
5. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔
6. اس نظامِ زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں۔ (انہیں قانونِ شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔
7. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت کا نظام یعنی تمام نوعِ انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
8. ربوبیت عامہ کے مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے انفرادی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتی رہے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظامِ ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

پہلے پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے جس میں تمام نوعِ انسانی اپنی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "اپنے پروردگار سے ملنے کے قابل ہو سکیں"۔

اگر آپ طلوعِ اسلام کے اس مسلک و مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوعِ اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

- ★ پختونستان
- ★ دو قومی نظریہ
- ★ افغانستان کا فتنہ
- ★ تاریخی شواہد
- ★ مجلس اقبال
- ★ اسلام کی سرگزشت
- ★ جینس کر
- ★ درس بخاری
- ★ حقائق و عبر
- ★ مراسلات

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین۔
قیمت چھ روپے۔ علاوہ محصولڈاک۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ہی سے ہاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ہے اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھولدی ہیں۔ قیمت دو روپے۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ - کراچی - ۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفت روزہ

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ہفتہ ۵ر نومبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۴۰

پختونستان

تحریک پختونستان کے متعلق عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ خان عبد الغفار خاں کے دماغ کی اُپج ہے اور اس کا حلقۂ اثر صوبہ سرحد کے بعض علاقوں تک محدود ہے۔ لیکن یہ خیال حقیقت پر مبنی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک کسی گہری سازش کی مظہر ہے اور اس کا باقاعدہ پروپیگنڈہ بیرونی ممالک میں کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ہمیں حال ہی میں امریکہ سے کچھ لٹریچر موصول ہوا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں ایک آزاد پختونستان سوسائٹی قائم کی گئی ہے جس کا ہیڈ کوارٹر کیلیفورنیا کا شہر سکرامنٹو (SACRAMENTO) ہے اس سوسائٹی کی طرف سے شائع شدہ ایک پمفلٹ میں بتایا گیا ہے کہ وہاں ۳۰ر ستمبر ۱۹۵۵ء کو پختونستان کا یوم آزادی منایا گیا اور اس میں اس سوسائٹی کے صدر ڈاکٹر اورنگ شاہ نے ایک تقریر میں بتایا کہ اس تحریک کے عزائم کیا ہیں اور مقاصد کیا۔ ہم یہ پوری کی پوری تقریر ناظرین کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ اس تحریک کے پیچھے جو قوتیں کام کر رہی ہیں ان کا نصب العین کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے ذیل میں اس تقریر کا رواں ترجمہ دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر اورنگ شاہ صاحب نے حاضرین کا شکریہ ادا کرنے کے بعد کہا:

آج دنیا میں جہاں بھی پختون اور افغان قوموں کے افراد بستے ہیں وہ اس تقریب آزادی کو بڑی مسرت سے منا رہے ہیں۔ یہ لوگ پختونستان اور اس کے آزاد علاقہ افغانستان۔ ہندوستان۔ آسٹریلیا۔ ایران۔ ترکی۔ مصر انگلستان۔ جرمنی۔ فرانس اور امریکہ میں بستے ہیں۔ چھ سال پہلے کا ذکر ہے کہ آج کے دن پختونستان کے باشندوں نے اپنے اس عزم راسخ اور نصب العین زندگی کا اعلان کیا کہ وہ مکمل آزادی حاصل کر کے رہیں گے۔ اور اقوامِ عالم میں ایک خود مختار اور آزاد مملکت کی حیثیت سے زندگی بسر کرینگے۔ انہوں نے اپنے ان عزائم کا اس موقعہ پر بھی اعلان کیا اور اس کے بعد اس کا بار بار اعادہ کیا کہ وہ چاہتے یہ ہیں کہ دنیا میں ایک آزاد جمہوری اور امن پسند قوم کی حیثیت سے رہیں اور اپنی اقتصادی حالت اور قومی کلچر کی اس طرح نشو و نما کریں جس طرح دنیا کی دیگر اقوام کرتی ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ حقوق انسانیت، اسلامی اصول اور اقوامِ متحدہ کے منشور پر مبنی ہے اور ان کی یہ تحریک اسی نوعیت کی ہے جس نوعیت کی تحریکیں مراکش، اور انڈونیشیا میں دکھائی دیتی ہیں۔ یہ تحریک درحقیقت ان حالات کے عین مطابق ہے جو آج کل مشرقی ممالک میں رونما ہو رہے ہیں۔

پختون قوم کو دنیا میں کسی سے دشمنی نہیں، اور نہ ہی وہ یہ چاہتی ہے کہ وہ کسی سے متصادم ہو۔ لیکن اگر کوئی قوم یا کوئی قوت اس کی آزادی سے انکار کرے گی تو وہ اس قوم کی مخالفت کو اپنا فریضہ اور جائز حق سمجھے گی۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد پختون کا خیال تھا کہ انہیں ایک آزاد وحدت کی حیثیت سے حقوق خود اختیاری مل جائیں گے، جس طرح برما اور سیلون کو ملے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ انہیں ان حقوق سے محروم رکھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ مجبور ہو گئے کہ اپنی آواز بلند کریں اور حصول آزادی کے لئے ایک قوم کی حیثیت سے کھڑے ہو جائیں۔ چونکہ پختونستان کے رہنے والے افغان ہیں۔ اس لئے یہ قدرتی بات تھی کہ افغانستان ان کے اس مطالبہ کی تائید کرتا اور اسے دنیا کے سامنے پیش کرتا۔ چنانچہ افغانستان کی حکومت اور وہاں کے باشندوں نے اس بات کا حلف لیا کہ وہ اس مطالبہ کی تائید بھی کریں گے اور اس کے حصول میں مدد بھی دیں گے۔ ایسا کرنے میں وہ نہ صرف اپنے ایک قومی اور فطری فریضہ ہی سے سبکدوش ہو رہے ہیں بلکہ وہ عدل اور امن کے مطالبہ کی حمایت بھی کر رہے ہیں۔

"تاریخ اس حقیقت کا انکشاف کرتی ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی قوتیں بھی پختون اور افغانوں کی زمین پر پوری طرح کبھی قابض نہیں ہو سکیں۔ اور جس قوم نے بھی ان کی آزادی چھیننا چاہی، افغان قبائل اور افغان قوم نے اس کے خلاف مسلسل جنگ کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ پاکستان بھی تو جب تک زندہ ہے پختونستان پر اپنا تسلط نہیں جما سکتا۔ اور اگر اس نے اہل پختونستان کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھنا چاہا تو اسے ان کی طرف سے پوری پوری مخالفت کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ ہمیں اس حقیقت کو قطعاً فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اگر پختونستان اور پاکستان میں اس قسم کے تصادم کو روکا نہ گیا تو اس سے باقی دنیا میں ایسا انتشار پھیل جائے گا جس کا عوام اندازہ نہیں لگا سکتے۔ جس قوم نے انگریزوں کی سلطنت کا، جبکہ وہ اپنے انتہائی عروج پر تھی، اس شدت سے مقابلہ کیا، وہ ہر قوت کا مقابلہ کرنے کی استعداد اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس لئے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ پاکستان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اگرچہ یہ امر بڑا افسوسناک ہو گا کہ دو مسلمان ہمسایہ قومیں اپنی توانائیوں کو باہمی تخریب کے لئے ضائع کر دیں۔

پختونستان کا مسئلہ ایک خالص قومی سوال ہے اس کا تعلق دنیا کے کسی بین الاقوامی مسئلہ سے نہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پختونستان کے رہنے والے بیرونی ممالک کے اشاروں پر کٹھ پتلی کا ناچ ناچ رہے ہیں وہ حقیقت پر پردے ڈال رہے ہیں۔ اُن کی اس روش کی وجہ یہ ہے کہ وہ متحدہ یا دیگر ممالک کے سامنے اپنے مؤقف کو کسی صورت میں بھی حق بجانب ثابت نہیں کر سکتے یہ حقیقت کس قدر تاسف انگیز ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے برصغیر ہند و پاکستان کی آزادی کے لئے اس قدر مصائب برداشت کئے، ان سے اب اس قدر نادرا سلوک کیا جا رہا ہے۔ انہیں بغیر کسی قانونی چارہ جوئی کے جیلوں میں ٹھونسا جا رہا ہے یا جلا وطن کر دیا گیا ہے ان میں خان عبد الغفار خان۔ ڈاکٹر خان صاحب عبد الصمد خان۔ اور ہزاروں دوسرے پختون محب وطن شامل ہیں۔ یہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے جبکہ دنیا کی آزاد قومیں اور خود پاکستان جمہوریت و آزادی کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

پختونستان کے مسئلہ کو ہندوستانی سیاست سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ افغانستان کے افراد اور پختونستان کے پختون بہت خوش ہوں گے اگر ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات خوشگوار ہو جائیں اور خوشگوار رہیں۔ اس لئے کہ اس سے دنیا کے اس حصہ میں جس میں یہ ممالک واقع ہیں امن اور سلامتی کا دور دورہ رہے گا۔ میں نے اس نکتہ کی وضاحت کو ضروری سمجھا ہے

اور میرا خیال ہے کہ جو لوگ اس سے پہلے ایسا خیال نہیں کرتے تھے وہ اب سمجھ گئے ہوں گے کہ پختونستان کا مطالبہ ایک حقیقت پر مبنی ہے۔ میں اپنے ان دوستوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے پاکستان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے ہوئے پختونوں کی تحریک آزادی کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کیا ہے، خواہ یہ لوگ ہندوستان کے رہنے والے ہوں یا دیگر مشرقی اور اسلامی ممالک کے، یا یہ یورپ اور امریکہ کے باشندے ہوں۔ میں ان سب کا شکرگزار ہوں۔

آخر میں میری خدا سے دعا ہے کہ وہ اپنے رحم و کرم سے ہمیں اور ہمارے مخالفین دونوں کو عدل اور صداقت کے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔

یہ تھی ڈاکٹر اورنگزیب صاحب کی تقریر۔ جس پمفلٹ میں یہ تقریر شائع ہوئی ہے اس کے آخر میں ایک مختصر سا نوٹ بھی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ پختونستان کے معنی ہیں پختون لوگوں کا ملک۔ اس میں ستّی لاکھ کے قریب پختون بستے ہیں۔ یہ ملک سرحد افغانستان اور دریائے سندھ کے درمیان واقع ہے۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ نوّے ہزار مربع میل سے زیادہ ہے اور شمال میں چترال سے لے کر جنوب میں بلوچستان تک پھیلا ہوا ہے۔ پختونوں کی زبان کو پختو کہتے ہیں جو افغانستان اور پختونستان میں بولی جاتی اور ان کے ملحقہ علاقوں میں سمجھی جاتی ہے۔ جغرافیائی اور تاریخی اعتبار سے اہل پختون کا ملک بجائے خویش ایک الگ قوم کا ملک ہے۔ پختون نسل کے لوگوں کا مذہب، زبان، کلچر، طریق زندگی اور رسوم رواج سب الگ ہیں اور اس کے شمال اور مشرقی علاقے کے لوگوں سے بالکل مختلف۔ (۔ مذہب بھی الگ؟ ط)

آپ نے غور فرمایا کہ تحریک پختونستان کے سلسلہ میں بیرونی ممالک میں کیا کچھ کیا جا رہا ہے اور اس کے پردے میں پاکستان کے خلاف کس قدر زہر پھیلایا جا رہا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ حکومت پاکستان نے اس زہر آلود پروپیگنڈے کے ازالہ کے لئے کیا کچھ کیا ہے اور کیا کچھ کر رہی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمیں اب اس مسئلہ کو محض ایک مقامی مسئلہ سمجھ کر اس کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتنا چاہیئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنہ عالمگیر بھی ہے اور زمین گیر بھی۔ لہذا اس کے انسداد کے لئے اسی قسم کی عالمگیر کوششوں کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں افغانستان نے جو رویّہ اختیار کر رکھا ہے وہ خود اس امر کی شہادت ہے کہ ڈاکٹر اورنگ شاہ نے جو کچھ ستمبر ۱۹۵۵ء میں کہا تھا وہ محض پروپیگنڈہ کا ڈھونگ نہیں تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھچڑی اندر ہی اندر بہت دیر سے پک رہی تھی اور اب اسے اس شکل میں باہر لایا جا رہا ہے۔ جب انہیں بزعم خویش اس کا یقین ہو گیا ہے کہ اگر انہوں نے اس سوال کو آگے بڑھایا تو بعض گوشوں سے انہیں یقیناً اس کی تائید حاصل ہو جائے گی۔

ہم پاکستان کے ارباب بست و کشاد سے درخواست کریں گے کہ وہ کشمیر کے مسئلہ سے عبرت حاصل کریں اور اس نئے فتنہ کے استیصال میں تعویق سے کام نہ لیں۔ مسئلہ کشمیر نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ ان معاملات میں تاخیر، دشمن کے حق میں اور ہمارے خلاف جاتی ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ اس کے متعلق ایک دفعہ بیٹھ کر پختہ فیصلہ کر لیا جائے۔ اور پھر اس فیصلہ پر عمل درآمد کرنے کے لئے پوری ہمت سے کام لیا جائے۔ یہ مسئلہ بھی کشمیر کے مسئلہ کی طرح پاکستان کی موت اور زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کا ہر بہی خواہ اس باب میں ہر قسم کی قربانی کے لئے، ہر وقت تیار رہے گا۔

خطرہ سر پہ

آج (۱۴ر اکتوبر کی صبح) ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی ہے کہ امریکہ اور برطانیہ نے حکومت مصر کو متنبہ کیا ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف اپنے جنگی اقدامات کو بند کرے ورنہ یہ حکومتیں مصر کو کچل دیں گی۔

مصر کی موجودہ سیاسی روش کے متعلق پچھلے دنوں جو کچھ طلوع اسلام میں لکھا جاتا رہا ہے اگر آپ اسے سامنے لائیں تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ ہم جس خطرہ سے ڈر رہے تھے وہ وہمی اور قیاسی نہیں تھا۔ مصر کی سیاسی روش نے مشرق وسطےٰ اور اس کے نواحیات کے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پاکستان۔ ایران۔ عراق اور ترکی ایک بین الاقوامی معاہدہ کی رُو سے امریکہ اور برطانیہ کے حلیف بن چکے ہیں اور دوسری طرف، مصر، شام، سعودی عرب (اور افغانستان) روس کی طرف جھک چکے ہیں۔ آپ سوچئے کہ کل کو اگر امریکہ اور روس کے متضاد بلاکوں میں جنگ چھڑ گئی تو مسلمانوں کے ان ممالک کا کیا حشر ہوگا؟ ہوگا یہ کہ روس اور امریکہ خواہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں) مسلمانوں کے یہ ممالک ایک دوسرے سے ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے اور آخر الامر فتح روس کی ہو یا امریکہ کی، مسلمان بہرحال مٹ چکے ہوں گے۔ ہم نے اس باب میں گزارش کیا تھا کہ مسلمان ممالک کو چاہیئے کہ اپنا ایک جداگانہ بلاک بنا کر، روس اور امریکہ سے متحدہ طور پر گفتگو کریں اور پھر جو فیصلہ بھی کرنا ہو متفقہ طور پر کریں۔ اس سے انہیں امداد بھی آسان شرطوں کے ساتھ مل جائے گی اور باہمی ٹکراؤ کے امکانات بھی ختم ہو جائیں گے۔ لیکن افسوس کہ مصر نے اس معاملہ پر کوئی توجہ نہ دی اور پاکستان۔ عراق وغیرہ کے علی الرغم ایک مخالف بلاک کے سرغنہ کی پوزیشن اختیار کر لی۔ اسی کا نتیجہ امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے وہ دھمکی ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

اب دیکھئے کہ صورت حالات کیا ہوگی؟ روس بھی سے چاہے گا کہ مصر کسی نہ کسی طرح امریکہ اور برطانیہ سے الجھ جائے۔ اس اُلجھاؤ کا لازمی نتیجہ امریکن روسی بلاکوں کا باہمی ٹکراؤ ہوگا۔ یعنی پاکستان۔ ایران۔ عراق ترکی کے بلاک کا مصر، شام، سعودی عرب (اور افغانستان) کے بلاک سے ٹکراؤ! سوچئے کہ اس آسمان کے نیچے اس سے بدبخت شکل کوئی اور بھی ہو سکتی ہے کہ کرۂ ارض کے اہم ترین خطہ کے مسلمان اس طرح باہمد گر ٹکرا کر آغشتۂ خاک و خون ہو جائیں۔ اور قیامت بر قیامت یہ کہ اسرائیل، جو پہلے سے پورے جسد اسلامی کے لئے خار پہلو رہی نہیں بلکہ خار چشم ہے، ان کی اس کمزوری کے بعد مزید طاقت حاصل کرلے۔

اُف! کس قدر روح فرسا ہے یہ منظر اور کیسا جگر خراش ہے یہ تصور! ہم حکومت مصر کے ارباب بست و کشاد سے اب بھی درخواست کریں گے کہ وہ اپنی روش کے بہاؤ میں نہ بہے جائیں۔ بلکہ ذرا تھم کر سوچیں کہ یہ رستہ انہیں کس طرف لئے جا رہا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ وہ مختلف اسلامی ممالک کو پکار کر ایک جگہ جمع کریں۔ اور پھر روس کی پیش کش یا امریکہ کی دھمکی کا جواب ایک متحدہ محاذ کی طرف سے دیں۔

ہم پاکستان کے ارباب حل و عقد سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ اسرائیل کے مسئلہ کو خاص اہمیت دیں۔ اور امریکہ۔ برطانیہ کی اس دھمکی کو صرف مصر کے خلاف سمجھ کر مطمئن نہ ہو جائیں۔ یہ دھمکی (جو اب بالواسطہ نہیں بلکہ بلاواسطہ اسرائیل کی تائید تقویت کا اعلان ہے) پورے کے پورے عالم اسلام کے خلاف ہے۔ یہ نازک وقت حکومت پاکستان کی خارجی پالیسی کے لئے سخت امتحان کا وقت ہے اور ملک کی نگاہیں ان کے فیصلہ کی منتظر ہیں۔ روس کی آئیڈیالوجی اور اسرائیل کی حکومت دونوں عالم اسلامی کے لئے تباہی کا موجب ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان اس مرحلہ کو کس حسن کارانہ انداز سے طے کرتا ہے۔ (پرچہ کے پریس میں جانے تک اس خبر کی توثیق اخبارات سے نہیں ہوئی)

دو قومی نظریہ

مشرقی پاکستان کی عوامی لیگ نے بالآخر فیصلہ کر لیا ہے کہ ان کی جماعت کے دروازے غیر مسلموں کے لئے بھی کھول دیئے جائیں۔ اس فیصلہ کے ساتھ انہوں نے یہ مطالبہ بھی کیا ہے (اور یہ مطالبہ اس فیصلے کا منطقی نتیجہ ہے) کہ جداگانہ انتخابات کی بجائے مخلوط انتخابات ہونے چاہئیں۔ فیصلے کی وجہ جواز یہ دی گئی ہے کہ چونکہ ملک یکساں طور پر تمام فرقوں کا ہے لہذا ہر فرقے کو سیاست میں کام کرنے کا برابر اور پورا موقع ملنا چاہیئے اور مطالبے کا جواز یہ ہے کہ چونکہ غیر مسلم خود جداگانہ انتخابات پسند نہیں کرتے لہذا ان پر اسے ٹھونسا نہیں جا سکتا۔ نیز مسلمان اکثریت میں ہیں اس لئے انہیں جداگانہ انتخابات پر اصرار نہیں

کرنا چاہیئے، کیونکہ تحفظ کی ضرورت اقلیتوں کو ہوتی ہے نہ کہ اکثریت کو۔

سیاست کے ہنگامی مصالح کو دیکھا جائے تو اس فیصلے اور مطالبے کا مقصد صاف ظاہر ہے۔ عوامی لیگ صوبے اور مرکز دونوں میں مخالفت بنچوں پر ہے۔ یعنی وہ دونوں جگہ وزارتوں سے محروم ہے۔ یہ صدمہ کسی سیاست دان کا بھی دماغی توازن خراب کر سکتا ہے۔ عوامی لیگ کا اس سے غیر معمولی طور پر متاثر ہونا اور زیادہ قابل فہم ہے کیونکہ دونوں وزارتیں پکتے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں گرا ہی چاہتی تھیں کہ ان کے حریفوں نے آگے بڑھ کے انہیں اپنے دامن میں لے لیا، وہ دن اور آج کا دن عوامی لیگ بالعموم اور ان کے قائد سہروردی بالخصوص مقبولیت اور اعتدال دونوں کو کھو بیٹھے۔ اس دہری محرومی کے بعد اس جماعت کا جو کردار مجلس دستور ساز میں دیکھنے میں آیا وہ لائق ہزار مذمت ہے۔ اس کی بنا پر مسٹر سہروردی جیسے کہنہ سال سیاست داں نے اپنے تیار کئے ہوئے مسودہ وحدت مغرب کی مخالفت کی۔ در انحالیکہ وہ اصل وحدت کے مخالف نہیں تھے۔ (انہوں نے ان دنوں لاہو میں صاف طور پر کہا ہے کہ وہ ایک یونٹ کے خلاف نہیں بلکہ اسے ملک کے لئے مفید سمجھتے ہیں) اس جفائے وفا نما کے علی الرغم وحدت مغرب کا مسودہ پاس بھی ہوا، اور وہ ایک زندہ حقیقت بھی بن گیا۔ اب کم از کم عوامی لیگ کے لئے ایوان حکومت میں داخلے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ آئندہ انتخابات کو سامنے رکھ کر وہ ہر تنکے کا سہارا لے رہی ہے۔ مشرقی پاکستان میں وہ کھلم کھلا ہندوؤں کو ساتھ ملانا چاہتی ہے تاکہ اس کی ساری قوت اس کی پشت پر ہو اور وہ اس کے کسی حریف کا ساتھ نہ دے سکیں، اور مغرب میں وہ مخالفین وحدت کو ساتھ ملانے کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ اس کے لئے عوامی لیگ نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ اگر وہ برسر اقتدار آئی تو وحدت مغرب سے متعلق عوام کی رائے دریافت کرے گی۔ (واضح رہے کہ مجلس دستور ساز عوامی لیگ کا استصواب سے متعلق مطالبہ بھاری اکثریت سے مسترد کر چکی ہے)

گو بظاہر یہ انتخابات کے سلسلہ میں اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مددگار حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ لیکن یہ مددگار کس قسم کے لئے جا رہے ہیں؟ بنگالی ہندوؤں نے پاکستانی سیاسیات کو جس حد تک مسموم کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ یہ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ ہماری سیاست میں آٹھ سال تک توازن پیدا نہیں ہو سکا۔ لیکن اب جب وحدت مغرب سے اس حقیقت منتظر کے لباس مجاز میں نظر آنے کے سامان ہوئے ہیں تو عوامی لیگ آگے بڑھ کر ہندوؤں کو پوری طرح میدان میں لے آنا چاہتی ہے تاکہ وہ پس پردہ تار ہلانے کی بجائے کھلے بندوں عنان سیاست کو اپنے قابو میں رکھ سکیں۔ بنگالی ارباب سیاست کو جس طرح اپنا آلہ کار بناتا چلا آ رہا ہے، اور اس کے جو نتائج دعواقب منظر عام پر آئے ہیں وہ غایت درجے کی جگر پاش داستان ہے اور علیحدہ تبصرے کی محتاج۔ اب وہ کھلم کھلا سامنے آ کر جس کردار کا مظاہرہ کریں گے اس کا کامل صبر و سکون سے اندازہ کرنے کے لئے عوامی لیگ کا ہی دل گردہ چاہیئے۔ بنگال میں تو ان ہندوؤں کو ساتھ ملایا جائے گا اور مغربی پاکستان میں ان کے ہم سفر وہ طائفہ ہوگا جس نے آج تک پاکستان کے حق میں بھولے سے بھی خیر کا ایک کلمہ تک نہیں کہا۔ وہ وحدت مغرب کے مخالف ہیں تو محض اس لئے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اس سے پاکستان کی اساس مضبوط ہوتی ہے۔ ان کو یہ جھکمہ دیا گیا ہے کہ پھر سے اقتدار آ کر وحدت کے سوال کو دوبارہ زیر بحث لایا جائے گا۔ ان عناصر کو دائیں اور بائیں بازو بنانے کی کوشش کر کے عوامی لیگ ایسا کھیل کھیل رہی ہے جس کے نتائج خطرناک ترین ہوں گے لیکن ملک کی کشتی پار ہو یا درمیان دریا رہے عوامی لیگ کو اپنی طغیانیوں سے کام!

یہ کھیل ہنگامی مصالح کے نقطۂ نگاہ سے بھی ملک کے لئے مفید نہیں لیکن اس کا ایک اصولی پہلو بھی ہے جو اس سے اہم تر ہے۔ ہندوؤں کو جماعت میں شریک کرنے اور ان سے مل کر مشترکہ انتخابات رائج کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اور ہندو ایک ہی قوم ہیں دونوں پاکستان میں رہنے کی وجہ سے پاکستانی ہو سکتے ہیں لیکن سوال ان کے ایک ملت ہونے کا ہے۔ یہ صورت کہ ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں مسلمانوں نے ہندوستان میں قبول نہیں کی تھی۔ وہاں نزاع یہی تھی کہ مسلمانوں نے متحدہ قومیت کا اصول تسلیم نہیں کیا تھا اور اس بنا پر علیحدہ ملک کا مطالبہ کیا تھا کہ وہ جداگانہ قوم ہیں اگر مسلمان بربنائے اسلام جداگانہ قومیت کا مطالبہ نہ کرتے تو ان کے مطالبہ علیحدگی کی کوئی معقول وجہ نہ ہوتی۔ کیونکہ دیگر مطالبات کو ہندوستانی قومیت کے دائرہ میں رہ کر پورا کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ہندو نے مسلمان کے مطالبہ علیحدگی کو اسی طرح پورا نہ اختم کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمان نے کہیں مفاہمت نہیں کی اور اس کا موقف یہی رہا کہ "بٹ کے رہے گا ہندوستان" کیونکہ ہندو اور مسلمان ایک قومیت متحدہ نہیں بن سکتے۔ مسلمانوں کے مطالبۂ علیحدگی اور اس پر اصرار نے ایک عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا اور ان کی روش کو بالعموم بہ نظر استحسان نہیں دیکھا جاتا تھا، مگر مسلمان نے مخالفت کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی اور اپنے مطالبہ پر اڑا رہا تا آنکہ وہ اپنی جداگانہ مملکت بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ آٹھ سال پیشتر مسلمان تو مسلمان کوئی غیر مسلم بھی یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان اپنی "ضد" سے باز آ جائے گا۔ اور اپنے آپ کو مشترک ہندوستانی قوم کا ایک فرقہ سمجھنے پر رضامند ہو جائے گا۔ اگر غیر مسلم ایسا گمان رکھتے تو وہ یقیناً پاکستان پر راضی نہ ہوتے۔ پاکستان بن جانے کے بعد ایک دنیا نے اس کا اعتراف کر لیا کہ مسلمان پوری دیانتداری سے اپنے آپ کو اسلام کی بنا پر علیحدہ قوم سمجھتے ہیں۔ لیکن نہیں زمانہ یوں سمجھتا ہے تو سمجھا کرے مسلمان کی ذہنیت میں انقلاب واقع ہو رہا ہے اور وہ جداگانہ قومیت کے مطالبہ سے تائب ہو رہا ہے۔ پاکستان میں باقی رہ جانے والے معدودے چند ہندو اپنی کامیابی پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ جو کام غیر منقسم ہندوستان کے تیس کروڑ ہندوؤں سے نہیں ہو سکا تھا وہ بنگال کے ایک کروڑ ہندوؤں نے کر دکھایا اگر یہ ذہنیت عام ہو گئی اور اس ذہنیت کی علمبردار عوامی جماعت برسر اقتدار آ گئی تو پاکستان جس اساس پر استوار ہوا تھا وہ ختم ہو جائے گی۔ اس کا اور جو بھی نتیجہ نکلے۔ اتنا ضرور ہوگا کہ ملک کی عنان اقتدار علانیہ طور پر ہندو کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جب ہندو کے پاؤں رکاب میں ہوں گے اور ہاتھ باگ پر تو پھر منزل کیا ہوگی؟ پنڈت نہرو کشمیر سے محض اس لئے دستبردار نہیں ہو رہے کہ وہ دو قومی نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اب خیر سے مشرقی پاکستان سے انہیں تائید مل جائے گی۔

یہ غنیمت ہے کہ مغربی پاکستان کے متعدد سرکردہ عوامی لیگیوں نے مشرقی پاکستان کی عوامی لیگ کے فیصلے اور مطالبہ کی مذمت کی ہے اور اسے اساس پاکستان کے منافی قرار دیا ہے۔ اس سے اتنی تسلی تو ضرور ہو جاتی ہے کہ خود عوامی لیگ کے ارکان بھی تمام تر اس نقطۂ خیال سے متفق نہیں ہیں لیکن یہ تسلی اس حقیقت کے پیش نظر چھوٹی تسلی بن جاتی ہے کہ مغربی پاکستان میں ہندو برائے نام ہیں۔ ہندوؤں کی بھاری اکثریت مشرقی پاکستان میں ہے۔ لہذا مغربی پاکستان کے عوامی لیگیوں کا مشرقی پاکستان کے فیصلے کی مخالفت کرنا عملاً چنداں وقیع نہیں رہ جاتا۔ نیز اگر مغربی پاکستان اس نظریے کو قبول نہ بھی کرے تو مشرقی پاکستان میں اس خیال کا عام ہونا آدھے پاکستان کو متاثر کر دیتا ہے۔ اس کا اثر صوبائی سیاست پر ہی نہیں ملکی سیاست پر بھی پڑے گا اور یہ تصور کرنا مشکل نہیں کہ وہ اثر کیا ہوگا کیونکہ ہم ابھی تک اس سے پوری طرح گلو خلاصی حاصل نہیں کر سکے۔ کیا کوئی سوچنے والا ہے جو سوچے کہ یہ کیا خطرہ ابھر رہا ہے؟ یہ خطرہ پاکستان ہی کے خلاف نہیں۔ خود اسلام کے اصول اساسی کے خلاف ہے (اس کے متعلق ہم تفصیل سے پھر لکھیں گے)۔

افغانستان کا فتنہ

کابل اور قندھار میں چند ماہ پیشتر افغانستان نے جو اودھم مچایا تھا۔ وہ قضیہ متعدد ممالک اسلامیہ کی توسط سے بڑی مشکل سے مہینوں کے بعد طے ہوا تھا۔ اس سے متعلق مذاکرات کے دوران میں افغانستان جس غیر ذمہ داری اور بیہودگی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تھی کہ اس کے حکمرانوں کے دماغ سے پاکستان دشمنی کا خناس نکل گیا ہے۔ از بس غنیمت ہے کہ پاکستان نے مفاہمت ہی کو ترجیح دی اور قانونی اور اخلاقی طور پر سخت سے سخت اقدام کرنے میں حق بجانب ہونے کے باوجود اس

نے یہ گوارا نہیں کیا کہ دو دوسلمان ممالک میں کشیدگی پیدا ہو جائے اور باقی رہے۔ اور دنیا اس کا تماشہ دیکھے چنانچہ اس نے افغان حکمرانوں کی ناجائز ضد کی بھی پرواہ نہ کی اور اس قضیہ کو ختم کر دیا۔ لیکن جو ہاتھ افغان طائفہ کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں۔ اور بساط عالم پر اس مہرے کو کھیل رہے ہیں، وہ کہاں اسے نچلا بیٹھنے دے سکتے ہیں۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک اور فتنہ کھڑا کر دیا گیا۔ کابل کے وزیر اعظم سردار داؤد خاں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ وزیر اعظم پاکستان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں انھیں جواب دیا گیا کہ بسر و چشم تشریف لائیے۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ وہ ۲۰ اکتوبر سے پہلے ملاقات چاہتے ہیں۔ اس کے جواب میں انھیں بتا دیا گیا کہ فلاں فلاں تاریخوں میں ملاقات ہو سکتی ہے۔ بات صاف تھی اور ملاقات ہو جانی چاہیئے تھی، لیکن نہیں سردار صاحب اپنی آستین کا دشنہ پنہاں نکالتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ ۲۰ اکتوبر سے پہلے تشریف نہیں لا سکتے رحالانکہ انھوں نے خود اس تاریخ سے پہلے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی) البتہ بعد کی کوئی تاریخ مقرر کی جائے۔ اور ملاقات تک وحدت مغربیہ کے منصوبہ پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔ سردار صاحب کو تلک نے خواہ مخواہ کی تو عطا کر دی ہے مگر وہ ان بنیادی آداب تک کو خاطر میں لانے کے لئے تیار نہیں جو دو حکومت کے سربراہوں کے مابین ملحوظ رکھے جاتے ہیں آپ نے ذرا سی بھی دیانت اور صاف گوئی سے کام نہ لیا اور ملاقات سے پہلے یہ نہ بتایا کہ ملاقات کا محرک کیا ہے۔ اس کا کم سے کم جواب انھیں یہی دیا جا سکتا تھا کہ اگر شرط وصل لیلے یہی ہے تو ہم معذور ہیں یہ جواب سن کر آپ آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور کراچی میں متعین افغانی سفیر کو واپسی کا حکم دے دیتے ہیں۔

جیسی افغانی حکومت ویسے اس کے سفیر سردار عتیق خاں بھی جاتے جاتے ایک پریس کانفرنس طلب کرتے ہیں اور اس میں فرماتے ہیں کہ ان کی واپسی وحدت مغربی کے خلاف احتجاج ہے۔ انھوں نے پھر استصواب کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ۱۹۲۱ء کا معاہدہ جس کی رو سے افغانستان اور پاکستان کے مابین موجودہ سرحد تسلیم ہوئی تھی۔ ان کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ وحدت مغربی پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے اگر مطالبہ استصواب کا جائزہ لیا جائے تو اس کی زد خود افغانستان پر پڑتی ہے۔ وہ پختونستان کا ڈھونگ کھڑا کرتا ہے اور صورت یہ ہے کہ پاکستان میں پشتو والوں کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے جو افغانستان میں آباد ہیں اس کے پیش نظر تو استصواب یہ ہونا چاہیئے کہ افغانستان کے پختون پاکستان کے پختونوں سے ملنا چاہتے ہیں؟ اس کے ساتھ ہی افغانستان میں فارسی بولنے والوں کی اکثریت ہے۔ حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے بھی پوچھ لیا جائے کہ کیا وہ افغانستان میں رہنے کے لئے تیار ہیں یا علیحدہ ہونا پسند کریں گے۔ اگر ایسا کیا جائے تو افغانی حکمرانوں کے پاس شاید ان کے محل ہی رہ جائیں۔

۱۹۲۱ء کے معاہدے کی دلیل بھی کم دلچسپ نہیں یہ معاہدہ افغانستان اور برطانوی حکومت ہند کے مابین طے ہوا تھا اسکی رو سے برطانیہ نے افغانستان پر اپنا تصرف چھوڑا تھا اور اسے آزاد تسلیم کر لیا تھا۔ اسی کی رو سے اسے موجودہ پاکستان کے راستے بیرونی دنیا سے تجارت کرنے کی آسانیاں دی گئی تھیں۔ لہٰذا اگر اس معاہدہ کو کالعدم قرار دیا جائے تو جہاں افغانستان کی یہ خواہش پوری ہو گی کہ موجودہ سرحد قابل تسلیم نہیں رہے گی۔ وہاں اسے پاکستان کے ذریعہ تجارت سے ہی نہیں بلکہ آزادی تک سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اگر وہ اس معاہدہ کو منسوخ کر کے برطانیہ کے تصرف میں جانے کے لئے تیار ہے تو وہ شوق سے ایسا کرے۔

دراصل یہ معاملہ قانونی موشگافیوں یا انصاف و معقولیت کا نہیں بلکہ عربی محاورے کے مطابق دیوار پھاڑنے کی ذمہ داری کیل پر نہیں بلکہ اس پر ہے جو کیل کو ٹھونک رہا ہے یہ فتنہ ان کا پیدا کیا ہوا ہے جو نہیں چاہتے کہ پاکستان اطمینان کا سانس لے اور اندرونی طور پر مستحکم ہو سکے اور دنیائے اسلام کو متحد کر سکے (اس سلسلہ میں لمعات بھی ملاحظہ کیجئے) یہ مقصد صاف طور پر روس اور ہندوستان کا ہے اور وہ برسوں سے افغانستان پر اپنا سحر پھونکتے چلے آ رہے ہیں چنانچہ یہ محض اتفاق نہیں کہ نئی دہلی کے افغانی قنصل خانے سے یہ اعلان ہوا ہے کہ افغانستان چیکوسلواکیہ سے سامان جنگ خریدے گا۔ وہ روس سے نام نہاد تجارتی معاہدہ بھی کر چکا ہے۔ یہ سب کر گزرنے کے بعد افغانستان کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہیں رہ جانی چاہیئے۔ پاکستان ہی کی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کی بدقسمتی ہے کہ افغانستان دشمنان اسلام کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گیا ہے۔ لیکن ہمیں اس چیلنج کا جواب دینا ہو گا۔ اس کا اضطراری جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ افغانستان کو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے۔ پاکستان ایسا کرنے میں پوری طرح حق بجانب ہے۔ اور اندرونِ ملک عوام کے جذبات بھی اس قسم کے ہیں۔ اس سخت جواب کا اثر ضرور ہوگا۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ افغانستان کو سبق سکھلانے سے کہیں زیادہ اہم اور اصولی کام یہ ہے کہ ساعی اتحاد کو تیز تر کر دیا جائے۔ اور جو جو مسلمان ممالک رشتہ وحدت میں منسلک ہو سکتے ہیں انھیں اکٹھا کر کے ایک دفاعی تنظیم کی تشکیل کر لی جائے۔ جیسا کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ اس کی واحد صورت ..... معاہدہ بغداد کی توسیع اور اس کی عملی تعبیر ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جوں جوں اس منصوبہ میں رنگ عمل بھرتا جائے گا مسلمان ممالک کے لئے اس میں دلکشی بڑھتی جائے گی۔ معاہدین بغداد کو افغانستان سے کہیں زیادہ مصر کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے۔ اس نے بھی اپنا رشتہ ہندوستان سے جوڑ رکھا ہے اور روس کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا ہے مصر اور افغانستان علامات ہیں مرض افتراق کی۔ اس کا شافی اور دائمی علاج وحدت اور استحکام ہے۔

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاج شناس رسول یہ کون جانتا ہے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول، مزاج شناس کون ہیں؟ اسکی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۰ صفحات ——— قیمت چار روپے

مقام حدیث حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

فردوس گم گشتہ (از پرویز) اُن مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطہ نگاہ سے۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۰۰ صفحات ——— قیمت چھ روپے

نوادرات (از علامہ اسلم جیراجپوری، علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت (از پرویز) مسلمان کے عادات و خلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں صفحات ۱۹۲۔ قیمت دو روپے

نظام ربوبیت (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے
قیمت (قسم اوّل) ——— چھ روپے
(قسم دوم) غیر مجلد ——— چار روپے

اقبال اور قرآن (از پرویز) علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ
ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات دو سو چھپن (۲۵۶) ——— قیمت دو روپے

تمام کتب مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴۲/۴۳۔ کراچی

تاریخی شواہد

(۳۵)

اس واقعۂ جلیلہ کے متعلق قرآن کریم کا بیان ختم ہوا۔ لیکن آگے بڑھنے سے پہلے ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ بعض لوگ جو قرآن کریم کے اس معجزانہ طریق بیان اور حضرت ابراہیمؑ کے اس مخصوص طریق استدلال کی حقیقت کو نہیں پہچانتے وہ اس غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ (معاذ اللہ) حضرت ابراہیمؑ نے ستارہ، چاند اور سورج کو کچھ وقت کے لئے اپنا پروردگار سمجھ لیا تھا اور ان کے غروب ہوتے کے بعد ان کی معبودیت سے بیزاری ظاہر کی تھی۔ یہ غلط فہمی اپنے بطلان کے لئے کسی خاص دلیل و برہان کی محتاج نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ نبی، منصب نبوت و رسالت کے لئے مشیتِ خداوندی کے تحت شروع ہی سے تیار کیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ ان امور میں جو حقیقت کے خلاف ہوتے ہیں اپنے ماحول اور وراثت کے اثرات سے بالکل متاثر نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا کہ ایک نبی، حکماء و عقلاء کی طرح، ذاتی تجارب، و مشاہدات کی ٹھوکروں کے بعد استقرائی طور پر صحیح نتیجہ پر پہنچتا ہے، حقیقتِ نبوت سے بیگانگی کی دلیل ہے۔ نبوت اکتسابی ملکہ نہیں ہے جسے تجارب و مشاہدات سے حاصل کیا جائے وہ خدا کی موہبت عظمیٰ ہے جس کا نزول قلبِ رسالت مآب پر ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ (معاذ اللہ) کواکب پرستی کی شرک کے بعد توحید کی طرف آئے تھے ایسی بڑی جسارت ہے جس کے تصور سے روح کانپتی ہے خود قرآن کریم نے جس انداز و ترتیب سے اس واقعہ کو بیان کیا ہے وہ اس پر شاہد ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کے (معاذ اللہ) اعتراف کواکب پرستی کا بیان نہیں بلکہ قوم کے سامنے حقیقت سے پردہ اٹھانے کا ایک موثر انداز ہے جس میں نظری دلائل کے بجائے عینی مشاہدہ کے طریقہ کو ترجیح دی گئی ہے۔ واقعہ کی ابتدا بت پرستی کے خلاف حضرت ابراہیمؑ کے اعتراض سے ہوتی ہے (دیکھئے ۶/۷۵) اس کے بعد کَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۶/۷۶) سے ظاہر ہے کہ اس واقعہ سے پہلے ہی حضرت ابراہیمؑ ملکوت ارض و سماوات (نظام ارضی و سماوی) کے متعلق مقام علم و یقین تک پہنچ چکے تھے۔ اس کے بعد اصل واقعہ فَلَمَّا سے شروع ہوتا ہے جو دونوں آیتوں کے باہمی تعلق کی ایک محکم کڑی ہے یعنی پہلے نظام ارضی و سماوی کے رازہائے سربستہ حضرت ابراہیمؑ پر منکشف کئے گئے اور اس کے بعد (فَلَمَّا) یہ واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کی آخری آیت (۶/۷۹) میں ارشاد ہے کہ جب سورج بھی ڈوب گیا تو قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ قوم سے تخاطب اس امر کی شہادت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ یہ باتیں اپنی قوم کو سمجھا رہے ہیں، سورج چاند، اور ستاروں کے حالات پر غور کر کے (معاذ اللہ) اپنے شرک سے تائب نہیں ہو رہے۔ اس سے بھی آگے بڑھئے آیت ۸۰ میں ارشاد ہے وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ آپ کی قوم نے آپ سے جھگڑا شروع کر دیا۔ یہ جھگڑا خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ سارا معاملہ قوم کے ساتھ پیش آیا تھا اور پھر آخری آیت (۶/۸۳) نے تو اس معاملہ کو بالکل شک و شبہ سے بلند کر کے رکھ دیا ہے جہاں فرمایا کہ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ یہ وہ دلیل محکم (حجت) و برہان قاطع تھی جو ہم نے (خود اللہ تعالیٰ نے) قوم کے خلاف حضرت ابراہیمؑ کو عطا فرمائی تھی۔ یعنی یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور دلیل و حجت پیش کیا گیا تھا۔ اب اس کے بعد معلوم نہیں کون سی چیز مبہم رہ جاتی ہے جو ذہن کو حضرت ابراہیمؑ کی (معاذ اللہ) ستارہ پرستی کی طرف منتقل کرائے سوا اس کے کہ اسرائیلیات کے تتبع میں ہمارے بعض مفسرین نے ایسا لکھ دیا ہے۔

لطیف نظری دلائل کے بجائے محسوس عینی مشاہدات سے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ اب دوسرا واقعہ سامنے آتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اصنام پرستی کے خلاف جو حقیقت کشا دلائل پیش کئے تھے ان کا ذکر پہلے آچکا ہے جب قوم نے ان پر کان نہ دھرا تو اس باب میں بھی حضرت ابراہیمؑ نے یہی دوسرا طریق استدلال اختیار کیا۔ یہ واقعہ قرآن کریم نے دو مقامات پر بیان کیا ہے۔ ایک سورۂ انبیاء اور دوسرے سورۂ صٰفٰت میں۔ سورۂ انبیاء کے پانچویں رکوع کو دیکھئے۔ ابتدا یوں ہوتی ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ
عٰلِمِیْنَ ۝ (۲۱/۵۱)

اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کے مطابق سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی اور
ہم اس کی حالت سے بے خبر نہ تھے۔

اس کے بعد وہ اپنے باپ اور قوم سے کہتے ہیں کہ ذرا سوچو تو سہی کہ یہ مٹی کی مورتیاں کون سے اختیار و اقتدار کی مالک ہیں کہ تم انہیں اپنا معبود بنائے بیٹھے ہو؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ان مورتیوں کی عبادت کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ تو ہمارے آباء و اجداد سے متوارث چلی آرہی ہے۔ یعنی ان کے تقدس اور الوہیت اور قوم کے مسلک کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ اس روش کو اسلاف کی سند حاصل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کیا تم اور کیا تمہارے آباؤ اجداد سب کھلی ہوئی گمراہی میں ہو۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ
مُّبِیْنٍ ۝ (۲۱/۵۴)

ابراہیم نے کہا "یقین کرو، تم خود بھی اور تمہارے باپ دادا سب صریح
گمراہی میں پڑے ہو۔

قوم کی ذہنیت اس درجہ مفلوج ہو چکی تھی کہ وہ سراپا استعجاب تھے کہ یہ "لڑکا" بالآخر کہتا کیا ہے! "یہ تقدس اور الوہیت کے مجسمے عاجز و درماندہ ہیں" "تم اور تمہارے آباؤ اجداد سب کھلی ہوئی گمراہی میں ہو"!! انہوں نے کہا کہ کیا تم یہ سب کچھ سچ مچ (Seriously) کہہ رہے ہو یا محض بطور تفنن طبع؟

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ۝ (۲۱/۵۵)

اس پر انہوں نے کہا۔ تو ہم سے سچ مچ کہہ رہا ہے یا مزاح کر رہا ہے؟

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر یہ بات اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی کہ یہ مجسمے مجبور و درماندہ ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی قدرت نہیں تو۔

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ (۲۱/۵۷)

بخدا! میں ضرور تمہارے ان بتوں کے خلاف ایک تدبیر کروں گا۔ جب تم
سب پیٹھ پھیر کے چل دو گے۔

پھر دیکھوں گا کہ یہ بت کس طرح اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں یا مجھ پر کوئی آفت ڈھا دیتے ہیں۔ لوگوں نے ان کی یہ بات ایک کان سے سنی اور دوسرے کان سے نکال دی۔ ان کے دل میں ان بتوں کی عظمت و تصرف کی عقیدت اس قدر گہری تھی کہ یہ بات ان کے حیطۂ تصور میں بھی نہ آسکتی تھی کہ کوئی شخص ان کی طرف انگلی بھی اٹھا سکتا ہے! لیکن حضرت ابراہیم کو تو ان عقل کے اندھوں کو دکھا دینا تھا کہ یہ پتھر کی مورتیاں کس درجہ بے بس ہیں۔ معبد خالی ہوا تو انہوں نے موقع پا کر ایک ایک بت کے ٹکڑے کر دیئے اور سب سے بڑے بت کو اسی طرح رہنے دیا کہ (جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا) اس سے یہ تدبیر زیادہ نتیجہ خیز ہو گئی۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ
یَرْجِعُوْنَ ۝ (۲۱/۵۸)

چنانچہ (اس نے ایسا ہی کیا) اس نے بتوں کو توڑ کے ٹکڑے ٹکڑے
کر دیا۔ صرف ایک بت جو ان میں بڑا سمجھا جاتا تھا، چھوڑ دیا، شاید
وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

ابلیس و آدم — از پرویز — قیمت۔ چار روپے

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

باب سوم

ہم یہ درخواست حضورِ رسالتمآب سے اس لئے کر رہے ہیں کہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہماری ناموس آپ ہی کے دامن سے وابستہ ہے۔ دنیا میں بھی ہمارے پردہ دار آپ ہیں اور آخرت میں بھی ہماری عزت آپ ہی کے نام سے ہے۔

لطف و قہرِ او سراپا رحمتے
آں بہ یاراں ایں بہ اعدا رحمتے
آنکہ بر اعدا درِ رحمت کشاد
مکہ را پیغام لاتثریب داد

حضورؐ کا جمال اور جلال آپ کی سختی اور نرمی دونوں باعثِ رحمت ہوتے ہیں۔ نرمی دوستوں کے لئے باعثِ رحمت اور سختی دشمنوں کے لئے باعثِ کرم۔ جس طرح ایک طبیب کا مرہم اور اس کا نوکِ نشتر دونوں مریض کے لئے باعثِ رحمت ہوتے ہیں۔ جو زخم مرہم سے مندمل ہو سکتا ہو اس کے حق میں مرہم باعثِ شفا ہوتا ہے لیکن جو ناسور بہت گہرا ہو چکا ہو اور اس کے لئے نشتر کا استعمال ناگزیر، اس مریض کے حق میں نشتر کی تیزی اور اس طریقۂ علاج کی سختی بھی باعثِ رحمت ہوتی ہے۔ معمولی چوٹ کا علاج نرم نرم مالش سے ہو جاتا ہے۔ لیکن جب ہڈی ٹوٹ جائے تو اس کو دو لکڑیوں کے درمیان رکھ کر سختی سے باندھنا پڑتا ہے یا پلاسٹر کے پتھر میں مہینوں تک جکڑ دینا ہوتا ہے۔ بظاہر اس طریقۂ علاج میں سختی اور درشتی نظر آتی ہے لیکن درحقیقت یہ مریض کے لئے رحمت ہوتا ہے۔ طبیب جانتا ہے کہ کس مقام پر نرمی سے کام چل سکتا ہے اور کہاں سختی کی ضرورت ہوتی ہے۔ قریشِ مکہ کی پیہم مخالفت نے مجبور کر دیا کہ ان کے ساتھ جنگ کی جائے۔ جب وہ مفتوح اور مغلوب ہو گئے تو با جولانِ جنگی قیدیوں کی حیثیت سے حضورؐ کے سامنے لائے گئے۔ یہ وہ سردارانِ قریش تھے جنہوں نے گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں ضرر رسانی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ لیکن جب حضورؐ نے ان کے چہروں پر نگاہ ڈالی تو ان میں اصلاح اور ندامت کے آثار نظر آئے اس پر آپ نے فرمایا" لاتثریب علیکم الیوم" جاؤ تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ ہم نے سب کو معاف کر دیا۔ اس عفو کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ سب کے سب اسلام لے آئے۔

اس کے بعد علامہ اقبال نے یہ بتایا ہے کہ اس نئے آئین کی رُو سے قومیت کا معیار بھی یکسر بدل گیا۔ اس سے پہلے دنیا میں قومیں نسلی۔ وطنی۔ لسانی۔ لونی امتیازات کی رُو سے متشکل ہوتی تھیں۔ لیکن قرآن نے آ کر یہ اعلان کیا کہ ان امتیازات میں سے کوئی بھی مختلف افراد کو ایک قوم کے رشتہ میں منسلک نہیں کر سکتا۔ قومیت کا مدار صرف آئیڈیالوجی ہے۔ جو لوگ قرآن کی آئیڈیالوجی پر ایمان رکھتے ہیں (جنہیں مومن کہا جاتا ہے) وہ دنیا کے کسی حصہ میں بھی آباد ہوں، سب ایک قوم کے فرد ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ اس آئیڈیالوجی کے خلاف کسی اور آئیڈیالوجی کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں وہ دوسری قوم کے افراد ہیں۔ نوعِ انسانی کی سیاسی اور عمرانی زندگی میں یہ اتنا بڑا انقلاب تھا جس کا احساس چودہ سو برس کے بعد دنیا کو کہیں اب جا کر ہونے لگا ہے۔ اگرچہ ابھی انسانوں کو عملاً اس طرح پر پہنچنے کے لئے نہ معلوم کتنا وقت اور لگے گا۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ

ما کہ از قیدِ وطن بیگانہ ایم چوں نگہ نورِ دو چشمیم و یکیم

ہم افرادِ ملتِ اسلامیہ وطن کی نسبت سے بالکل بیگانہ ہیں۔ تم نگاہ کو دیکھو۔ وہ دو آنکھوں سے الگ الگ نکلتی ہے، لیکن درحقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہماری جائے بود و ماند کوئی بھی ہو ہم سب حقیقت میں ایک ہیں۔

از حجاز و چین و ایرانیم ما
شبنمِ یک صبحِ خندانیم ما

اس میں شبہ نہیں کہ ہم حجاز میں رہتے ہیں اور چین اور ایران میں بھی لیکن ہم ایک صبحِ خنداں کی شبنم ہیں اس لئے ہم میں کوئی مغائرت نہیں۔

مستِ چشمِ ساقیِ بطحا استیم
در جہاں مثلِ مے و مینا استیم

ہم تمام افراد ایک رسولِ عربیؐ کی نسبت سے امتِ واحدہ بنتے ہیں۔ ہماری شال شراب اور صراحی کی سی ہے کہ ساغر کس قدر مختلف کیوں نہ ہوں ان کی شراب کا سرچشمہ وہی صراحی ہوتی ہے

امتیازاتِ نسب را پاک سوخت
آتشِ او ایں خس و خاشاک سوخت

اس آئینِ نو نے وطنی اور جغرافیائی امتیازات ہی کو نہیں مٹایا بلکہ حسب و نسب کے امتیاز کو بھی یکسر جلا کر رکھ دیا۔ اور ہماری یہ حالت ہو گئی کہ

چوں گلِ صد برگ مارا بو یکے است
اوست جانِ ایں نظام و او یکے است

جس طرح پھول کی پتیاں سینکڑوں ہوں لیکن ہر پتی سے ایک ہی خوشبو آتی ہے اسی طرح افرادِ امت کی تعداد کتنی ہی بے شمار کیوں نہ ہو، ہر فرد ایک ہی پیغام کا علمبردار اور ایک ہی روح کا حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پورے نظام کی جان رسولِ اکرمؐ ہیں اور اسی وجہ سے ہر فردِ امت ایک ہی رشتے سے بندھا ہوا ہے۔

سرِ مکنونِ دلِ او ما بدیم
نعرہ بے باکانہ زد افشا شدیم

ہمارا تصور بہ حیثیت ایک عالمگیر امت کے حضورؐ کے قلب میں ایک عرصہ تک بطور ایک پوشیدہ راز کے رہا۔ اس کے بعد جب آپ نے اپنی رسالت کا چرچا عام کیا تو یہ راز افشا ہو کر تمام اطرافِ عالم میں پھیل گیا۔

شورِ عشقش در نئے خاموشِ من
می تپد صد نغمہ در آغوشِ من

میری بظاہر خاموش بانسری کے اندر حضورؐ کے عشق کا شور پوشیدہ ہے۔ اس کی وجہ سے میرے پہلو میں ہزاروں نغمے پرورش پاتے ہیں۔

من چہ گویم از تولایش کہ چیست
خشک چوبے در فراقِ او گریست

میں تمہیں کیا بتاؤں کہ آپ کا عشق کیا چیز ہے اور اس کی حرارت کیا کچھ کرتی ہے انسان تو ایک طرف ایک خشک لکڑی بھی آپ کے ہجر میں بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگ جاتی ہے۔ روایت میں ہے کہ شروع شروع میں حضورؐ ایک کھجور کے خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر مسجد میں خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ اس کے بعد جب مسجد میں منبر تیار ہو گیا تو آپ اس پر تشریف لے گئے۔ لیکن مجمع نے سنا کہ اس خشک کھجور کے تنے سے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ اس واقعہ کو مولانا روم نے اپنی مثنوی میں بیان کیا ہے۔ لیکن قرآنی نقطۂ نگاہ سے یہ صحیح نہیں۔ بہرحال اقبال نے اس سے شاعرانہ فائدہ اٹھایا ہے۔ شاعر کو مروجہ روایات کی تحقیق سے غرض نہیں ہوتی۔ وہ انہیں علیٰ حالہٖ لے لیتا ہے اور اس سے اپنے مطلب کا نتیجہ اخذ کر لیتا ہے۔ اور یہ شاعری کا بنیادی نقص بھی ہے۔ انسان کسی بات کو نثر میں پیش کرے یا نظم میں اسے کسی صورت میں بھی حقائق سے الگ نہیں ہونا چاہیئے۔

درسِ بخاری

[۱۰ر ستمبر کے طلوع اسلام میں "قرآن کی تفسیر احادیث کی رو سے" پیش کی گئی تھی۔ اس کے بعد سے ناظرین کا برابر اصرار تھا کہ اس سلسلہ کو مزید جاری رکھا جائے۔ چنانچہ اس اشاعت سے "درس بخاری" کے عنوان کے ماتحت بخاری کی کچھ منتخب احادیث بلا تنقید و تبصرہ پیش کی جا رہی ہیں۔ احادیث کا ترجمہ مرزا حیرت صاحب دہلوی کا کیا ہوا ہے۔ جو نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی سے شائع ہوا ہے۔ حوالہ کے لئے ہر حدیث سے پہلے صفحہ نمبر اور حدیث نمبر دیا گیا ہے اوپر صفحہ نمبر ہے اور نیچے حدیث نمبر ہے اور حدیث جلد دوم سے لی گئی ہیں۔]

(۱۵۸/۵۶۵) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے اپنا ختنہ ایک بسولے سے کیا۔ وہ اس وقت اسی برس کے تھے۔

(۱۵۹/۵۶۵) حضرت ام شریک سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گرگٹ کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ روشن کرتی تھی۔

(۱۶۶/۶۶۳) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا موسیٰ ایک شرمگیں پردہ کرنے والے آدمی تھے ان کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ جس سے ان کو حیا معلوم ہوتی تھی۔ تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے انھیں اذیت دی اور کہا کہ جو یہ اس قدر پردہ کرتے ہیں تو کسی عیب کے سبب سے جو ان کی جلد میں ہے یا تو برص کے سبب سے یا فتق کی وجہ سے یا کوئی اور بیماری ہے۔ اور بے شک اللہ عزوجل نے یہ چاہا کہ ان کو بری کر دے اس بات سے جو انھوں نے موسیٰ کی نسبت کہی۔ پس موسیٰ نے ایک روز تنہائی میں اپنے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے بعد اس کے غسل کرنے لگے۔ جب فارغ ہوئے اپنے کپڑوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ تاکہ ان کو لیں اور پتھر ان کے کپڑوں کو لے کے بھاگا۔ پس موسیٰ اپنی لاٹھی کو اٹھا کر پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے ثوبی حجر ثوبی حجر (اے پتھر میرے کپڑے دیدے اے پتھر میرے کپڑے دے دے یہاں تک کہ وہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں پہنچے) ان لوگوں نے موسیٰ کو برہنہ دیکھ لیا۔ اللہ کی مخلوقات میں سب سے عمدہ اور ان باتوں سے جو وہ کہتے تھے (ان کو) بے عیب پایا۔ اور پتھر (وہاں جا کے) ٹھہر گیا۔ اور موسیٰ نے اپنے کپڑے لے لیا۔ اور ان کو پہن لیا۔ اور پتھر کو اپنے لاٹھی سے مارنے لگے۔ پس خدا کی قسم پتھر میں (ایک اب) ان کے مارنے کے نشانات موجود ہیں۔ تین یا چار یا پانچ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا (اے مسلمانو! تم ان لوگوں کے مثل نہ ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو اذیت دی پھر اللہ نے موسیٰ کو اس بات سے جو وہ موسیٰ کی نسبت کہتے تھے بری کر دیا اور وہ اللہ کے ہاں باعزت ہیں)

(۱۶۸/۶۲۶) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ملک الموت کو موسیٰ کے پاس بھیجا گیا چنانچہ جب وہ موسیٰ کے پاس آیا۔ تو موسیٰ نے اس کی آنکھ پر طمانچہ مارا۔ اور وہ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ گیا۔ اور اس نے کہا کہ تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ نے فرمایا تو پھر ان کے پاس جا اور ان سے (میری طرف سے) کہنا کہ تم اپنا ہاتھ ایک بیل کی پشت پر رکھو۔ جس قدر بالوں کو ان کا ہاتھ چھپالے گا۔ ہر بال کے عوض میں انھیں ایک سال (عمر کا) ملے گا۔ (چنانچہ ملک الموت نے یہی جا کے کہا) موسیٰ نے کہا اے پروردگار پھر اس کے بعد کیا ہوگا! اللہ نے فرمایا پھر موت۔ موسیٰ نے عرض کیا تو پھر ابھی سہی۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں پھر انھوں نے اللہ عزوجل سے درخواست کی کہ انھیں ارض مقدس سے بقدر ایک تیر کے پھینکے کے قریب کر دے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ان کی قبر کے راستے کی طرف سرخ ٹیلے کے نیچے دکھاتا۔

(۱۰۳/۶۴۲) حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ سلیمان بن داؤدؑ نے (ایک دن) کہا کہ آج شب کو میں ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا ہر عورت کے پیٹ میں ایک شہسوار جائے گا۔ جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا۔ تو ان سے ان کے ایک ہمنشین نے کہا کہ انشاء اللہ (کہئے) مگر سلیمان نے نہ کہا۔ پس کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی۔ سوا ایک کے (سو اس کے بھی ایسا بچہ پیدا ہوا) جس کا ایک جانب گرا ہوا تھا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو وہ سب عورتیں حاملہ ہو جاتیں اور وہ (سب بچے) خدا کی راہ میں جہاد کرتے۔ شعیب اور ابن ابی الزناد نے (بجائے ستر عورتوں کے) نوے روایت کیں اور یہی صحیح ہے۔

(۲۶۳/۱۰۳۵) عبدالرحمٰن (بن عبداللہ بن مسعودؓ) کہتے ہیں کہ میں نے مسروق سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی اطلاع کس نے کی تھی۔ جس شب کو کہ انھوں نے قرآن سنا تھا تو مسروق نے کہا کہ مجھ سے تمہارے والد یعنی حضرت عبداللہ کہتے تھے کہ درخت نے آپ کو ان کی اطلاع دی تھی۔

(۱/۱) حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ مجھ سے ابی بن کعب کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ رسول اللہ پھر آپ نے ان کا پورا قصہ بیان فرمایا اس میں یہ بھی مضمون تھا کہ (کہ حضرت خضر نے) حضرت موسیٰ سے کہا کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے (حضرت موسیٰ سے) پہلی بار تو بھولے سے (اعتراض صادر ہوا) دوسری مرتبہ شرط کے خلاف انھوں نے کیا۔ تیسری مرتبہ قصداً انھوں نے خلاف کیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا جو میں بھول گیا اس کا مواخذہ مجھ سے نہ کرو۔ اور میرے کام میں مجھ پر تنگی نہ ڈالو۔ پھر وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے حضرت خضر نے اسے قتل کر دیا۔ پھر وہ دونوں چلے۔ اور انھوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ حضرت خضر نے اس کو درست کر دیا حضرت ابن عباس (اس سورت یعنی سورہ کہف میں بجائے وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ کے) أَمَامَهُمْ مَلِكٌ پڑھتے تھے۔

(۵۷/۵۷۰) حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ حدیبیہ میں تشریف لے چلے حضرت عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور میں نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں (میں ضرور سچا نبی ہوں) میں نے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا ہاں (یہ بھی درست ہے) میں نے عرض کیا پھر ہم کیوں اپنے دین میں یہ ذلت گوارا کریں۔ آپ نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہ میرا مددگار ہے میں نے عرض کیا کہ کیا آپ ہم سے نہ بیان کرتے تھے کہ ہم کعبہ میں جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں مگر کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ ہم اسی سال کعبہ جائیں گے۔ میں نے کہا نہیں (یہ تو نہیں بیان کیا تھا) آپ نے فرمایا تو تم کعبہ میں جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ اے ابوبکر کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ ہاں (بے شک وہ خدا کے رسول ہیں) میں نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے۔ انھوں نے کہا ہاں ضرور ہے۔ میں نے کہا کہ پھر ہم کیوں اپنے دین میں ذلت گوارا کریں۔ حضرت ابوبکر نے کہا اے شخص بے شک یہ خدا کے رسول ہیں۔ اور وہ اپنے پروردگار کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور وہ ان کا مددگار ہے لہٰذا تم ان کی مخالفت نہ کرو کیونکہ خدا کی قسم وہ حق پر ہیں۔ میں نے کہا کیا وہ ہم سے نہ بیان کرتے تھے کہ ہم کعبہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ حضرت ابوبکر نے کہا ہاں (کہا تھا) مگر کیا تم سے بیان کیا تھا کہ تم اسی سال کعبہ جاؤ گے۔ میں نے کہا نہیں (یہ تو نہیں بیان کیا تھا) حضرت ابوبکر نے کہا تو پھر تم کعبہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے (زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمر کہتے تھے کہ اس (گستاخی) کے کفارہ میں میں نے بہت سی عبادتیں کیں راوی کہتے ہیں کہ پھر جب صلحنامہ کی تحریر سے فراغت ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ اٹھو قربانی کر ڈالو اور سر منڈوا ڈالو۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم کوئی شخص بھی ان میں سے نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر جب ان میں سے کوئی نہ اٹھا۔ تو آپ حضرت ام سلمہ کے پاس گئے اور ان سے یہ سب واقعہ بیان کیا جو لوگوں سے آپ کو پیش آیا تھا حضرت ام سلمہ نے کہا یا نبی اللہ کیا

جو آپ بیان فرماتے ہیں اچھا آپ باہر تشریف لے جائیے اور ان میں سے کسی سے کچھ کلام نہ کیجئے یہاں تک کہ اپنی قربانی کے جانوروں کو قربان کر دیجئے اور اپنا سر مونڈنے والے کو بلا لیجئے تاکہ وہ آپ کا سر مونڈ دے چنانچہ آپ باہر تشریف لائے۔ اور ان میں سے کسی سے کچھ کلام نہ کیا یہاں تک کہ سب کچھ کر لیا یعنی قربانی کے جانور قربان کر ڈالے اور اپنے سر مونڈنے والے کو بلایا ... انھوں نے آپ کا سر مونڈا ... جب یہ دیکھا تو اٹھے اور انھوں نے بھی قربانی کی۔ اور ان میں سے ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگا یہاں تک کہ (ہجوم) کی وجہ سے قریب تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دے۔

بابُ المُراسلات

چوہدری صاحب کی تقریر

کراچی سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ:-

جہانگیر پارک میں عید میلاد النبیؐ کی تقریب پر محترم چوہدری محمد علی صاحب، وزیر اعظم، کی تقریر سننے کا مجھے اتفاق ہوا۔ اس تقریر کے سلسلہ میں مجھے جو بات خاص طور پر کہنا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہم لوگوں میں کیرکٹر بالکل نہیں رہا۔ اور یہی وجہ ہماری پستی اور زوال کی ہے اگر آپ لوگ اپنے اندر صحیح اسلامی سیرت پیدا کریں تو پھر دیکھئے کہ ہم چند دنوں میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔

ہماری قومی بیماری کی یہ وہ تشخیص ہے جسے ہم ساری عمر سنتے چلے آرہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر لوگ اپنے اپنے گھر جا کر اپنا کیرکٹر ٹھیک کرلیں تو پھر ہمارے ان راہ نماؤں اور مصلحین کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے؟ جب لوگ اپنا کیرکٹر ٹھیک کرلیں گے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا۔ کیا رسول اللہؐ نے بھی لوگوں سے یہی کہا تھا کہ جاؤ۔ اپنے اپنے گھر جا کر اپنا کیریکٹر ٹھیک کرلو۔ جب کیریکٹر ٹھیک ہو جائے تو پھر میرے پاس آجانا۔ میں تمہارے سلطنت کا کام درست کردوں گا؟ رسول اللہؐ نے تو ایسا نہیں کیا تھا۔ حضورؐ نے تو لوگوں کا کیریکٹر خود ٹھیک کیا تھا۔ قوموں کو تو راہ نماؤں کی ضرورت ہی اس لئے پڑتی ہے کہ وہ ان کا کیریکٹر درست کریں۔ لیکن ہمارے ہاں عجیب تماشا ہے کہ جو اٹھتا ہے قوم سے یہ کہہ کر چلا جاتا ہے کہ پہلے تم اپنا کیرکٹر ٹھیک کرو۔ پھر ہم تمہارا سب کچھ ٹھیک کردیں گے۔

پہلے یہ آوازیں واعظوں کی زبانی سننے میں آتی تھیں اور جب ان کے وعظوں سے کیرکٹر ٹھیک نہیں ہوتے تھے تو کہہ دیا جاتا تھا کہ

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

یعنی جب تک ہماری حکومت اپنی نہ ہو تو اس وقت تک ہماری کوئی کل سیدھی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اب جبکہ ہماری حکومت بھی اپنی ہے پھر بھی ہماری وہی حالت ہے اور ہم سے اُسی واعظانہ انداز سے کہدیا جاتا ہے کہ جاؤ۔ اپنا کیرکٹر ٹھیک کرو۔ اگر ایک آزاد مملکت کا وزیر اعظم بھی وہی کچھ کہتا ہے جو ایک محکوم قوم کا واعظ بیچارا کہا کرتا تھا تو پھر دونوں میں فرق کیا ہوا؟ اس صورت میں تو کلیمی عصا کے ساتھ بھی بیکار ہی رہی!

قرآنی فکر کے مطالعہ کے بعد جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ کیرکٹر درست ہوا کرتا ہے، درست معاشرہ کے اندر، اور ارباب اقتدار کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا معاشرہ قائم کریں جس میں کیریکٹر اس طرح درست ہوتے جائیں جس طرح صاف ہوا میں سانس لینے سے ہمارا خون صالح بنتا جاتا ہے۔ لہذا ہماری مملکت کے وزیر اعظم صاحب کا کام ہونا چاہیئے کہ وہ اس قسم کا معاشرہ قائم کریں۔ یہی رسول اللہؐ نے کیا تھا اور اسی کا نام اتباع سُنّت ہوگا اور یہی عید میلاد النبیؐ کا پیغام ہے یہ کہہ کر مطمئن ہو جانا کہ لوگ اپنا اپنا کیریکٹر خود درست کریں، ایک مُلّا کے تو شایانِ شان ہے (کیونکہ وہ بیچارا اس سے زیادہ کچھ کر ہی نہیں سکتا) لیکن ایک صاحب اقتدار وزیر اعظم کے شایان شان نہیں۔ اس کے شایانِ شان "امر بالمعروف" ہے۔ یعنی "معروف" کا حکم دینا۔ میرا خیال ہے کہ محترم چوہدری صاحب رحمٰن کی نگاہ خدا کے فضل سے قرآن اور ارشادات رسول اللہؐ پر ہے) اس نکتے کو ضرور سمجھتے ہوں گے۔

عجمی سازش

ضلع تھرپارکر سے ایک صاحب دریافت فرماتے ہیں کہ آپ کا کہنا ہے کہ مجموعہ احادیث عجم کی سازش ہے۔ کیا ایسا کہنے سے مراد امام بخاری اور مسلم ہیں۔ یا ان کی کتابوں میں عجمی سازش نے کچھ ملایا ہے۔

طلوع اسلام۔ طلوع اسلام افراد سے بحث نہیں کرتا حقائق سے بحث کرتا ہے۔ ہمارے ہاں اس وقت مختلف کتب احادیث میں اس قسم کی روایات موجود ہیں جو کھلے طور پر قرآن کے بھی خلاف جاتی ہیں، اور ان سے نبی اکرمؐ کی سیرت مقدسہ بھی داغدار ہو جاتی ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس قسم کی روایات کبھی صحیح نہیں ہو سکتیں۔ یہ وضعی احادیث ہیں۔ اور اسی کو ہم عجمی سازش سے تعبیر کرتے ہیں۔ عجم سے مراد کوئی خاص ملک نہیں۔ بلکہ ہم ہر غیر قرآنی تصور کو عجمی کہتے ہیں۔

ہم پورے اور یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ (مثلاً) امام بخاری کے مجموعہ احادیث میں جو کچھ ہے اسے خود امام بخاری نے اپنی کتاب میں شامل کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی وضعی احادیث ان کی کتاب میں بعد میں شامل کردی گئی ہوں اس اعتبار سے اس کی ذمہ داری امام بخاری پر عاید نہیں ہوگی لیکن جو شخص یہ کہتا ہے کہ نہیں! اس مجموعہ میں جو کچھ اس وقت موجود ہے۔ وہ سب کا سب امام بخاری کا لکھا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ ان وضعی روایات کو اپنے مجموعہ میں شامل کرنے کے لئے امام بخاری ذمہ دار تھے لہذا وہ بھی اسی سازش میں شریک تھے۔ ہم ایسا نہیں کہتے ہم اپنے بزرگوں کا احترام کرتے ہوئے نیک ظن سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں یہ چیزیں دوسروں نے شامل کردی ہوں گی۔

لیکن اصل سوال یہ نہیں کہ اس چیز کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے، اصل سوال تو یہ ہے کہ جب ہم نے دیکھ لیا کہ اس قسم کی روایات اسلام اور خود رسول اللہؐ کے خلاف ہیں تو انہیں ان مجموعوں میں کیوں رکھا جائے۔ اور لوگوں کو کیوں مجبور کیا جائے کہ وہ انہیں صحیح مانیں۔ اور اگر وہ انہیں صحیح

جینئس گر

(از۔ ابن اسلام)

[ہمیں افسوس ہے کہ یہ مضمون قلت گنجائش کی وجہ سے گذشتہ پرچہ میں جو بتقریب عید میلاد النبی شائع ہوا تھا نہیں جا سکا تھا۔ بایں معذرت یہ مضمون حالیہ اشاعت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ طلوعِ اسلام]

پہلے میری بات سن لیجئے۔ اس کے بعد میرے عنوانِ مقالہ کی ترکیب کے غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ کیجئے۔ ایک قدیم روایت چلی آتی ہے کہ "پارس" ایک پتھر ہے۔ جو لوہے وغیرہ کو چھو کر سونا بنا دیتا ہے۔ لیکن ایسا پارس کوئی نہیں جو کسی دوسری چیز میں اپنے لمس سے اپنی خصوصیت پیدا کر دے۔ یعنی لوہے کو سونا بنانے کی بجائے پارس ہی بنا دے۔ خیر یہ تو ایک روایت ہے۔ جس کی اصلیت روایت سے آگے نہیں بڑھ سکی ہے لیکن انسانی دنیا میں دیکھئے تو کم از کم اس کا ثبوت انسان کی پوری تاریخ میں مل جاتا ہے کہ ایک جینئس (GENIUS) اپنے گرد و پیش کی دنیا میں محض اپنی صحبت سے متعدد جینئس پیدا کر دیتا ہے۔ حالانکہ علم الحیات اور علم النفس کے ماہر ابھی تک یہ بھی نہیں سمجھ سکے کہ عام انسانی سطح سے اٹھ کر ایک انسان جینئس یا نابغہ بن کیسے جاتا ہے؟ اس کے متعلق جو جدید ترین تحقیق ہمارے سامنے آئی ہے۔ وہ صاحب "نظامِ ربوبیت" جناب پرویز کی زبان سے سنئے۔

"بہر حال دماغی ساخت کے متعلق ہمارے دور کی علمی تحقیقات کا درجہ جو بھی ہو۔ ان سب کی راہ میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جہاں ان (ماہرین) کے تمام مسلّمے اور کلیّے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ یہ مقام ہے ایک نابغہ کی پیدائش کا، علم الحیات کے ماہرین تو ایک طرف اس مقام پر علم النفس کے ماہرین بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ علم النفس کی رو سے ایک انسان موروثی اثرات، ابتدائی ماحول اور تعلیم و تربیت کا مجموعہ ہوتا ہے لیکن (GENIUS) کے معاملے میں یہ اصول بھی سرگرداں رہ جاتے ہیں۔ آپ کسی جینئس کی زندگی کا مطالعہ کیجئے۔ وہ "وراثت و ماحول" کے عام قانون کا حریف نظر آئے گا۔۔۔۔ ایک کفش دوز کا بچہ ایک عمر تک پھٹے پرانے جوتوں کی مرمت میں وقت گذارتا ہے۔ لیکن اچانک ایک ایسا موقعہ آتا ہے کہ وہ کود کر میدانِ جنگ میں جا پہنچتا ہے۔ اور کوندے کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے بلند ترین جرنیلوں کی صف میں کھڑا ملتا ہے۔۔۔۔۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے اندر ایک خاص قسم کا جوہر تھا، جو ایک خاص وقت تک خوابیدہ رہا۔ اور اس کے بعد وہ یک لخت آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ اور مطلعِ عالم پر مہرِ درخشاں بن کر چمکنے لگا۔ اس قسم کے دل و دماغ کے متعلق نہ علمائے حیات کی سمجھ میں آ سکا ہے کہ ان کی تخلیق کے اسباب و عوامل کیا ہیں۔ اور نہ حکمائے نفسیات بتا سکتے ہیں کہ یہ خفتہ جوہر کہاں سے پیدا اور کس طرح بیدار ہوتے ہیں۔ وہ اس باب میں کچھ کہتے ہیں تو فقط اتنا کہ یہ ایک ناگہانی یا نجائی ارتقاء ہے جو میکانکی علل و اسباب کے سلسلہ سے باہر ہے۔۔۔۔"

پروفیسر (TAYLOR) اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"ان تمام اسباب و علل کا جن سے کوئی شے وجود پذیر ہوتی ہے محاسبہ کر لینے کے بعد بھی یہ حقیقت باقی رہ جاتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ شے اپنی نشو و نما کے بعد ایک ایسی خصوصیت کی حامل بن جائے جو ان عناصر میں کہیں بھی نہ ہو جن سے اس شے نے ترتیب پائی تھی۔ یہ خصوصیت ایسی ہوتی ہے کہ ان تمام عناصر کا علم ہو جانے کے بعد بھی اس نرالی خصوصیت کے متعلق پہلے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

نجائی ارتقاء کے نظریہ کا امام لائڈ مارگن اس باب میں کہتا ہے:۔

"اگر یہ پوچھا جائے کہ جس چیز کو تم نجائی کہتے ہو۔ وہ بالآخر ہے کیا۔ تو اس کا مختصر سا جواب اتنا ہی ہے کہ ایک نئی قسم کا رابطہ ہے۔ اور اگر یہ پوچھا جائے کہ یہ رابطے کس اعتبار سے نئے ہوتے ہیں۔ تو اس کا جواب اتنا ہی ہے کہ ان کی خصوصیات کے متعلق ان کے ظہور میں آنے سے پہلے کبھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

(نظامِ ربوبیت صفحہ ۱۳۶ و ۱۳۸)

یہ تصریحات صرف نابغہ کے متعلق ہیں۔ جس کی تخلیق کا کوئی تشفی بخش حل حال کے ترقی یافتہ علم کی سمجھ میں نہیں آ سکا۔ لیکن اس کا وجود تاریخ کے ہر دور میں نظر آتا ہے۔ اس لئے علم اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

اس صحبت میں ہم اس سے بھی آگے جاتے ہیں تاریخ جہاں ہمیں بہت سے نوابغ سے روشناس کراتی ہے۔ وہاں ایک نابغہ ایسا بھی ملتا ہے۔ جس کے فیضِ تربیت سے کئی انسان نہایت معمولی سطح سے اٹھ کر اچانک نبوغ کی ان بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں کوئی دوسرا نابغہ نہیں پہنچ سکا۔

ادیانِ عالم کی تاریخ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو بہت زیادہ عظمت حاصل ہے۔ تمام اسرائیلی انبیاء کے سماوی صحیفے آپ کی ستائش سے معمور ہیں۔ خود قرآن کے اوراق میں بار بار آپ کے عظیم کارناموں کو سراہا گیا ہے آپ کی مساعیٔ حسنہ کے نقوش اوراقِ عالم پر ثبت ہو کر رہ گئے ہیں لیکن جب ہم آپ کے قریبی صحابیوں کو دیکھتے ہیں تو سخت مایوسی ہوتی ہے۔ ان میں اکثریت ایسوں کی نظر آتی ہے۔ جو ذہنی اور عملی اعتبار سے اتنی عظیم شخصیت سے کچھ بھی متاثر نہیں ہوتے۔ کبھی وہ اپنے پیغمبر سے ایک مصنوعی الٰہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کبھی دیدارِ خداوندی کی خواہش ظاہر کرتے ہیں کبھی دھات کے بنے ہوئے بچھڑے کے سامنے سربسجود نظر آتے ہیں اور اگر کہیں مردانہ جہاد و قتال کا موقعہ آ جائے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ

فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون (مائدہ ۲۴)

(اے موسیٰ آپ اور آپ کے اللہ میاں[1] چلے جایئے اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے۔ ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں)

ان کے بعد دوسری عظیم شخصیت حضرت مسیح کی ہمارے سامنے آتی ہے۔ عددی شواہد کے لحاظ سے جن کی عظمت شمار و حساب میں نہیں آ سکتی۔ لیکن ان کے قریب ترین شاگرد ان سے کہاں تک متاثر ہوئے؟ اس سوال کا جواب کسی غیر عیسائی سے نہیں خود عیسائی اہلِ قلم کی زبان سے سنئے۔

"ایالوفار محمد" کا مصنف گاڈفری ہگنس صحابہ محمد (صلعم) کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"محمد (صلعم) کے پیروؤں کا نشہ حواریانِ عیسیٰ میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ ان کا پیشوا (عیسیٰؑ) موت کے پنجے میں گرفتار ہے۔ اس کے لئے صلیب تیار کی جا رہی ہے اور وہ اپنی جانیں بچانے کی فکر کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس محمد (صلعم) کے معتقدوں نے آپ پر اپنی جان نثار کر کے آپ کو تمام دشمنوں پر غالب کر دیا۔" ــــــ اس کے بعد بطور شہادت جنگِ احد کا ذکر کیا ہے۔

ان دونوں بزرگ ہستیوں کے اصحاب کے متعلق جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں۔ اس کی توثیق کے متعلق ایک مرتبہ پھر گذارش ہے کہ یہ کسی مخالف کا بیان نہیں۔ خود ان کی طرف منسوب اور یہود و نصاریٰ کی مسلّمہ کتابوں۔ عہد نامہ قدیم و عہد نامہ جدید میں ہی کچھ لکھا ہے۔

اس کے برعکس جب ام القریٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ کس طرح ایک بے آب و گیاہ وادی کے ایک بے تعلیم و تہذیب شہر میں ایک بکریاں چرانے والا اپنی عمر کے چالیسویں سال میں اچانک ایک لاہوتی نغمے سے سرشار ہو جاتا ہے۔

اس خاموش اور تنہائی پسند انسان کے الفاظ میں بجلیاں کوندتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جن سے یکایک ظلمت کدہ فسق و فجور بن دانش کی تابانیوں سے جگمگا اٹھتا ہے۔ چند بکریاں چرانے والے، چند غلام اور کچھ دور کے باشندے اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ چند

---

[1] رب کے معنی بڑے بھائی کے بھی ہیں (طلوعِ اسلام)

سال مصائب کی گود میں تربیت پاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور آخر میں پوری دنیا کو ایک کامل، روشن تہذیب اور بہترین طرز حکومت سے روشناس کر دیتے ہیں یہ لوگ دنیا کو صرف تصانیف نہیں دیتے۔ بلکہ ایک عملی دنیا کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اور اس نقشے کے نقوش و خطوط وہ خود بن کر دکھلاتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مقدس جنیں، صرف جنیں نہیں بلکہ جنیں گر بھی ہے۔ اس کا گوشہ تربیت ایک ٹکوتی شیشری ہے۔ جس سے نابغہ قسم کے انسان ڈھل کر نکلتے ہیں ـــــ وہ لوگ جو آپس کی جنگ آزمائیوں کے باعث جہنم کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے (علیٰ شفا حفرۃ من النار) دیکھتے ہی دیکھتے شیطانی قوتوں کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں۔ اور آپس میں رحمت و رافت کے مجسمے بن جاتے ہیں۔ (اشداء علی الکفار و رحماء بینہم) اس کی دو ایک مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

انسانی دنیا میں تاجر ہمیشہ سے چلے آئے ہیں۔ اور اب بھی بے شمار لوگوں کا شغل حیات و معاش تجارت ہی ہے۔ وہ سن رشد سے ساحلِ گور تک اسی مشغلے میں منہمک رہتے ہیں۔ لیکن عرب جاہلیت کے ایک تاجر کو ہم دیکھتے ہیں جو

"پڑوسیوں کے مویشی تک چراتے اور ان کا دودھ دوہ دیتے تھے"

(تاریخ الاسلام شاہ معین الدین احمد صـ۱۲۹)

لیکن تھوڑا ہی عرصہ گذرنے کے بعد ہم اس مویشی چرانے اور دودھ دوہنے والے تاجر کو دیکھتے ہیں۔ تو اس کی زندگی میں ہم کو ذیل کے عنوانات چمکتے نظر آتے ہیں۔

"ملکی انتظام، مالی انتظام، فوجی نظام، ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت، تحفظ دین، علمی کمالات، فتوحات وغیرہ"

اب آپ اسے نابغہ نہ کہیئے تو کیا کہیئے ـــ آپ پوچھیں گے یہ کون صاحب ہیں؟ میں حیرت و مسرت سے عرض کروں گا

امیر المومنین ابوبکر صدیق رضؓ

ذرا اور آگے بڑھ کر آپ کو ایک نوجوان نظر آتا ہے۔ جو اونٹ چرا رہا ہے۔ دن بھر اونٹوں کو لئے صحرا میں پھرتا ہے جب ذرا تھک کر دم لینے لگتا ہے تو سخت گیر باپ کے ہاتھوں سخت سزا کھاتا ہے۔ جب اسکی عمر ۳۰ سال کو پہنچتی ہے تو اس کا نقشہ یہ نظر آتا ہے۔

"کڑیل جوان قوی ہیکل گھٹے ہوئے بدن والا، شہ زور، دلیر، تیز مزاج۔ بہت جلدی غصہ ہونیوالا۔ اور بہت جلد ٹھنڈا پڑ جانے والا۔ بہت خوددار اور اپنی بڑائی اور شان کا احساس رکھنے والا، خواہشات کا غلام، قومی عصبیت میں ڈوبا ہوا۔ اپنی رائے میں ہٹ دھرم، لہو و لعب کا دلدادہ اور دور شراب کا دھنی جو کبھی کسی کی پروا کرتا اور نہ ان معبودوں کے سوا جن کے سامنے بچپن سے جھکنے کا عادی تھا کبھی اور کسی ہستی کا احترام کرتا تھا"

(رسالت ختم النبیین صـ۱۲ مولفہ سید عبدالحمید الخطیب وزیر مختار دولت سعودیہ)

تھوڑی ہی مدت کے بعد ہم اس شخص میں حیرت انگیز تبدیلی اور بے نظیر رفعت کی تجلی دیکھتے ہیں۔ اس کے مقبوضہ ممالک کا رقبہ ہمیں بائیس لاکھ اکاون ہزار تیس میل مربع میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ جہاں معدلت گستری کی درخشانی یہ ہے کہ تاریخ کی آنکھیں اسے دیکھ کر خیرہ رہ جاتی ہیں یہ کون بزرگ ہیں حضرت فاروق اعظمؓ جن کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نہایت جامع انداز میں فرماتے ہیں۔

"سینۂ فاروق اعظم کو ایک محل تصور کرو جس کے کئی دروازے ہیں۔ اور ہر دروازے میں ایک صاحب کمال جلوہ افروز ہے۔ مثال کے طور پر ایک دروازے میں سکندر ذوالقرنین اپنی ملک گیری، لشکروں اور فتوحات کی شان سے براجمان ہے۔ دوسرے دروازے میں نوشیرواں عدل و رعیت پروری میں محو نظر آتا ہے (اگرچہ نوشیرواں کا ذکر فاروقؓ کے سامنے سوء ادب ہے) تیسرے دروازے میں امام ابوحنیفہ و امام مالک احکام و فتاویٰ صادر فرما رہے ہیں۔ چوتھے دروازے

اُردو ادب میں عظیم نفسیاتی کتابوں کا اضافہ

مصنفہ برٹرینڈ رسل مترجمہ شفیع الدین

آپ بھی خوش رہیئے آج کی دنیا اضطراب و بےچینی کی دنیا ہے۔ ہم طرح طرح کی ذہنی، روحانی اور تخیلاتی اذیتوں کا شکار ہیں۔

برٹرینڈ رسل نے ان نفسیاتی بیماریوں اور کمزوریوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کا علاج تجویز کیا ہے۔ جس پر عمل کرنے سے ہم ان ذہنی بیماریوں سے نجات حاصل کر کے صحت مند تخیل اور خوشی کے جذبات و احساسات سے اپنے دل و دماغ کو لبریز کر سکتے ہیں۔ جب ہمارا دل و دماغ خوشی و مسرت کے جذبات سے معمور ہوگا تو یاس و قنوطیت، افسردگی و پژمردگی اور رنج و الم جس کے پہاڑوں تلے ہم برسوں سے سسک رہے ہیں۔ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے اور ہمارے چاروں طرف مسرت و شادمانی اور کامیابی و کامرانی رقص کرتی ہوئی نظر آئے گی۔

صفحات ۳۶۰۔ مجلد رنگین گردپوش۔ قیمت پانچ روپے۔

مصنفہ نپولین ہل مترجمہ غوث صدیقی ایم اے

سوچئے اور دولت کمائیے یہ کتاب مشہور ماہر نفسیات، نپولین ہل کا وہ شاہکار ہے جس نے لاکھوں انسانوں کی ناکام زندگی اور غربت و افلاس کو کامیاب زندگی اور دولت اور امارت سے بدل دیا۔

یہ کتاب نہایت قیمتی معلومات کا خزانہ ہے۔ اور اس کے مطالعہ سے انسانی ذہن میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے۔ جو مایوسی اور تاریکی کے جذبات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے ترقی کی راہیں کھولتی ہے۔ ہر وہ انسان جو اپنی افلاس کی زندگی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے یہ کتاب شمع راہ کا کام دے گی۔ صفحات ۴۰۰ مجلد رنگین گردپوش۔ قیمت۔ پانچ روپے

نفیس اکیڈیمی بلاسس اسٹریٹ۔ کراچی

زندگی روشنی ہے

اور

آنکھ اِس روشنی کا چشمہ!

اِس کی نگہداشت ہر انسان کا فرض اوّلین ہے

اِس فرض کی پورے طور پر سر انجام دہی کے لئے کسی ماہر فن کا مفید مشورہ ہی آپ کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔

ایشیاٹک آپٹیکل کمپنی

وکٹوریا روڈ ـــــ کراچی

۷۳۔ ڈلہوزی روڈ ـــــ راولپنڈی

میں سید جیلانی یا خواجہ بہاء الدین مسند ارشاد بچھائے ہوئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پانچویں دروازے میں ابوہریرہ و ابن عمرایسا محدث اور چھٹے دروازے میں رومی و عطار ایسا حکیم رونق افروز ہے۔ اور لوگ اس عظیم الشان محل کے گرد کھڑے ہیں اور ہر محتاج اپنی حاجت صاحب فن سے طلب کرتا ہے اور کامیاب لوٹتا ہے۔ ایسے فوق البشر انسان پیدا کرنے میں فطرت بہت کفایت شعار واقع ہوئی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ نابغہ صدیوں کے بعد منفرد حیثیت سے پیدا ہوتا ہے۔ مشہور جرمن فلسفی شوپنہار کہتا ہے کہ جینیس اس دنیا میں ایسا ہے جیسا بندروں کے جزیرے میں ایک تنہا انسان، اس کو اپنے گرد و پیش بندر ہی بندر دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بندروں سے مل جل کر رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور انسان کی صورت دیکھنے کو ترس جاتا ہے

ع

از دام و دد ملولم و انسانم آرزو ست

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُسے دور سے کوئی انسان سا دکھائی دیتا ہے۔ اور وہ بیتابی سے اس کی طرف دوڑتا ہے، قریب جا کر دیکھتا ہے تو وہ بھی بندر ہی نکلتا ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن نے پہلے ہی بیان کر رکھا ہے۔

جعل منہم القردۃ والخنازیر ۔ ۔ ۔ ۔ (مائدہ ۶)

یہ ملعون و مغضوب قسم کے لوگ بندر اور سؤر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں سے اس زمانہ کا عرب بھرا ہوا تھا۔ ان کی انسانیت موت کی نیند سو رہی تھی۔ لیکن محمد رسول اللہ صلعم کی معجزانہ پکار نے ان کے اندر ملکوتی بیداری پیدا کر دی۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ایک دو چار نابغہ نہیں ایک پوری قوم نابغوں کی تیار کر دی وہ بات بات پر لڑنے مرنے والے۔ حرص و ہوس کے بچے، نفس و شیطان کے بندے، قتل و غارت کے رسیا، صدیوں سے بدکرداریوں میں گرفتار دیکھتے ہی دیکھتے دیانت و ایثار اور زہد و تقویٰ کے نمونے بن گئے۔ علم و عرفان کے شیدائی اور عدل و مساوات کے سچے پرستار ہو گئے۔ اب ان کی شان یہ ہے کہ

ان اللّٰہ اشتریٰ من المومنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ ۔ یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون وعداً علیہ حقاً فی التوراۃ والانجیل والقرآن ومن اوفیٰ بعہدہ من اللّٰہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذالک ھو الفوز العظیم

اب نہ ان کی جان کی اپنی کوئی الگ شخصیت ہے نہ ان کے مال اپنے عیش و نشاط کے لئے ہیں۔ بلکہ ان کا سب کچھ بلند ترین الٰہی مقاصد کے لئے وقف ہے۔ وہ میدان جنگ میں جان ہتھیلی پر لے کر نکلتے ہیں تو کسی تنخواہ اور ملک گیری کے لئے نہیں۔ بلکہ اسی ارفع و اعلیٰ نصب العین کی خاطر وہ جان کی بازی لگاتے ہیں۔ لیکن کسی انتقام و ہوس کے لئے نہیں۔ یہ لوگ فردوس بقا کے وارث ہیں۔ یہ خدا کا سچا دعویٰ اور دائمی قانون ہے۔ جس کی شہادت تمام آسمانی کتابیں دے رہی ہیں۔ جو بھی اس عہد و قانون کا پابند ہے۔ اس کے لئے بشارت ہے۔ اور عظیم کامیابی ایسے ہی لوگوں کا حصہ ہے۔

اگر کسی نے دیکھنا ہو کہ پیتل کس طرح سونا بن جاتا ہے اور پتھر کیوں کر آئینوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور ظلمتیں کیسے مطلع انوار ہو جاتی ہیں۔ تو ان انسانوں کو دیکھئے جو عام حیوانی سطح سے ابھر کر ملکوتی صفات کے حامل ہو گئے۔ آیت بالا کے ساتھ ہی ان کی خوبیاں ایک ایک کر کے بیان کی گئی ہیں۔

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللّٰہ ۔

یہی لوگ ہیں جن میں اتنی صفتیں ہیں۔

(۱) اپنی کسی ایک کوتاہی کا اعتراف عظمت کردار کی علامت ہے۔ اور ان لوگوں نے اپنی تمام کوتاہیوں کا اعتراف کر لیا۔ اور آئندہ ان سے مجتنب رہنے کا عزم کر لیا۔ (تائبون)

(۲) اب وہ قانون خداوندی کی مکمل پیروی کا عہد کر چکے ہیں۔ اور اس کے مطابق ایک مثالی معاشرہ قائم کر رہے ہیں۔ (عابدون)

(۳) ان کے قول و فعل تمام تر خدا کی حمد و ثنا کے آئینہ دار ہیں۔ (حامدون)

(۴) وہ ہر اس چیز (رغبت، لذائذ، حب وطن، خوف مرگ وغیرہ) سے بے نیاز ہو چکے ہیں، جو عظیم بانی نصب العین کی راہ میں حائل ہو۔ (سائحون)

(۵) ان کے اجسام و قلوب خدا کے حضور جھکنے والے ہیں ان کی خو تواضع و انکسار ہے (راکعون)

(۶) پھر یہ جھکاؤ اور انکسار کامل انقیاد و اطاعت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ (ساجدون)

اللہ اللہ کہاں وہ سرکشی کہ قوم کا ہر فرد فرعون بے سامان اور شعلۂ نار بنا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور کہاں یہ حال کہ

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

۷۔ لیکن یہ مثالی قوم کے افراد، یہ ارباب نبوغ، ان نابغانہ صفات کو اپنے ہی تک محدود رکھنے کے مجاز نہیں۔ بلکہ ان کے ذمے یہ حتمی فرض عائد کر دیا گیا ہے کہ وہ پوری دنیا کو ایسے حسین اعمال کے نور سے جگمگا دیں۔ جن کا حسن عقل و شرع دونوں کے نزدیک مسلم ہو۔ ان کے اندر یہ قوت ہو کہ وہ اپنی خیرات و حسنات کی جنت میں دوسروں کو بھی کھینچ لائیں۔ (آمرون بالمعروف)

۸۔ پھر اس راہ میں جو رکاوٹیں پیش آئیں انھیں بھی عزم و جزم اور قوت و سطوت سے دور کریں۔ اور روح و قلوب کے اندر سے منکرات اعمال کے میلان تک کا خاتمہ کر دیں۔ (ناہون عن المنکر) منکر کی تعریف یہ ہے کہ عقل صحیح اس کی قباحت کا فیصلہ دے یا عقل کو حسن و قبح کے متعلق تامل ہو پھر شریعت بھی اس کی قباحت کا فیصلہ دے دے۔

۹۔ اور یہ معروف و منکر، اچھائی اور برائی، کوئی ذہنی اور قیاسی اور قومی و ملکی چیز نہیں کہ ایک چیز آج اچھی ہے اور گزشتہ دور میں بری تھی، یا ایک ملک میں خیر ہے۔ اور دوسرے ملک میں شر ہے۔ یا ایک قوم کے نزدیک مستحسن ہے اور دوسری قوم کے نزدیک قبیح ہے۔ ایک قوم گائے کو خدا مانتی ہے۔ اور دوسری قوم اسے عام جانور سمجھتی ہے۔ ایک ترک دنیا کو فضیلت سمجھتا ہے۔ اور دوسرے لوگ اسے نفرت سے لغاوت جانتے ہیں۔ کچھ لوگ حلال و طیب نعمتوں کے استعمال کو نفس پرستی کہتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں دوسرے ان کے صحیح استعمال کو شکر خداوندی یقین کرتے ہیں۔ اس قسم کے بے شمار تصورات خیر و شر اقوام عالم میں رائج ہیں اور علم اور تہذیب کے ساتھ ساتھ بدلتے بھی رہتے ہیں۔ لیکن مذکور الصدر نابغہ اصحاب ان مقامی، ہنگامی اور رسمی معروف و منکر میں نہیں الجھتے بلکہ وہ مستقل، ابدی اقدار کی حفاظت کرنے والے ہیں جن پر زمان و مکان کی تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور وہ خالق کون و مکان کی قائم کردہ حدیں ہیں۔ ان سے خود تجاوز نہ کرنا۔ اور اقوام عالم کو بھی ان کے اندر رہنے کی دعوت دینا ان لوگوں کا شیوہ ہے۔ جو اپنا سب کچھ (جانیں اور مال) اللہ کی نذر کئے ہوئے ہیں۔

کیا کسی فلسفہ داں، کسی ماہر نفسیات کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ سیرت و کردار اور ارواح و قلوب کا یہ محیر العقول انقلاب ایک فرد آتی کی مخلصانہ کوشش سے کس طرح وقوع پذیر ہو گیا۔ ع

حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

کہاں یہ حال کہ

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے (حالی)

اور کہاں یہ نقشہ کہ

دیئے پھیر دل ان کے مکر و ریا سے — بھر ان کے سینے کو صدق و صفا سے
بچایا انھیں کذب اور افترا سے — کیا سرخ رو خلق سے اور خدا سے

رہا قول حق میں نہ کچھ باک ان کو
بس اک شرب میں کر دیا پاک ان کو (حالی)

یہ سب کچھ اعجاز تھا ایک جلیس گر کا۔ ایک نابغہ ساز کا۔ ایک ایسے قدسی سرشت انسان کا۔ جو اپنے ساتھ "بشر" کو "فوق البشر" بنانے کا نسخہ لایا۔ اور اس ناقابل تصور بلندی پر کھڑے ہو کر بھی اپنے آپ کو "عبدہٗ و رسولہٗ" سے آگے نہیں بڑھایا۔

مقامش عبدہٗ آمد ولیکن
جہان شوق را پروردگار است

وہ اپنے زمانہ کے پیچھے نہیں چلا۔ اس نے وقت کی مروجہ تہذیب کا ساتھ نہیں دیا۔ اس نے تنکا بن کر دریا کے

بہاؤ کے ساتھ بہنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ طوفانی دریا کے کوہ شکن تھپیڑوں کو رام کر لیا۔ اور اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ایسے پختہ کار اور خوددار مومنوں کی ایک جماعت پیدا کر دی جس کے ایک ایک فرد نے اپنے ماحول کو متاثر کیا۔ اور جہاں بھی گئے۔ وہاں کے کفر کو اسلام سے بدل دیا۔ بد اخلاقی کو اخلاق حسنہ کے لئے جگہ چھوڑنی پڑی۔

مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار
با مزاج او بسازد روزگار
گر نہ سازد با مزاج او جہاں
می شود جنگ آزما با آسماں
بر کند بنیاد موجودات را
می دہد ترکیب نو ذرات را
گردش ایام را برہم زند
چرخ نیلی فام را برہم زند
می کند از قوت خود آشکار
روزگار نو کہ باشد سازگار

مرد خوددار پختہ کار کے ساتھ زمانے کو موافقت کرنا ہی پڑتی ہے۔ اگر وہ زمانہ کو اپنے موافق مزاج نہیں پاتا۔ تو آسمان کی گردش کو اپنے رخ پر لانے کے لئے مسلح ہو جاتا ہے۔ وہ دنیائے موجود کی بنیادوں کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔ وہ کائنات کے ہر ذرے کو ترکیب بخشتا ہے۔ گردش ایام اور چرخ نیلی فام کو منقلب کر دیتا ہے۔ اور اس طرح اپنی روحانی اور اخلاقی قوت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جس سے ایک نیا زمانہ جنم لیتا ہے جو اس کے حسب مزاج ہوتا ہے۔

جن لوگوں کو یہ اشعار محض شاعرانہ آرائش گفتار معلوم ہوں، وہ تاریخ کے صرف تیرہ ورق الٹ کر دیکھ لیں وہ موجودہ دنیا کی تہذیب تمدن، علم اور سائنس کا اولین سراغ لگانے کے لئے ذرا پیچھے کو چلیں۔ انھیں محمد رسول اللہ کے اصحاب کے عظیم کارناموں کو دیکھ کر یقین آ جائیگا کہ

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

لیکن یہ کہانی جو میں نے شروع کی ہے، صرف مدح و ستائش پر ختم نہیں ہو جاتی۔ رحمۃ للعالمین کی بعثت کا آفاق گیر مقصد ابھی پورا نہیں ہوا۔ حضور نے بلاشبہ ایک فوق البشر قسم کی قوم پیدا کر دی۔ لیکن منشاء خداوندی ہرگز یہ نہیں کہ قرآن کریم کا عالمی نور صرف ایک قوم اور ایک خطے پر کچھ عرصہ تک چمک کر پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مدھم پڑ جائے۔ خالق کائنات کا ارشاد ہے کہ تمام انسانی قوانین ایک ایک کر کے فنا کی گود میں سو جائیں گے۔ اور محمد کا لایا ہوا قانون ہی ساری دنیا کو امن و اطمینان دینے میں کامیاب ہو گا (لیظہرہ علی الدین کلہ) ساری دنیا کے لئے محمد ہی اسوۂ حسنہ ہیں ساری دنیا کو محمدی اخلاق کے رنگ میں رنگین ہونا پڑے گا پورے عالم انسانیت کو منور کرنے والا آفتاب (سراجاً منیراً) جمال محمدی ہی ہے۔ نوع بشر کے ہر طبقہ و درجہ کے لئے سایۂ رحمت اسی نبوت کا قصر عظیم ہے (رحمۃ للعالمین)

تورات و انجیل کے زمانے سے محمد ہی کا انتظار ہو رہا تھا (مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل) اقوام و ممالک اور ازمنہ و اماکن کی حد بندیوں سے نکل کر سب پر چھا جانے والی نبوت آپ ہی کو عطا ہوئی (کافۃ للناس بشیراً ونذیراً) اب تزکیہ و تعلیم اور کتاب و حکمت کا سرچشمہ آپ ہی کی رسالت سے مل سکتا ہے (یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ) اس دائم الحیات نبوت کی موجودگی میں اب کسی جدید نبوت کی قطعاً ضرورت نہیں (رسول اللہ وخاتم النبیین) جس نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قوانین الٰہی کی پیروی کا ذمہ اٹھایا۔ اس کا ہاتھ خالق کائنات کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ (ید اللہ فوق ایدیھم) اب وہ ہر خطرے سے محفوظ اور اجر عظیم کا مستحق ہو گیا (اجراً عظیماً) جو شخص ارض و سما کے مالک کی محبت حاصل کرنا چاہے اس کے لئے آپ کی پیروی ہی بہترین وسیلہ ہے (ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ)

غور فرمایئے جس نبوت کے لئے اتنا اہتمام ہوتا چلا آیا ہے اور خود رب کریم جس کے مقاصد اتنے عظیم اور جس کے محاسن اتنے اعلیٰ بیان فرما رہے ہیں۔ کیا وہ اتنے ہی محدود عرصے اور محدود خطے کے لئے ہو سکتی ہے؟ نبوت و رسالت کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ تخلیق ارض و سما کوئی بے مقصد کام نہیں۔ وما خلقنا السماء والارض وما بینھما لاعبین لو اردنا ان نتخذ لھواً لاتخذناہ من لدنا ان کنا فاعلین الخ۔ اللہ پاک خود فرماتے ہیں۔ ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے ان کو کھیل کے لئے پیدا نہیں کیا۔ اگر ہم کو کھیل منظور ہوتا تو ہم کھیل کی طرح کا کوئی کھیل بنا لیتے لیکن ہم کو ایسا کرنا منظور ہی نہ تھا۔ بات یہ ہے کہ ہم حق کو پتھر کی طرح باطل کے سر پر کھینچ مارتے ہیں۔ تو وہ باطل سر کو کچل دیتا ہے۔ اور وہ ملیا میٹ ہو جاتا ہے۔ اور لوگو! تم پر افسوس ہے کہ تم ایسی باتیں بناتے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کارخانہ کھیل کے طور پر ہوتا تو اس طرح حکمت و تدبیر کے ساتھ اسباب کا سلسلہ اور ہر واقعے کا نتیجہ۔ اور ذرے ذرے میں ہزاروں مصلحتوں کا وجود نہ ہوتا۔

انسان کی عمر اس کرہ ارض پر دس لاکھ سال کے قریب بتائی جاتی ہے۔ اور دور وحشت سے نکلے ہوئے ابھی اس کو چند ہزار برس ہی گذرے ہیں۔ اگر اس دس لاکھ کو ایک مہینہ تصور کریں تو یہ چند ہزار چند گھنٹے ہی سمجھنے پڑیں گے۔ ان چند گھنٹوں میں انسان نے یہ ترقی کی ہے جو دیکھنے میں آ رہی ہے اس سے قیاس کیجئے کہ آئندہ چند ہزار برس میں اس کی ترقی کی رفتار کہاں سے کہاں پہونچنے والی ہے اور پھر چند لاکھ سال میں کیا کچھ نہ ہو جائے گا۔ دور وحشت کا ذہین سے ذہین انسان آج کی دنیا کے عجائبات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ دور تہذیب کے قدیم حکماء کے لئے بھی سائنس کا یہ دور ناقابل تصور تھا۔ پھر آج کا بالغ نظر انسان آئندہ کی تخلیقات و انکشافات کو کس طرح سمجھ سکتا ہے۔ جس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ لاتعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین۔ اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں بھی جو آسائشیں ملنے والی ہیں کوئی ان کا تصور نہیں کر سکتا اسی کو قرآن نے طرح طرح سے بیان فرمایا ہے۔

لترکبن طبقاً عن طبق ۔ تم درجہ بدرجہ ترقی کرتے چلے جاؤ گے (اور اس کی کوئی انتہا نہیں)

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر چہ بروے می رسی آنجا مایست (رومی)

اس مضمون میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ محمد صلعم کی نبوت تمام بشروں کو "فوق البشر" بننے کی دعوت دے رہی ہے حضور نے اپنے عہد حیات میں ایسا کر کے دکھا دیا۔ جس سے کوئی یہ کہہ نہیں سکتا کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ حضور کے ارد گرد نابغوں کی ایک فوج تیار ہو گئی تھی۔ جن کو آسمان دین و دانش کے ستارے کہا جاتا ہے (اصحابی کالنجوم) حضور کی زندگی حضور کا پیغام، ماحول پر آپ کے اثرات، آپ کی سعی و جہاد کے نتائج تمام تر معجزہ ہی معجزہ تھے۔ جو نہ آپ سے پہلے کبھی ظہور میں آئے اور نہ آپ کے بعد آج تک چشم عالم نے دیکھے۔

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ نرخنامہ اشتہارات و تفصیلات ناظم ادارہ شعبۂ اشتہارات سے حاصل کیجئے
ناظم ادارہ طلوع اسلام
پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ ـــــ کراچی

تحفہ دینا
اچھی بات ہے
بی پی
کی مٹھائیاں
تحفہ میں
دیجئے

حقائق و عِبر

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

قریب پچاس برس اُدھر کا ذکر ہے کہ ہالینڈ کی ایک ناشر آرگ کی فرم نے اسلام کی انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کا خیال کیا۔ اس کے لئے اس نے یورپ کے نامور مستشرقین پر مشتمل ایک ادارہ بنایا۔ اور ان کی ایک مدت کی مشترکہ محنت کے بعد ۱۹۱۳ء میں اس انسائیکلوپیڈیا کی پہلی جلد شائع ہوئی جنگ کی وجہ سے اس کی اشاعت رک گئی۔ اور اس کی دوسری جلد ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ دو اور جلدیں شائع ہونے کے بعد اس کا ایک ضمیمہ ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ اس طرح یہ مشہور عالم "دائرۃ المعارف" پانچ جلدوں میں تکمیل پذیر ہو گیا۔ اس کی بیک وقت جرمنی، فرانسیسی، اور انگریزی زبان میں اشاعت ہوئی۔ اس "دائرۃ المعارف" نے اتنی شہرت حاصل کی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا پہلا ایڈیشن کمیاب اور پھر نایاب ہو گیا۔ مصر میں اس کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا۔ تقسیم ہند سے پہلے اسے اردو میں منتقل کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔ لیکن وہ ناکام رہی پاکستان میں بھی ایک اسکیم تھی کہ حکومت پنجاب (یا پنجاب یونیورسٹی) کی طرف سے اس کا اردو میں ترجمہ شائع کیا جائے معلوم نہیں وہ اسکیم اس وقت کس منزل میں ہے۔

اس فرم نے اس انسائیکلوپیڈیا کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر ایک جلد میں اس کا ایک مختصر ایڈیشن بھی شائع کیا۔ اور اس کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ مکمل انسائیکلوپیڈیا کا ایک جدید ایڈیشن بھی شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے انھوں نے مغربی مستشرقین پر مشتمل ایک ادارہ مرتب کیا ہے۔ اور ان کے سپرد یہ کام کر دیا گیا ہے۔

پچھلے دنوں مختلف اسلامی ممالک کے اخبارات میں ایک تحریک سی دیکھنے میں آئی۔ اس میں مسلمانوں نے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس فرم پر زور ڈالا جائے کہ وہ اس کے مجوزہ مرتبین کے ادارہ میں کسی مسلمان محقق کو بھی شامل کرلے، چنانچہ یہ تحریک چلتی چلاتی پاکستان میں بھی پہنچی ہے۔ جہاں تک اس جذبہ کا تعلق ہے کہ اسلام کے انسائیکلوپیڈیا کے مرتب کرنے والوں میں مسلمان بھی ہونا چاہئے۔ ہمیں اس سے ہمدردی ہے لیکن اگر جذبات سے ہٹ کر اس مسئلہ کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر کیا جائے۔ تو ہمارا خیال ہے کہ ہر غیر جانبدار اس سے متفق ہوگا کہ یہ مطالبہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ہالینڈ کی ایک غیر مسلم فرم اپنے ہاں اپنے خرچ پر بغیر کسی اسلامی ادارہ کی مدد کے ایک کتاب شائع کرنا چاہتی ہے۔ آپ کو کیا حق حاصل ہے کہ آپ یہ مطالبہ کریں کہ اس کتاب کے مرتب کرنے والوں میں کوئی مسلمان بھی ہونا چاہیئے پھر یہ بھی سوچئے کہ اگر انھوں نے اس ادارہ میں کسی مسلمان کو شامل بھی کر لیا تو اس سے ہوگا کیا؟ وہ کوئی ایک آدھ مقالہ اس سے بھی لکھوا لیں گے۔ یہ تو ہونے سے رہا کہ انسائیکلوپیڈیا کا پورا بورڈ جو کچھ مرتب کرے۔ وہ تنقید و تہذیب کے لئے اس مسلمان کے حوالہ کر دیا جائے۔

جو حضرات اسلام کا صحیح علم رکھتے ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ مذکورہ صدر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اسلام کو کس قدر مسخ صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ مغرب کے مستشرقین سے اس سے زیادہ توقع ہی نہیں رکھی جا سکتی۔ لیکن ہماری دون ہمتی کی یہ کیفیت ہے کہ مصر جیسے ملک نے بھی (خود ایک انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کے بجائے) اسی انسائیکلوپیڈیا کا ترجمہ اپنے ہاں شائع کر دیا۔ اس کے علاوہ دنیا کی کسی زبان میں مسلمانوں کا مرتب کیا ہوا کوئی اسلامی انسائیکلوپیڈیا نہیں ہے۔ انسائیکلوپیڈیا تو بہت بڑی چیز ہے۔ اگر کوئی نو مسلم یا غیر مسلم آپ سے یہ کہے کہ مجھے کوئی ایسی کتاب بتا دیجئے جسے پڑھنے کے بعد میں سمجھ سکوں کہ اسلام کیا ہے تو آپ یقین مانئے کہ آپ اسے کسی زبان میں کسی ایسی کتاب کی نشان دہی نہیں کر سکتے۔ اگر ہم میں غیرت کا صحیح جذبہ ہوتا تو ضرورت کا تقاضا یہ تھا کہ ہم مسلمان محققین پر مشتمل اپنا ادارہ قائم کرتے اور خود انسائیکلوپیڈیا آف اسلام شائع کرتے جو ہالینڈ کی فرم کا جواب ہوتا۔ لیکن ہم سے یہ تو ہو نہیں سکتا۔ لیکن ان سے بھیک مانگ رہے ہیں کہ ان کے ادارہ میں مسلمانوں کا نمائندہ بھی ضرور ہونا چاہیئے۔ کس قدر مقام تاسف ہے کہ ہماری ذہنیت ہی بھیک منگوں کی ہو گئی ہے۔ آپ دیکھیے گا کہ ہماری اس تلخ نوائی کے باوجود ہمارے ہاں کچھ نہیں ہوگا۔ اور ہم غیر مسلم مستشرقین کا مرتب کردہ انسائیکلوپیڈیا کو پھر سینے سے لگائے لگائے پھریں گے۔ البتہ اس میں جو چیزیں کھلے طور پر مسلمانوں کے جذبات کے خلاف نظر آئیں گی۔ ان کے خلاف احتجاج کے ریزولیوشن پاس کریں گے۔ اور بس!

شرعی عدالتیں

۱۳ ستمبر ۱۹۵۵ء کے لندن ٹائمز نے اپنے نامہ نگار متعینہ قاہرہ کے بیان کے مطابق ایک خبر شائع کی ہے۔ جس میں کہا ہے کہ حکومت مصر نے ایک قانون کی رو سے شرعی عدالتوں کو بند کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی شرعی عدالتوں کو بھی اور غیر مسلم اقلیتوں کی شرعی عدالتوں کو بھی۔ حکومت کی طرف سے اس قانون کے ساتھ ایک وضاحتی نوٹ بھی شائع ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ شرعی عدالتوں کی وجہ سے مملکت میں ایک عجیب قسم کی دو عملی پیدا ہو رہی ہے۔ یہ عدالتیں لوگوں کے ذاتی معاملات (پرسنل لا) مثلاً نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کے مقدمات کے فیصلے کرتی ہیں۔ دوسرے مقدمات کے فیصلے حکومت کی عدالتوں کی رو سے ہوتے ہیں۔ ان شرعی عدالتوں کے جج حکومت کے مقرر کردہ نہیں ہوتے۔ اور غیر مسلم اقلیتوں کی عدالتوں کے جج تو اہل مصر کے منتخب کردہ بھی نہیں ہوتے ان کا انتخاب ایسے اداروں کی طرف سے ہوتا ہے۔ جو مصر سے باہر دوسرے ممالک میں قائم ہیں۔ اس قسم کی صورت حالات سے جو ضرر رساں نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ وہ ظاہر ہیں۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ ان عدالتوں کو بند کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکومت کے اس اقدام کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے مسلمانوں کے شرعی قوانین یا غیر مسلم اقلیتوں کے اپنے اپنے قوانین کو ان کے پرسنل لا کی حیثیت سے تسلیم کرنا ختم کر دیا ہے۔ انتظام یہ کیا گیا ہے کہ یہ مقدمات ملک کی سول عدالتوں میں پیش ہوا کریں۔ جہاں عام ججوں کے ساتھ شرعی جج بھی بیٹھا کریں۔ اور شرعی وکیل ان مقدمات کی پیروی بھی کر سکتے ہیں۔ اس فیصلہ کی رو سے مصر کی شرعی عدالت العالیہ بھی بند کر دی گئی ہے۔ اور قریباً سَو ماتحت عدالتیں بھی۔ غیر مسلموں کی چودہ عدالتیں بند ہوئی ہیں۔ اس سے پہلے صرف ترکی اور البانیہ نے شرعی عدالتوں کو بند کیا تھا۔

اس اخبار کے نامہ نگار نے آخر میں لکھا ہے کہ ہمیں دیکھنا یہ چاہیئے کہ الازہر یونیورسٹی کے مشائخ جو بڑے قدامت

سالمارین

دردوں کیلئے

گٹھیا، رینگن، درد کمر، ریاحی درد، درد شقیقہ، سر درد، اور زہریلے جانوروں کے کاٹے کے لئے اکسیر ہے۔

انتہائی درد کی بے چینی کو فوراً دور کر کے سکون پہنچاتی ہے۔

اس کا مسلسل استعمال دائمی آرام کا ضامن ہے۔

ہوائی جہاز، ریل، اور بحری جہاز میں سفر کرنے والوں کے لئے سالمارین بہترین وقتی مددگار ہے

قیمت فی شیشی ۲ دو روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

اپنے شہر کے ہر اچھے دوا فروش سے خریدیں

یا

سالما لیبارٹریز (پاکستان)

۲۷۔ زینت مینشن۔ میکلوڈ روڈ۔ کراچی

پرست واقع ہوئے ہیں. نیز مصر کے تازہ ترین حلیف یعنی سعودی عربیہ اور یمن کی حکومتیں اس فیصلے کے متعلق کیا کہتی ہیں. جو ان کے نزدیک اسلامی روایات کے یکسر خلاف جاتا ہے۔

ہم نے اس خبر کو اس لئے شائع کیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ آجکل ہوا کا رخ کس سمت میں ہے اور زمانے کے تقاضے کیا ہیں. مسلمانوں کے ملکوں میں ایک طرف ملکی عدالتیں اور دوسری طرف شرعی عدالتیں، اسلام کے متعلق یکسر غیر اسلامی منظر پیش کرتی ہیں. مسلمانوں کا اسلام کے متعلق دعویٰ یہ ہے (اور یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے) کہ اسلام میں دین اور دنیا میں کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں..... لیکن اس دعوے کے باوجود عملاً ان کی حالت یہ ہے کہ ایک اسلامی ملک میں دنیاوی مقدمات کے فیصلے کیلئے ملکی عدالتیں قائم ہوتی ہیں اور مذہبی مقدمات کی سماعت کے لئے شرعی عدالتیں. اس سے بھی آگے بڑھئے تو ان کے قانون میں ایک حصہ پرسنل لا کہلاتا ہے جس کا تعلق نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کے معاملات سے ہے. اور دوسرا حصہ عام قانون ہوتا ہے پرسنل لا کا تعلق مذہب یا شریعت سے سمجھا جاتا ہے. اور دیگر قوانین کا تعلق دنیاوی امور سے۔ آپ نے غور کیا کہ یہ عملی روش اسلام کے متعلق اس زبانی دعوے کی کس قدر کھلی ہوئی تردید ہے کہ اس میں مذہب اور دنیا میں کوئی فرق نہیں! لیکن ہمارے ہاں بدبختی سے ہزار برس سے یہی تخالف دنیا میں چلا آ رہا ہے. اور کسی کو احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ روش اسلام کے بنیادی دعوے کے خلاف ہے. اب زمانے کے تقاضے رفتہ رفتہ مختلف حکومتوں کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اس دوعملی سے پیچھا چھڑائیں. مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان حکومتوں کے ارباب حل وعقد کے دل میں یہ آرزو بیدار ہوتی ہے کہ پورے ملک کا قانون شریعت کے مطابق ہو جائے. لیکن جب قانون کو قانون شرعی کی حیثیت سے ان کے سامنے لایا جاتا ہے وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ انہیں باقی قوموں کے ساتھ چار قدم تک چلنے کی بھی اجازت نہیں دیگا. یہ گروہ ارباب شریعت سے کہتا ہے کہ اس قانون میں ایسی تبدیلیاں کر دی جائیں. جن سے یہ زمانے کے تقاضوں کو پورا کر سکے. لیکن ان کی قدامت پرستی اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی. وہ ان شرعی جزئیات کو جو کسی خاص زمانے کی ضرورتوں کے مطابق دین کے اصولوں کی روشنی میں مرتب کی گئی ہیں. خود دین کی طرح غیر متبدل قرار دیتے ہیں. نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ حکومت سارے ملک کے لئے سیکولر قسم کا قانون بنانے پر مجبور ہو جاتی ہے. اس کی ابتداء ترکی سے ہوئی. اور یہ چیز رفتہ رفتہ دوسرے ممالک میں بھی پھیل رہی ہے. اخبارات میں یہ خبر بھی شائع ہوئی ہے کہ لبنان میں یہ مطالبہ شروع ہو گیا ہے کہ شرعی عدالتوں کو بند کر دیا جائے. ارباب شریعت ان حکومتوں کو مرتد قرار دے کر گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں. لیکن اس پر کبھی غور نہیں کرتے کہ

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

جو کچھ دوسرے ممالک کے ساتھ ہوا ہے ہمیں نظر آتا ہے کہ وہی کچھ پاکستان میں ہوگا. یہاں کے ارباب شریعت بھی جس چیز کو بطور اسلامی دستور نافذ کرنا چاہتے ہیں. وہ وہی قدیم قوانین ہیں جو ہزار برس پہلے کے زمانہ کی ضروریات کے مطابق خود انسانوں نے وضع کئے تھے. منشاء اس سے یہ تھا کہ ہر دور کا مسلمان اپنے اپنے زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے ان میں مناسب ردوبدل کرتا رہے. لیکن ارباب مذہب نے انہیں ایسا مقدس قرار دیدیا کہ ان میں ردوبدل کے تصور تک کو جرم عظیم ٹھہرا دیا جاتا ہے. یہاں تک کہ ارباب حکومت بھی ایسا محسوس کرتے ہیں کہ ان قوانین کی زنجیروں میں جکڑے جانے کے بعد وہ اقوام عالم کے ساتھ چار قدم بھی نہیں چل سکیں گے. یہ وجہ ہے کہ ان میں سے ایک طبقہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ہمیں سیکولر انداز کی حکومت قائم کر لینا چاہیئے. لیکن جو طبقہ اتنی جرأت نہیں رکھتا. وہ زبان سے اسلامی دستور کی رٹ لگاتا رہتا ہے. لیکن دل میں یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ چیز قابل عمل نہیں ہو سکتی. اگر ان کے سامنے اسلامی دستور کا وہ اصول رکھ دیا جائے جسے قرآن نے پیش کیا تھا. تو ان میں سے شاید ہی کوئی بدبخت ایسا نکلے جو اس کے اختیار کرنے سے انکار کر دے!

یاد رکھئے! جب تک آپ دین کے اصل الاصول کو

(باقی صفحہ ۴۸ پر)

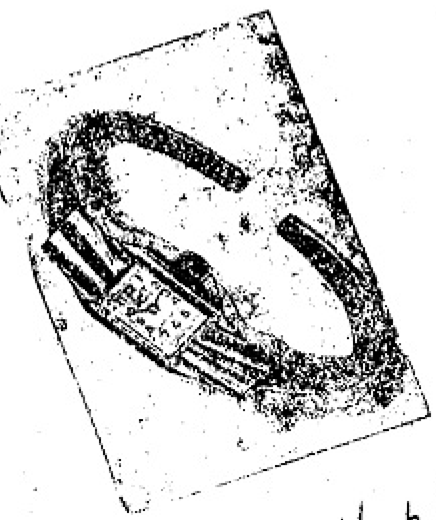
ٹینر
۱۷ جوئلز کی اعلےٰ اور پائیدار گھڑیاں
ان کے علاوہ دیگر ہر قسم کی دوسری گھڑیاں بھی دستیاب ہو سکتی ہیں.
مرمت کا کام تسلی بخش کیا جاتا ہے
اسٹاکسٹ انٹرنیشنل واچ کمپنی
لکشمی بلڈنگ ـــ بندر روڈ ـــ کراچی

بین الاقوامی جائزہ

امریکہ، روس، برطانیہ اور فرانس کے وزرائے خارجہ کی جس کانفرنس کا انتظار کیا جا رہا تھا وہ بالآخر شروع ہو گئی ہے۔ جو مسائل ان کے سامنے ہیں ان کے پیش نظر یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی خاطر خواہ نتیجہ تک پہنچ سکیں گے۔ لیکن اس کانفرنس کا ہونا اور ایسے مذاکرات کا جاری رہنا ازبس غنیمت ہے۔ جیسا کہ عالم اسلامی کے تحت لکھا گیا ہے۔ جنیوا میں مشرق وسطےٰ کا مسئلہ خصوصی اہمیت کا حامل بن گیا ہے۔ اگر مصر نے روس وغیرہ سے اسلحہ خریدنے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو اس کی حیثیت ضمنی ہوتی۔ اب روس کو مشرق وسطےٰ میں قدم جمانے اور اقوام مغرب کے دفاعی سلسلہ کو چیلنج کرنے کا ایک اچھا موقع مل گیا ہے۔ وہ اس کا پورا پورا فائدہ اٹھائے گا اور اس علاقے سے بے دخلی کو کسی قیمت پر قبول نہیں کرے گا۔ اس سے اقوام مغرب کی پوزیشن خاصی کمزور ہو جاتی ہے۔ اقوام مغرب کے لئے ایک اور مشکل سار کے معاملے نے پیدا کر دی ہے۔ سار کے علاقہ میں کوئلہ اور لوہا بڑی کثیر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ جنگ سے پہلے یہ جرمنی کے قبضے میں تھا اور اسی کی بدولت جرمنی کو خوفناک جنگی تیاری کرنے کے ذرائع میسر آ گئے تھے۔ جنگ کے بعد فرانس نے اس علاقے پر خصوصی نگاہ رکھی اور انتہائی کوشش کی کہ [illegible] جرمنی کے قبضے میں نہ چلا جائے۔ گویہ علاقہ اب تک فرانس کے تصرف میں ہے اور وہ اس سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں، اس کی کثیر جرمن آبادی اس پر رضامند نہیں۔ چنانچہ یہ تجویز پیش ہوئی کہ سار کو جرمنی کی تحویل میں دینے کی بجائے ایک بین الاقوامی کمیشن کی نگرانی میں رکھا جائے۔ اہل سار نے استصواب کے ذریعہ اس تجویز کو مسترد کر دیا ہے۔ اس استرداد نے اقوام مغرب کے لئے ایک اور درد سر مہیا کر دیا ہے۔ چونکہ سار کا مسئلہ جرمنی سے متعلق ہے اور جرمنی کا مسئلہ خصوصیت سے جنیوا میں زیر بحث آئے گا۔ اس لئے اقوام مغرب کے محاذ میں کمزوری کے مزید آثار پیدا ہو گئے ہیں۔

بہر حال کانفرنس شروع ہو گئی ہے اور ابتدائی روئداد چنداں حوصلہ افزا نہیں۔ دراصل، جیسا کہ لکھا گیا ہے، جتنے مسائل زیر بحث آئیں گے ان میں سے ایک کا حل بھی آسان نہیں۔ اس سلسلہ میں جرمنی کی وحدت اور اسلحہ بندی کا مسئلہ ہے۔ اور اگر یہ حل ہو تو اس سے متعلق مغربی یورپ اور مشرقی یورپ کے مابین یورپ کے مفاد عمومی کے مطابق معاہدہ طے کرنے کا سوال سامنے آتا ہے۔ ان مسائل کے حل کا مطلب یہ ہے کہ روس اور امریکہ باہمی رقابت اور بد اعتمادی یکسر ختم کر دیں۔ یہ بالکل خارج از بحث ہے۔ اسی قبیل کا معاملہ تحدید اسلحہ کا ہے۔ چار بڑوں کی کانفرنس نے اس مسئلہ سے متعلق مذاکرات میں قدرے جان ڈال دی تھی اور ایک طرح کی امید کی صورت پیدا ہو گئی تھی لیکن بہت جلد معلوم ہو گیا کہ فریقین کے نظریات میں اختلاف کی خلیج ناقابل عبور ہے۔ یہ البتہ غنیمت ہے کہ مارشل بلگانن اور صدر آئزن ہاور [illegible] مراسلت کے ذریعہ بعض تجاویز کی چھان بین کر رہے ہیں۔ کیا ان میں کہیں اتفاق ہو سکے گا؟ اس کا [illegible] ہی دے گا۔

جنوبی ویٹ نام میں تقسیم کے بعد جو جنگ اقتدار شروع ہوئی تھی اس کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ ویٹ نام کے شاہ باؤدائی نے جنوبی ویٹ نام کا وزیر اعظم مسٹر ڈیم کو مقرر کیا تھا لیکن شاہ اور وزیر اعظم میں رسہ کشی شروع ہو گئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو برطرف کیا۔ بالآخر استصواب کے ذریعہ یہ فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ ملک سے غیر حاضر شاہ باؤدائی کو معزول کیا جائے اور مسٹر ڈیم کو رئیس مملکت مقصود کیا جائے۔ فرانس باؤدائی کے حق میں تھا لیکن اب فرانس نے مسٹر ڈیم کو تسلیم کر لیا ہے۔ واضح رہے کہ مسٹر ڈیم کو امریکہ کی پشت پناہی حاصل تھی اس سے ضمنی طور پر امریکہ اور فرانس کی کشمکش ختم ہو جائے گی۔ لیکن ویٹ نام کا اصل مسئلہ شاید حل نہ ہو سکے۔ معاہدے کے مطابق جنوبی اور شمالی ویٹ نام کو انتخابات کے لئے سارے ملک کی مشترکہ حکومت بنانی ہے۔ مسٹر ڈیم اس سلسلہ میں شمال یعنی اشتراکی حکومت سے کسی قسم کی بات کرنے کے روادار نہیں۔ اگر وہ اسی روش پر قائم رہے تو ویٹ نام کی تقسیم مستقل ہو جائے گی اور شمال میں اشتراکی اڈہ قائم ہو جائے گا جس کے نتائج سارے علاقے کی سیاست پر پڑیں گے۔

مطبوعات طلوع اسلام کی شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت — ۲۵ فی صدی۔ دیگر مطبوعات ۳۳ فی صدی

(۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔ (۳) غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔ (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم کی نہیں ہونی چاہیے۔ (۵) ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیے۔ ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ کراچی

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراج انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ، مضبوط حسین جلد مع گردپوش۔ قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم (از پرویز) سلسلہ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصہ آدم، جن، ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات — قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو بیس صفحات — قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۸۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات — قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات — قیمت چار روپے

اسباب زوال امت (از پرویز) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات — قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات ہیں جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ ۲۷۰ صفحات — قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گردپوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ کراچی

عالمِ اسلامی

مراکش کا معاملہ بگڑ بگڑ کر سنورتا نظر آتا ہے۔ فرانس بڑی مشکل سے سلطان ابن عرفہ کو تخت سے ہٹانے پر آمادہ ہوا تھا۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا تھا کہ ابن عرفہ کے جانے کے بعد معزول سلطان ابن یوسف کو مڈغاسکر سے لاکر فرانس میں رکھا جائے اور ان کی غیر حاضری میں ایک ریجنسی کونسل مقرر کی جائے۔ ابن عرفہ نے جاتے جاتے اپنی مہر بھی اپنے ایک عزیز کے سپرد کر دی تھیں اور فرانس نے ایک خط لکھ کر انہیں یہ یقین دلایا تھا کہ تخت پر انہی کا حق ہے اس سے صورت حال پھر بگڑ گئی تھی کیونکہ مراکش کی رائے عامہ تخت پر ابن عرفہ کا حق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ریجنسی کونسل مقرر ہو گئی تو مراکش کی سب سے بڑی جماعت، استقلال نے اسے فرانس کی بدعہدی پر محمول کیا اور اسے تسلیم کرنے اور اس سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے عدم تعاون سے آزاد جمہوری پارٹی کو آگے بڑھنے کا موقع مل گیا اور اس نے تعاون کی پیشکش کر دی۔ ریجنسی کونسل نے مسٹر سلیمانی کو وزارت کی تشکیل کے لئے کہا اور گو انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ وہ کئی دنوں کی کوشش کے باوجود ابھی تک وزارت کی تشکیل نہیں کر سکے۔

حسنِ اتفاق سے حالات کی رفتار نے خوش آئند پلٹا کھایا ہے۔ ابن عرفہ نے اعلان کیا ہے کہ وہ ابن یوسف کے حق میں دستبردار ہوتے ہیں۔ اس اعلان سے سارے قضیئے کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے۔ اب ابن یوسف کی واپسی کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہ جاتی۔ اس میں شبہ نہیں کہ فرانس ان کی واپسی کے حق میں نہیں۔ کیونکہ ان کی واپسی کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ فرانس دبی زبان سے مراکش کا حق آزادی تسلیم کرتا ہے۔ لیکن ابن عرفہ کے اعلان سے مراکشی حلقوں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ فرانس اب ابن یوسف کی واپسی میں مزاحم نہیں ہو گا۔ سابقہ معاہدے کے مطابق ابن یوسف کو فرانس لایا جا چکا ہے۔ گویا اب وہ مذاکرات کے لئے بآسانی میسر آسکیں گے نیز اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استقلال پارٹی اپنا موقف بدل لے اور نئی حکومت کی تشکیل میں تعاون کرے۔ اگر استقلال پارٹی نے تعاون کر لیا تو مراکش کے حالات میں استواری کے امکانات روشن ہو جائیں گے اور اس کی نیابت میں بننے والی حکومت زیادہ اعتماد اور وثوق سے فرانس سے معاملہ طے کر سکے گی۔ ان کی حکومت داخلی امن کی بھی زیادہ سے زیادہ ضمانت ثابت ہو گی۔

مشرق وسطیٰ کی سیاست عجیب دور میں داخل ہو گئی ہے۔ ایک طرف معاہدین بغداد ہیں جو مسلمان ممالک کو ایک رشتۂ وحدت میں منسلک کر رہے ہیں اور دوسری طرف مصر ہے جو اس دفاعی سلسلہ کی مخالفت میں ایک نئے سلسلہ دفاع کی طرح ڈال رہا ہے۔ جب سے ترکی اور پاکستان اور ترکی اور عراق کے معاہدے ہوئے ہیں مصر عجیب طرح سے اندرونی اضطراب کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس نے حقیقت پسندی کو خیرباد کہہ دیا ہے اور وہ مسلمانوں کے عمومی یا مشرق وسطیٰ کے علاقائی مفاد کو چنداں اہمیت نہیں دے رہا۔ وہ اسے بھی اپنی کامیابی سمجھتا ہے کہ عراق کے علاوہ کوئی اور عرب ملک معاہدہ بغداد میں شریک نہ ہو۔ چنانچہ عرب ممالک کو اس سے دور رکھنے کے لئے اس نے سلسلہ معاہدات شروع کر دیا ہے۔ اس نے شام سے ایک فوجی معاہدہ کر لیا ہے اس کی تفصیلات شائع نہیں ہوئیں لیکن اس کے مفہوم و مقصد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس نے سعودی عرب سے بھی معاہدہ کر لیا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے دونوں ممالک مشترکہ فوجی کمان قائم کریں گے۔ ان معاہدوں میں ایک شرط یہ ہے کہ معاہدین یہودی حکومت کی جارحیت کے موقع پر ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اسی قسم کا معاہدہ طے کرنے کے لئے شام نے لبنان سے بھی سلسلہ جنبانی کر لی ہے۔ یہ معاہدات اپنی جگہ درست لیکن ان پر ایک تو اعتراض یہ ہے کہ یہ معاہدہ بغداد کی مخالفت میں طے ہو رہے ہیں، اور دوسرا یہ کہ یہ ممالک معاہدین کر بھی عسکری لحاظ سے کمزور رہیں گے۔ مصر نے اس کمزوری کو رفع کرنے کے لئے روس اور چیکوسلواکیہ سے اسلحہ خریدنے کی بازی لگائی ہے۔ (اس اقدام پر سابقہ اشاعتوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ تبصرہ کیا جا چکا ہے) اگر یہ کوشش کامیاب ہو گئی تو مشرق وسطیٰ دو حصوں میں بٹ جائے گا۔ یہ تقسیم نہ علاقے کے لئے مفید ہے نہ مسلمانوں کے لئے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کا کما حقہٗ احساس نہیں کیا گیا اور ذاتی رقابتوں پر عمومی مفادات کو قربان کیا جا رہا ہے۔

ادھر یہ صورت ہے اور اُدھر "اسرائیل" نے پھر مصری اور شامی علاقوں پر حملے شروع کر دیئے ہیں۔ مگر یہودیوں نے اپنے عرب ہمسایوں کو کبھی اطمینان کا سانس لینے نہیں دیا۔ لیکن اب انہوں نے معاملہ بہت بگاڑ دیا ہے اور جنگ کی سی نوبت آگئی ہے۔ مصر کے وزیر اعظم کرنل ناصر نے بجا طور پر "اسرائیل" کو متنبہ کیا ہے کہ اگر اس نے ہاتھ نہ روکا تو مصر کسی اقدام سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ یہودی اس صورت حال کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں جو مصر کے روس سے اسلحہ خریدنے سے پیدا ہو گئی ہے۔ وہ علانیہ طور پر کوشش کر رہے ہیں کہ اقوام مغرب ان کو زیادہ سے زیادہ اسلحہ دیں۔ ان کے وزیر اعظم شیرٹ، پیرس میں امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے وزرائے خارجہ سے مل چکے ہیں۔ اب یہ وزرائے خارجہ جنیوا میں وزیر خارجہ روس سے ملنے کے لئے جمع ہیں تو شیرٹ وہاں پہنچ گئے ہیں اور سب سے مل کر اپنے حق میں فضا پیدا کر رہے ہیں۔ مصر کے وزیر خارجہ بھی جنیوا میں موجود ہیں اور مناسب تگ و دو کر رہے ہیں۔ اس سے مشرق وسطیٰ چاروں وزرائے خارجہ کے لئے ایک درد سر بن گیا ہے۔ مصر نے جو تیر چلایا ہے وہ کمان سے نکل چکا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس نشانے پر پہنچتا ہے؟

حقائق و عبر

(ص ۱۶ سے آگے)

نہیں سمجھ لیں گے، اس وقت تک یہ عقدہ کبھی حل نہیں ہو سکے گا۔ اور وہ اصل الاصول یہ ہے کہ خدا کی طرف سے دین کے اصول عطا ہوئے ہیں جو قرآن کریم کے اندر ہیں ہمیں اجازت ہے کہ ان اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہم اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اپنا قانون آپ وضع کریں۔ ان قوانین کو قوانین شریعت کہا جائے گا، اور جب یہ قوانین نافذ ہوں گے تو ان کے لئے الگ شرعی عدالتوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

شکایات

چند پچھلے پرچوں کے متعلق مشرقی پاکستان اور ہندوستان سے برابر شکایات موصول ہو رہی ہیں کہ انہیں وہ پرچے نہیں ملے ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہندوستان و پاکستان میں غیر معمولی سیلابوں کی وجہ سے سلسلہ رسل و رسائل منقطع ہو گیا تھا جس کی وجہ سے یہ پرچے نہیں پہنچ سکے ہوں گے۔ دفتر سے ہر اشاعت کے پرچے پوری احتیاط کے ساتھ ارسال کر دیئے گئے ہیں امید ہے کہ سلسلہ رسل و رسائل بحال ہو جانے پر شاکی حضرات کو ان کے پرچے مل جائیں گے۔ لہٰذا ایسے حضرات کچھ مزید انتظار فرمائیں۔

ناظم

سو میں ننانوے

اشخاص یا ح باسوری تبخیر معدہ (معدہ میں گیس پیدا ہونا) کے مریض ہیں پاخانہ صاف نہ ہونا۔ تمام جسم میں درد، سر میں چکر، بھوک غائب۔ ہاضمہ خراب، طبیعت میں بے چینی سینے میں جلن خون میں کمی اور نزلہ رہنا اس مرض کی عام شکایات ہیں۔ اس مرض کا صاحب باسوری اور جوہر مقصم (مکمل اکسیر) ہے زیادہ زود اثر کوئی دوسرا علاج نہیں یہ تمام شکایات کو دور کر کے "تندرستی اور توانائی بخشتا ہے قیمت مکمل کورس تین روپے آٹھ آنے بذریعہ ڈاک اپنا مرد در دمند کراچی سالانہ چندہ ایک روپیہ بھیج کر خریدار بنیئے۔

دردمند دواخانہ، فریر روڈ کراچی ۱ فون نمبر ۳۵۲۲۲

اعجاز القرآن

از علامہ تمنا عمادی مدظلہ

جس میں مختلف جہات سے قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کی چند اقساط ماہوار طلوع اسلام میں آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں۔ ناظرین کے مسلسل اصرار پر اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

جن حضرات کی رقم ادارہ کے پاس جمع ہے انہیں آرڈر دینے کی ضرورت نہیں ان کی خدمت میں یہ کتاب نومبر کے پہلے ہفتہ میں خود بھیجدی جائیگی۔ البتہ ان میں سے جو حضرات یہ کتاب نہ منگانا چاہیں وہ ۱۵ نومبر سنہ ۱۹۵۵ء تک مطلع فرمادیں۔

سائز ۳۰/۸ x ۲۰ ضخامت ۱۱۲ صفحات
قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے
علاوہ محصول ڈاک

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم)
دو روپے۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ)
دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے۔ ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ہے اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیت دو روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی - ۳

هر فرد کی عقل

کا تقاضا اس کے اپنے مفاد کا تحفظ ہے۔ اسی طرح ہر قوم کا تقاضا اس کے اپنے مفاد کا تحفظ ہے۔

نہ فرد کی عقل

کسی دوسرے فرد کا مفاد سوچ سکتی ہے، اور نہ

قوم کی عقل

کسی دوسری قوم کے مفاد کا خیال رکھ سکتی ہے۔ لہذا

فرد یا قوم

کے بس کی بات نہیں کہ وہ نوع انسانی کے مفاد کے لئے کوئی نظام وضع کرے۔ ایسے نظام کا

سرچشمہ صرف وحی ہی ہوسکتا ہے وحی کا عطا کردہ نظام کیا ہے - اسے

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

میں ملاحظہ کیجئے

قسم اول - کاغذ سفید کرنا فلی - جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے -

قسم دوم - کاغذ میکانیکل - صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 207/A, P. E. C. H. Society, Karachi. Editor: KHURSHID ALAM

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوع اسلام کراچی

جلد نمبر ۸ | کراچی: ہفتہ ۔ ۱۲ نومبر ۱۹۵۵ء | قیمت چھ آنہ
شمارہ ۱۰ | | سالانہ پندرہ روپے

قرآن نے کیا کہا؟

جس جنتی معاشرہ کا تذکرہ گزشتہ اقساط میں سامنے آچکا ہے اس کا قیام انسان کا مقصود زندگی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام کسی ایک فرد کا نہیں بلکہ افراد کی جماعت کا ہے۔ یہ جماعت ایسے افراد پر مشتمل ہونی چاہئے جو اس حقیقت پر یقین رکھیں کہ مقصد زندگی اس قسم کے معاشرے کا قیام ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جب اس قسم کا معاشرہ قائم ہوجائے تو اس کے جیتے جاگتے نتائج اس کی صداقت کی زندہ شہادت بن جاتے ہیں اور لوگ ان نتائج کو دیکھ کر خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ لیکن جب یہ معاشرہ موجود نہ ہو تو اس کے قیام کے لئے صرف وہی لوگ کوشش کر سکتے ہیں جو اس معاشرہ کے ان دیکھے نتائج پر پورا پورا یقین رکھیں۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے۔ یعنی ان دیکھے نتائج پر یقین۔ جب تک اس قسم کے افراد پیدا نہیں ہوتے یہ معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معاشرہ ان لوگوں کی زندگی ہی میں قائم ہوجائے لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی تمام عمر جد و جہد اور مصاب و تکالیف میں گزر جائے اور یہ معاشرہ ان کے بعد جا کر قائم ہو۔ لہٰذا ان لوگوں کو اس کا بھی خیال نہیں ہونا چاہئے کہ یہ معاشرہ ان کی زندگی میں قائم ہوجائیگا یا نہیں۔ ان کا کام کوشش کرتے جانا ہوگا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو السابقون الاولون کہلاتے ہیں اور جن کے مراتب بہت بلند ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلا کام ان افراد کا پیدا ہونا اور ان کا ہم آہنگی اور یک نگہی سے ملکر اس مقصد کے حصول کے لئے کوشش کرنا ہے۔ یہ جماعت قرآنی نظام کا اولین خمیر بنتی ہے جس کے بغیر تعمیری کام نہیں ہوسکتا۔

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ

1. تمام انسانی (اجتماعی) زندگی کے مسائل کا حل قرآن کے مطابق ہی ہوسکتا ہے۔ عقل انسانی بھی اسی طریق سے ... جس طریق سے وحی کی روشنی میں ...
2. یہ کہ اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوع انسانی قرآن کے بغیر منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔
3. حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ جو بات قرآن کے خلاف ہوگی وہ خواہ کسی کی طرف منسوب ہو غلط ہے۔
4. حضور نبی اکرمؐ انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن تاریخی روایات میں بعض ایسی بھی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہوتی ہے۔ ہماری تاریخ کا ایسا تمام حصہ (خواہ وہ کسی کتاب میں ہو) یکسر غلط اور وضعی ہے۔ حضورؐ کی سیرت کا صحیح ماخذ قرآن کریم ہے۔
5. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔
6. اس نظام (نظام زندگی) کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے)۔ یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔
7. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت عالمینی یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
8. ربوبیت عالمینی کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہو سکے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے قرآنی نظام ربوبیت کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ

پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفات خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی ذات کی پوری صلاحیتیں کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ ذبح ابناء ★ برہمی کا تضیہ ★ علاقائی زبانیں ★ دیہی امداد ★ عالم اسلامی
★ بین الاقوامی جائزہ ★ تاریخی شواہد ★ اسلام کی سرگزشت ★ زندہ قوموں کے مقدرات کے ستارے ★ مجلس اقبال
★ آغاز نزول وحی اور ورقہ بن نوفل ★ باب المراسلات

As. -/6/-

The Book that Iqbal planned to write

Reproduced below are the hints which Allama Iqbal noted in his own hand for writing his book contemplated to be an "Introduction to the Study of Islam". An Urdu translation of the synopsis appeared in Tolue-Islam of 22nd October 1955. The original English is now published in compliance with the persistent demand of readers.

A. It is necessary to study Islam.

(i) It has power and vitality.

At times it has shown its power of getting rid of accretions. New movements. I pin no faith on them but they indicate confusion and inner unrest.

(ii) Islam and modern world and British Empire.

B. Islam and Empire.

The effect of Arab Empire on Islam.

They destroyed Rome and Persia and built another Imperialism. Causes of Empire building.

(i) Religious zeal burning ardour to regenerate mankind.

(ii) Hunger.

Whatever may be the causes the effect was not good. Empire brought men belonging to earlier ascetic cultures which Spengler describes as Magian within the fold of Islam. The result was the conversion of Islam to a pre-Islamic creed with all the philosophical controversies of these creeds (Ruh, Nafs Quran, Hadis and Qadim etc.) Real Islam had very little chance.

C. Difficulties of modern student of Islam.

He must wade through a tremendous literature and read the Quran. I have done so and try to give you what I honestly believe to be real Islam.

D. What is Islam?

Is it religion? Etymology of religion. Cf. Din as used in the Quran. Obedience to the Law (read 5 : 18 Quran). Characteristics of early Asiatic religion.

(i) Revelation in early religion—a mystic process.

Islam laid the foundations of understanding it scientifically—Quran, Ibn Khaldun, Sufism.

(ii) Salvation (Najat).

(iii) Wholly unwordliness (la ruhbania) caves, catacombes Cf. Christianity and Islam (Wallah-o-yukhrijokum minazzulmati ilannur).

JESUS—SAINT.

(iv) Fear of the invisible (la khaufun alehim wala hum yahzanun)

(v) Some secret teaching of Spengler Vol. II page 246 Read also Matiman Vol. I.

(vi) Belief in the unreality of the world and time.

(Inama-ma khalqta haza batila. Hal ata al-al-insani.......)

(vii) Fatalism.

(viii) Theocracy.

Islam was a protest against all pre-Islamic religions in the world as it was found at the time Islam appeared.

The world is real. Time is real.

No more prophets (Expected one).

No freedom from limitation. No mediation. No Qismat (fatalism). Is Islam a Theocracy?

Relation of Church and State.

What is State? A contract like marriage.

E. But Islam is much more than religion. Peace—internal and external (Cf. 5. 18).

(i) It is deracialisation of man (external peace).

(ii) It aims at economic equality (internal security).

F. This lecture to close.

Two closing observations :—

(i) The message of Islam.

(ii) Islam is not the foe or even rival of Christianity. In the work of civilisation it is co-worker.

Second Lecture : The Law of Islam.

See book of Dickinson "After Two Thousand Years". In Magian culture 'revelation' a mystical process. In Islamic 'sufism' this mystical process understood scientifically.

Is it morality touched with emotion?

A. Religion. Is it belief in a God or gods with some kind of worship? in cases, monasticism

(i) Is it wholly other-worldliness (La ruhbania fil Islam)

(ii) Is it fear of the invisible (La khaufun alehim wa la hum yahzanun).

(iii) Is it intimacy with the supersensible?

Partly yes, but the supersensible opened to be approached in a scientific spirit—Ibn khaldun, idea of finality.

(iv) Is it some secret teaching to be handed orally (mystery?)

All early magian religions—with (Spengler P. 246 Vol. II Islam No: II (Qad baiyyannur-rushdo min-al ghai-)

(v) Religion—origin of the word. Mazhab not used in the Quran. Words in the Quran. Din, Minhaj, Millat. What is the meaning of Millat and Din.

(vi) Matiman Vol. I.

B. Islam—a protest against all religions in the old sense of the word.

(i) Abolition of prophethood, Islam and Time. (Hal Ata).

(ii) The idea of salvation in Islam. Is it a salvation-religion. Najat is used only once in the Quran. What is Najat.

(iii) No secret teaching.

(iv) Belief in God (Ghaib) deracialisation of mankind and Economic equality (Qul-al-afu)

C. Church and State?

In Islam—is community a juristic person?

Is Islamic State a juristic person?

Relation of Church and State.

What is State? Like marriage a contract.

The Amir is the Sheikh-ul-Islam, etc.

Hereditary monarchy. History of Islam priesthood.

Karbala? Effect of it.

D. Islam and the Woman.

E. Islam and Capitalism.

II. To the Magian culture Revelation is a mystical process in which some spirit enters the body of a person who speaks it. In Islam 'wahy' (quote verses) is universal property of life which a man comes into contact with the ultimate, springs of life. It manifests itself in three ways. It is abolished as a source of knowledge. In Islam contemplation spreads into thought and action. It realises the world in which old conceptions of race, community and creed dwindle into nothing. It is light : (Allah-o-nurussamawati wal arz).

It - the world from - to the open daylight (Wallah-o- yukhrijokum minazzulomate ilannur).

III. The word salvation (Najat) :

What is Najat? Liberation from what? not from the limitation of individuality (Wa jenakum farada). Not liberation from the tension of consciousness. It is relief of Ego in the Universe. The conception of God (Comrade): Arrafiq-ul-ala).

(a) Sleep liberates (la takhuzu hu sinatan wa la naum).

(b) Wine liberates and breaks the vigour of consciousness.

(c) Dancing also liberates (Amaroo bil afw wa karama).

All these means of escape from space and time are discouraged. You should overcome space and time (Ala sultan...) by i.e. mastering actuality by understanding (Taffakkar-o-fil khalq-was-sammawat).

Fear of the visible actuality i.e. space and time is removed when we begin to understand things as casual relations (la khaufunalehim wala hum yahzanun). Fear overcome not by charms but by knowledge of world as nature actuality formula.

(d) Knowledge of world as movement:—

History-Sufism.

(iii) Imam, Security.

Reform movements in Islam

Ibn Tamiyya.

Abdul Wahab Babi } prophecies	}	All more or less Magian.
Ahmadyya		
Syed Ahmad - rationalism		

The new movement.

The coming of the Expected one.

(i) No return.

(ii) Traditions (Bokhari)

قرآنی نظامِ ربوبیّت کا پیامبر

ہفت روزہ

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ہفتہ ۱۲ر نومبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۴۱

ذبحِ ابناء

جو قومیں اپنی جدوجہد اور قوتِ بازو سے آزادی حاصل کرتی ہیں ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ قوم میں پہلے قلب و دماغ کی تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور حصولِ آزادی کے لئے جدوجہد اسی اندرونی تبدیلی کی خارجی مظہر ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر، وہ اپنی قلب و نگاہ کی تبدیلی سے پہلے اپنے آپ کو آزادی کا اہل ثابت کر دیتی ہیں اور اس کے بعد آزادی حاصل کرتی ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ جب انہیں آزادی ملتی ہے تو وہ اس متاعِ عظیم کو نہایت عمدگی سے سنبھالتی ہیں۔ اور چونکہ ان کی آنے والی نسل انہی کی پسِ رو ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ بھی اس گرانقدر متاع کی نہایت حسنِ خوبی سے وارث بنتی ہیں اور اس طرح یہ سلسلہ متوارث آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

لیکن جس انداز سے ہم اہلِ پاکستان کو آزادی حاصل ہوئی ہے وہ اس کلیہ میں استثنائی کیفیت رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ تاریخ میں بھی اس کی مثال کہیں ملتی ہے تو بنی اسرائیل کے اس مرحلۂ زندگی میں ملتی ہے۔ جب انہیں حضرت موسیٰؑ فرعونی استبداد سے نجات دلا کر سینا کی آزاد فضاؤں میں لے گئے تھے۔ بنی اسرائیل نے یہ آزادی اپنی جدوجہد سے حاصل نہیں کی تھی۔ انہیں فرعونی استبداد سے نجات بطور موہبت مل گئی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ انہیں ایک موقع دے دیا جائے جس سے وہ اپنے اندر آزادی کی صحیح صلاحیت پیدا کر لیں۔ بنی اسرائیل کی داستان (جیسا کہ توریت اور قرآن میں بیان ہوا ہے) یہ بتاتی ہے کہ اس قوم کی وہ نسل جسے مصر سے نکال کر سینا کی آزاد فضاؤں میں لایا گیا تھا اپنے اندر آزادی کے استحقاق کی صلاحیت پیدا نہ کر سکی۔ یہی نہیں کہ وہ اپنے اندر اس استعداد کو پیدا نہ کر سکی بلکہ اس استعداد کو پیدا کرنے کی جتنی کوششیں کی گئیں انہوں نے ان کی سخت مخالفت کی اور قدم قدم پر حضرت موسیٰؑ سے شکوہ سنج رہی کہ "تو ہمیں مصر کی پرامن زندگی سے نکال کر ان مصیبتوں میں کیوں کھینچ لایا ہے"۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ یہ قوم چالیس برس تک اس سرزمین کی حکومت سے محروم رہی جسے قرآن کے الفاظ میں، ان کے نام پر لکھ دیا گیا تھا۔ یہ نسل چالیس سال تک سینا کے میدان میں ماری ماری پھرتی رہی۔ اس طرح جب ان کا خاتمہ ہوا تو وہ نئی نسل ابھری جس کی تربیت اس آزاد فضا میں خاص طور پر کی گئی تھی۔ یہ نئی نسل اٹھی اور اس نے اپنے آپ کو آزادی کا صحیح مستحق ثابت کر دیا۔ چنانچہ شوکت و حشمت اور قوت و دولت سب ان کے پاؤں چومنے لگیں۔ بنی اسرائیل کی اس داستان سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جن قوموں کو اس طرح آزادی حاصل ہو ان کے سے کرنے کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کریں جس سے وہ آزادی کی متاعِ گراں کو سنبھالنے کے قابل ہو سکیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، ہم اہلِ پاکستان کو بھی آزادی اسی طرح ملی ہے جس طرح بنی اسرائیل کو ملی تھی۔ لہٰذا ہمارے لئے کرنے کا کام یہ تھا کہ ہم اپنی آنے والی نسل کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کرتے جس سے ان کے قلب و نگاہ میں وہ تبدیلی پیدا ہو جاتی جو ایک آزاد قوم کی بنیادی خصوصیت ہوتی ہے۔ لیکن سوچئے کہ ہم نے اس آٹھ سال کے عرصہ میں اس ضمن میں کیا کیا؟ بچوں کی تعلیم کے مراکز اسکول اور کالج ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پاکستان کے باقی حصوں کو چھوڑئیے اور خود کراچی کو لیجئے جو اس مملکت کا دارالسلطنت ہے۔ اس شہر میں اب بھی اگر کچھ ایسے اسکول ہیں جن کی شہرت قائم ہے اور جن میں بڑے بڑے لوگ اپنے بچوں کو بھیجتے ہیں تو وہ وہی تین چار اسکول ہیں جنہیں تشکیلِ پاکستان سے پہلے عیسائی مشنریوں نے قائم کیا ہوا تھا۔ اس زمانے میں ایک تو اس شہر کی آبادی بہت کم تھی دوسرے سندھی ہندوؤں نے اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے اپنے اسکول کھول رکھے تھے۔ اب تبدیلیٔ حالات سے صورت یہ ہو چکی ہے کہ ان اسکولوں میں داخلہ کے لئے بچوں کو دو دو تین تین سال تک انتظار کی فہرست (WATING LIST) پڑھنا پڑتا ہے جس خوش قسمت بچے کا داخلہ ہو جاتا ہے، ابتدائی (کھیلنے کی) کلاس ہی سے اس کے اخراجات اتنے ہوتے ہیں کہ اوسط درجہ کی آمدنی والے لوگ انہیں برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ نرسری کلاس میں بیس بیس روپیہ فیس اور اس کے علاوہ بیسیوں قسم کے اور اخراجات۔ علاوہ بریں ہر بچے کیلئے ٹیوشن قریب قریب لازمی ہوتی ہے۔ اور ٹیوشن کا یہ عالم ہے کہ بچے اور بچیاں استانیوں کے گھروں میں جا کر پڑھتے ہیں اور ایک ایک گھنٹے کے بیس بیس تیس تیس روپیہ مہینہ ادا کرتے ہیں۔ جو تعلیم ان اسکولوں میں دی جاتی ہے اس پر بچوں کے والدین یا سرپرستوں کا کوئی کنٹرول نہیں۔ وہ مشنریوں کے اسکول ہیں اور لامحالہ وہاں انہی کے انداز کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لہٰذا ان تمام اخراجات اور دردِ سر کا نتیجہ ہوتا ہے انگریزی کے چند جملے۔ یورپین ایٹی کٹ کے چند آداب و رسوم اور مسیحی تعلیم کے کچھ تصورات۔ چونکہ اسکول کا یہ سلسلہ بڑا منفعت بخش ہے اس لئے اکثر لوگوں نے بطور بزنس ابتدائی اسکول کھول رکھے ہیں جن کا مقصد "کاروبار" کے سوا کچھ نہیں۔

ان اسکولوں کے علاوہ جو "دیسی" قسم کے اسکول قائم ہوئے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ اچھے بھلے بچے کو ہمیشہ کیلئے ایسے اسکول میں بھیج دیجئے۔ بچپن کے ہر قسم کے عیوب اس میں پیدا ہو جائیں گے اس لئے کہ وہاں صحبت خراب ملتی ہے اور تربیت کا کوئی انتظام نہیں۔

اسکولوں سے آگے بڑھ کر کالجوں میں آئیے تو ان کی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہے جس کے ذکر کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ ان کے نصابِ تعلیم میں اتنی تبدیلی ضرور ہوئی ہے کہ اس میں اسلامی تاریخ اور دینیات کے مضامین کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ نہ ان مضامین کے پڑھانے والے استاد ہیں اور نہ نصاب کی کتابیں۔ نتیجہ یہ کہ امتحان کے قریب طالب علم ان لوگوں کی منتیں کرتے پھرتے ہیں جن کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان مضامین کے متعلق کچھ بتلا سکتے ہیں۔ وہ اگر کسی نہ کسی طرح ان سے دو چار لیکچر سن لیتے ہیں اور اس طرح جوں توں کر کے امتحان پاس کر لیتے ہیں۔ اس کا نام ہے "اسلامی تعلیم"

تعلیم سے آگے بڑھئے تو تربیت کا سوال سامنے آتا ہے اور تربیت میں سب سے بنیادی سوال ڈسپلن کا ہوتا ہے ڈسپلن کی حالت یہ ہے کہ آئے دن اس قسم کے واقعات سننے میں آتے رہتے ہیں کہ فلاں کالج میں فلاں پروفیسر صاحب کی پٹائی ہو گئی۔ اور فلاں ہوسٹل میں فلاں پرنسپل صاحب کی درگت بن گئی۔ یہ کچھ سال کے دوران میں ہوتا رہتا ہے۔ اس کے بعد امتحان آتا ہے تو ایک اور ہی منظر دیکھنے میں آ جاتا ہے۔ لڑکے امتحان کے کمرہ میں بیٹھے ہیں۔ دو چار نالائقوں نے دیکھا کہ سوالات کے جواب ان کی سمجھ میں نہیں آتے۔ انہوں نے ایک نعرہ لگایا۔ اپنی سیٹ سے اٹھے اور کمرہ سے باہر آ گئے اور ان کے پیچھے پیچھے باقی طالب علم بھی اپنے پرچے چھوڑ کر باہر نکل آئے۔ صبح رجسٹرار کے دفتر میں۔ شام وائس چانسلر کے بنگلے کے پاس۔ جلوس نکل رہے ہیں، مظاہرے ہو رہے ہیں

کر رہے مشکل تھا۔ وائس چانسلر نے "حماقت" کی اور ان کے سرغنوں میں سے ایک دو کو یونیورسٹی سے نکال دیا۔ بس یوں سمجھئے کہ بھڑوں کے چھتہ میں پتھر دے مارا۔ اب عام ہڑتال شروع ہو گئی اور چند دنوں کے بعد یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد مجبور کر دیئے گئے کہ وہ ان لڑکوں کو یونیورسٹی میں دوبارہ داخل کر لیں۔ اس قسم کی ہڑتال اب قریب قریب ہر سال کا معمول ہو گیا ہے۔ اب ان لڑکوں کو وہی لوگ پڑھائیں گے جنہیں خود ان کے ہاتھوں اس قسم کی ذلت اٹھانی پڑی تھی۔ ان طالب علموں اور ان اساتذہ کے جس قسم کے خوشگوار تعلقات ہو سکتے ہیں وہ ظاہر ہے۔

یہ ہے مختصراً وہ فضا جس میں ہماری آنے والی نسل پرورش پا رہی ہے اور یہ ہے وہ قالب جس میں ان کی ذہنیتیں ڈھل رہی ہیں۔ ہم اپنی موجودہ نسل کے متعلق شکوہ سنج رہتے ہیں کہ ان میں کوئی کیرکٹر نہیں۔ ہماری یہ نسل ہمارے دورِ غلامی کی پیداوار تھی اس لئے ایک حد تک معذور۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ آپ اپنے دورِ آزادی میں جس قسم کی نسلیں تیار کر رہے ہیں وہ قلب اور ذہن دونوں کے اعتبار سے آپ کے دورِ غلامی کی نسلوں سے کہیں بدتر ہیں۔ اس میں ان نوجوانوں کا کوئی قصور نہیں۔ جوانی کے زمانہ میں ویسے ہی جذبات کا دور ہوتا ہے اور عاقبت بینی اور مآل اندیشی کا فقدان۔ اس پر طرہ یہ کہ ملک کی سیاسی اور نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعتیں ان طالب علموں کو اپنا آلہ کار بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتی رہتی ہیں اس سے ان طالب علموں میں سرکشی کے جذبات اور بھی اُبھر آتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ملک کے ارباب حل و عقد اس باب میں کیا کر رہے ہیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کے نزدیک یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں جو کسی توجہ کا محتاج ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ جہاں تک ان کی اپنی ذات کا تعلق ہے انہیں اس باب میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ ان کے پاس دولت اور اختیارات دونوں ہیں جن کے بل بوتے پر وہ اپنے بچوں کی تعلیم کا ایسا انتظام کر سکتے ہیں جس سے اعلیٰ ملازمتوں میں بھی آ سکیں اور اگر بفرض محال ان کی تعلیم اس انداز کی نہ بھی ہو سکے تب بھی ان کے لئے اقتدارات کی کرسیاں خالی ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں سوال کسی مخصوص طبقے کے چند بچوں کا نہیں۔ پوری کی پوری قوم کے بچوں کا ہے۔ اور ان بچوں کا مسئلہ ایسا ہے جس کے متعلق پاکستان کے ہر بہی خواہ کو سوچنا اور دیکھنا چاہیئے کہ قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کیا کچھ کیا گیا ہے اور کیا کچھ کیا جا رہا ہے۔ ہم ملک کے سنجیدہ طبقے سے اپیل کریں گے کہ وہ سیاسی امور کو جس طرح وہ چاہتے ہیں چلنے دیں لیکن آنے والی نسل کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ کو ہرگز ہرگز نظر انداز نہ ہونے دیں۔ زیادہ نہیں تو اس باب میں ہم کم از کم اتنا تو کریں جتنا ہم انگریزوں کی غلامی کے زمانہ میں کر لیا کرتے تھے۔ ہمارا "علی گڑھ" اور "انجمن حمایتِ اسلام" اسی دور کی پیداوار تھے۔ کیا اب ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے؟ یاد رکھئے! اس گوشے میں آپ کا ہر صحیح قدم نہایت عمدہ نتائج کا حامل ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا مرکزی ادارہ قائم کیا جائے جو سیاسیات سے الگ رہ کر اپنی تمام جدوجہد کو تعلیم کے لئے وقف کر دے۔ سیاسی دھوپ چھاؤں آتی ہے اور جاتی ہے۔ لیکن تعلیم کا شجرِ طیب ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے اور ہر موسم میں اپنے پھل دیتا ہے کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء۔

بریمی کا قضیہ

بریمی کا نخلستان ایک عرصہ سے موجبِ فتنہ بنا ہوا ہے۔ اور ہو کیوں نہ؟ یہ سعودی عرب کی جنوب مشرقی سرحد کے اس مقام پر واقع ہے جہاں سے سقط اور ابو ظہبی کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ دونوں علاقے برطانیہ کے تصرف میں ہیں۔ حدود واضح طور پر متعین نہ ہونے کی وجہ سے برطانیہ وقتاً فوقتاً پیش قدمی کر کے رخنہ اندازی کرتا رہتا ہے۔ یہ ہے اس نزاع کی اصلی وجہ۔ اس کے شدید تر ہونے کی وجہ کے متعلق ماہرین کی یہ رائے ہے کہ اس علاقے میں تیل کے دفینے ہیں۔ دو سال پیشتر اس نزاع نے خاصی ناگوار صورت اختیار کر لی تھی اور برطانیہ اور سعودی عرب میں جھڑپ بھی ہو گئی تھی۔ اس پر ایک سلسلہ مذاکرات شروع ہوا جو اس سمجھوتے پر منتج ہوا کہ اس قضیہ کو ثالثی کے ذریعہ طے کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے ایک بین الاقوامی کمیشن متفقہ طور پر مرتب کیا گیا جس میں بلجیم، پاکستان، برطانیہ، اور سعودی عرب کے مندوب شامل تھے اس کمیشن نے کام تو شروع کیا لیکن وہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا اس کی صورت یوں ہوئی کہ برطانیہ نے الزام لگایا کہ سعودی عرب رشوت سے کام نکال رہا ہے۔ نیز سعودی عرب کا مندوب سعودی عرب کے وکیل سے علانیہ طور پر ساز باز کرتا ہے۔ یہ الزام کہاں تک صحیح ہے اس کا کوئی صحیح ثبوت نہیں دیا گیا۔ بدقسمتی سے معاملہ یہیں ختم نہیں ہو گیا۔ بلکہ برطانوی مندوب نے کمیشن سے استعفا دے دیا۔ اس کے بعد بلجیم کے مندوب نے بھی، جو کمیشن کا صدر تھا، استعفےٰ دے دیا۔ اس سے کمیشن خود بخود ختم ہو گیا۔

کمیشن کے اس طرح خاتمے سے بات پھر وہاں پہنچ گئی، جہاں سے ثالثی کے مذاکرات شروع ہوتے تھے۔ اس کے بعد ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ فریقین پھر سے سلسلہ مذاکرات شروع کرتے اور اس قضیہ کو پُر امن طریق سے طے کرتے۔ لیکن نہیں، برطانیہ نے پُر امن طریق کو غیر ضروری سمجھا اور پوری ڈھٹائی سے فوجی قوت کے استعمال پر اتر آیا۔ ۲۶ راکتوبر کو وزیر اعظم برطانیہ کے اس اچانک اعلان نے ایک عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ کہ نخلستان بریمی کے متنازعہ فیہ علاقے پر سلطان سقط اور شیخ ابو ظہبی کی فوجوں نے قبضہ کر لیا ہے" انہوں نے یہ تو صاف طور پر بتانے سے انکار کر دیا کہ اس فوجی کارروائی میں برطانیہ کا کہاں تک ہاتھ ہے لیکن ارکان پارلیمان کو یہ کہہ کے خاموش کیا کہ فی الوقت مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ذکر نہ کیا جائے اس معنی خیز فقرے میں پوری کی پوری داستان سمٹی ہوئی تھی۔ بہرحال جسے سر انتھنی ایڈن نے کمالِ ابہام سے مخفی رکھنا چاہا تھا وہ داستان چند دنوں میں بچے بچے کی زبان پر تھی۔ سقط اور ابو ظہبی میں، کیا مجال تھی کہ وہ فوجی کارروائی کرتے وہ ایسا کرتے بھی تو سعودی عرب کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ برطانیہ نے ان کے کندھوں کو اپنی بندوق کے سہارے کے لئے تاکا اور سعودی عرب کو نشانہ بنایا۔ ظاہر ہے کہ اگر برطانیہ کو اپنی عسکری برتری کا یقین نہ ہوتا تو وہ کبھی یہ خطرناک قدم نہ اٹھاتا۔ کیونکہ اس سے جنگ کی آگ بھڑک سکتی ہے۔ بالخصوص پُر امن ذرائع استعمال کئے جا سکتے تھے۔ مثلاً یہ بھی ہو سکتا تھا معاملہ اقوام متحدہ تک پہنچا دیا جاتا۔ اس سے بہتر پُر امن حل کی اور کیا شکل ہو سکتی تھی۔

نخلستان بریمی پر قبضہ صریحاً برطانوی قبضہ ہے اور اسے جارحیت سے ہی موسوم کیا جائے گا۔ ہم اسے جارحیت قرار دے رہے ہیں تو محض اس لئے نہیں کہ جس علاقے پر قبضہ کیا گیا ہے وہ متنازعہ فیہ تھا یا اس پر برطانیہ کا نہیں بلکہ سعودی عرب کا حق فائق تھا۔ قانونی اعتبار سے یہ نقطہ اپنی جگہ اہم ہے لیکن ہمارے نزدیک اہم تر مسئلہ یہ ہے کہ اس علاقے میں برطانیہ کا اس حد تک اثر دخل ہے کہ وہ فوجی کارروائی بھی پوری ڈھٹائی سے کر سکتا ہے اور کوئی اس کا حریف نہیں ہوتا۔ اگر قضیہ سعودی عرب، سقط اور ابو ظہبی میں ہوتا تو وہ قابلِ فہم تھا۔ ان کی سرحدیں ملتی ہیں اور ایسے سرحدی تنازعات پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اب ایک اجنبی ملک ان علاقوں میں موجود ہے جو استعماری مقاصد کے لئے ان کو بے دریغ استعمال کرتا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ سعودی عرب نے انفرادی طور پر اور ممالک مسلمہ نے مجموعی طور اس خطرے کو نہیں بھانپا۔ سعودی عرب کی دلچسپی اس میں یہ ہے کہ وہ اسے ذاتی ملکیت سمجھتا ہے۔ اگر اس کا یہ حق تسلیم کر لیا جائے تو اس کے نزدیک یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ ہم مسلمان حکومتوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان معاملات کو ان کے صحیح پس منظر میں دیکھیں اور ایسا اجتماعی اقدام کریں جس سے بیرونی اثر دخل مسلمان علاقوں سے ختم ہو جائے۔ جب دو مسلمان ہمسایوں میں تنازعات پیدا ہوں گے تو انہیں بلا مداخلت غیرے اپنی برادری میں طے کیا جا سکے گا۔ جب تک غیر ملکی تسلط عالمِ اسلامی کے کسی ایک گوشے میں بھی رہے گا اس قسم کے فتنے اٹھتے رہیں گے اور تمام عالمِ اسلامی کو خلفشار و بد امنی میں مبتلا رکھنے کا باعث بنتے رہیں گے۔ اگر اس راز کو سمجھ لیا جائے تو ہماری موجودہ سیاست کے لق و دق صحرا میں بریمی واقعی ایک نخلستان ثابت ہوگا۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب تمام اسلامی ممالک اپنا ایک متحدہ بلاک بنا لیں اور باہمی یک جہتی سے اپنے معاملات کے فیصلے کریں اور غیروں کے اقدامات کے جوابات سوچیں۔ اس طرح تشتت و افتراق کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا نکل سکتا ہے اسے وہ کھا گیا اور اسے وہ ہڑپ کر گیا اور تم بیٹھے منہ تکا کئے!

علاقائی زبانیں

مرکزی وزیر اطلاعات پیر علی محمد راشدی صاحب نے حیدر آباد میں سندھی محفل کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ سندھی زبان ترقی یافتہ زبان نہیں ہے لہٰذا سندھی اہل قلم حضرات کو چاہیئے کہ وہ اس کی ترقی کے لئے کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے سندھی شاعروں اور لکھنے والوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ خالص سندھی الفاظ استعمال کریں اور "اجنبی" الفاظ و اصطلاحات سے گریز کریں۔ اس خطاب میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اردو ہماری قومی زبان ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ

علاقائی زبانوں کو فروغ دینا چاہیئے۔

اگر صرف مغربی پاکستان کو لیا جائے تو لسانی اعتبار سے پوزیشن بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ اس حصۂ ملک کی قومی زبان اردو ہے اور کوئی اس پر معترض نہیں۔ مغربی پاکستان کے ایک وحدت ہو جانے سے اردو کا مقام اور واضح ہو گیا ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ مغربی پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو علاقائی زبانیں یہاں رائج ہیں ان کو مٹانے کی کوشش کی جائے گی یا اردو سے انہیں کوئی خطرہ ہے۔ زبانیں مخصوص ماحول کی پیداوار ہوتی ہیں اور انہیں کے مطابق آگے بڑھتی یا پیچھے ہٹتی ہیں۔ کسی زبان کے ترقی کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ نئے الفاظ اور تازہ تازہ خیالات سے مالامال ہوتی رہے۔ یہ دولت کسی زبان کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک اس کا دوسری زبانوں اور زبانیں بولنے والوں سے واسطہ نہیں پڑتا۔ دنیا میں کوئی زبان ایسی نہیں جسے "خالص" کہا جا سکے۔ ہر ایک میں مختلف زبانوں کے الفاظ ملیں گے۔ اگر کوئی "خالص" زبان ڈھونڈنے سے مل جائے تو وہ ان وحشیوں کی ہوگی جنہیں نہ تہذیب سے واسطہ پڑا ہے نہ مہذب انسانوں سے یا جو بالکل مردہ ہو چکی ہے۔ اور جوں جوں انسانوں کا میل جول بڑھتا جائے گا اور وہ ایک برادری بنتے جائیں گے ان کی زبانیں بھی نئے قالبوں میں ڈھلتی جائیں گی۔ اس سلسلہ تغیر و تبدل۔ فلہذا ترقی۔ کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ اس تصریح کی روشنی میں مغربی پاکستان کو دیکھیے۔ یہاں وحدت قائم ہو گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے طول و عرض میں باہمی باشندوں کے باہمی میل جول کے مواقع زیادہ ہوں گے۔ اس کے جہاں اور نتائج نکلیں گے وہاں اس کا اثر زبان پر بھی پڑے گا۔ یہ لوگ آپس میں ملیں گے تو اردو ہی میں بات کریں گے اور اس طرح لا محالہ اپنے الفاظ و خیالات اردو میں داخل کر لیں گے۔ اسی طرح وہ اردو سے بھی متاثر ہوں گے اور بہت کچھ اپنے ہاں لے کے جائیں گے۔ ان حالات میں علاقائی اور قومی زبانیں ایک دوسرے کی پرورش کرنے والی بن جائیں گی۔ اور کسی کو دوسرے کا حریف۔ فلہذا اس کے لئے "اجنبی" نہیں کہا جا سکے گا۔ اس سلسلہ میں ہمیں سابقہ پنجاب کی مثال خصوصیت سے نگاہ میں رکھنی چاہیئے۔ وہاں لوگوں کی مادری زبان پنجابی تھی لیکن پنجاب نے اردو کو اس طرح اپنایا کہ اردو اس کے لئے بمنزلہ مادری زبان ہو گئی۔ اس طرح گو ان کی دو زبانیں ہو گئیں لیکن کسی ایک نے دوسرے کو نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ ہر دو نے استفادہ کیا۔ آج اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پنجابی زبان اور ثقافت نے اردو میں خصوصی توانائی اور جلال پیدا کر دیا۔ اب یہ تجربہ وسیع پیمانے پر کیا جائے گا اور پنجابی کے علاوہ دوسری زبانیں بھی آگے بڑھیں گی وہ اردو کو متاثر بھی کریں گی اور اس سے متاثر بھی ہوں گی۔ وہ اپنی بساط اور صلاحیت کے مطابق آگے بڑھیں گی۔ اب ان کے لئے میدان وسیع ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں علاقائی اور جغرافیائی تخصیص پیدا کر کے ان کا دائرہ تنگ نہیں کرنا چاہیئے۔

ہمیں یقین ہے کہ وزیر موصوف کا مقصد وہ نہیں جسے ہم نے محل نظر ٹھہرایا ہے۔ لیکن ہم نے یہ وضاحت ...... اس لئے ضروری سمجھی کہ اس سے کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو جائے۔

دیہی امداد

پاکستان کو دولت متحدہ امریکہ کی طرف سے مختلف مدات میں جو امدادی رقوم ملی ہیں ان میں دیہی امداد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ امداد دیہات کی زراعتی اور صنعتی نشوونما کے لئے دی گئی ہے۔ (انگریزی زبان میں ان الفاظ کا مخفف A.I.D بنتا ہے اور چونکہ اس لفظ کے معنے بھی امداد ہیں اس لئے اس اسکیم کا نام ہی دیہی امداد پڑ گیا ہے)۔ ہمارے ہاں اس اسکیم کو اس لئے خاص طور پر اہمیت حاصل ہے کہ ہمارا ملک زراعتی ملک ہے۔ ہمارے ہاں کے بیشتر باشندے دیہات میں آباد ہیں اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ہماری ترقی اور پستی کا معیار ہمارے دیہات ہیں۔ اگر وہاں کے لوگ خوشحال، تندرست و توانا، اور تفکرات اور پریشانیوں سے آزاد ہیں تو سمجھ لیجئے کہ پاکستان ترقی کے راستہ پر جا رہا ہے اور اگر وہاں افلاس، بیماری، پریشانیاں، مصیبتیں اور تکالیف ہیں تو پھر ہمارے شہروں کے جھوٹے نگینوں کی مینا کاری صحیح ترقی کی آئینہ دار نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں ہمارے دیہات کی حالت سدھارنے کے لئے جو قدم بھی اٹھے وہ لائق صد تحسین ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ قدم وہی نتیجہ خیز ہوگا جو صحیح سمت میں اٹھے گا۔ غلط علاج میں ہزاروں روپیہ صرف کر دینے سے بھی بیمار کو صحت نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہمارے ہاں دیہات سدھار کے لئے اس سے پہلے بھی بہت سی اسکیمیں بنیں اور بہت سے تجربے کئے گئے۔ لیکن گاؤں والوں کی حالت سدھرنا تو ایک طرف بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ تقسیم کے بعد ان کی حالت کی اس ابتری میں اور بھی اضافہ ہو گیا اس لئے کہ ان کی زندگی جن بندھنوں سے بندھی ہوئی تھی وہ بندھن ایک ایک کرکے ٹوٹ گئے۔ دیہات کی زندگی برادری کی زندگی تھی اور ان کی شیرازہ بندی قومی روایات کی وجہ سے ہوتی تھی۔ ملک کی تقسیم کے ساتھ برادریوں کے رشتے بھی ٹوٹ گئے اور ان کے ٹوٹنے سے قومی روایات کا شیرازہ بھی منتشر ہو گیا۔ لہٰذا ان کے حالات کو سدھارنے کے کام میں اور کئی مشکلیں پیدا ہو گئیں۔ ایسے حالات میں کسی باہر کے ملک کی امداد ہمارے لئے بسا غنیمت ہے۔ لیکن جو لوگ دیہات کی زندگی کا تھوڑا بہت علم رکھتے ہیں وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اس قسم کی دیہات سدھار اسکیموں سے جو کچھ بھی ہوگا وہ صرف درخت کے پتوں پر پانی چھڑکنا ہوگا۔ اس کی جڑوں کی سیرابی نہیں ہوگی۔ ہمارے دیہات کی جو خرابیاں گنائی جاتی وہ ان کے اصلی مرض کی علامات ہیں۔ علت مرض ان سب سے الگ ہے۔ وہ علت مرض یہ ہے کہ عام طور پر زمینوں کے مالک زمیندار ہیں اور گاؤں کا بیشتر حصہ ان کے کاشتکاروں کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ یہ بیچارے سال بھر دن رات لہو پسینہ ایک کرکے فصل پیدا کرتے ہیں اور اس میں سے کم از کم آدھی فصل زمیندار کے گھر میں چلی جاتی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ عدم یقین کا ہوا ان کے سر پر الگ سوار رہتا ہے کہ نہ معلوم کب زمین کا مالک ناراض ہو جائے اور ہم سے زمین چھن جائے۔ ان حالات میں سب سے مقدم کرنے کا کام وہی ہے جسے قرآن نے ان مشکلات کا حل بتایا ہے۔ قرآن کی رو سے زمین انسانوں کی نشوونما کا ذریعہ ہے اس لئے اس پر بطور جائیداد انفرادی ملکیت قطعاً جائز نہیں۔ لہٰذا زمینداری کا تصور قرآن کے خلاف ہے۔ ہوا کی طرح زمین بھی خدا کی طرف سے مفت عطا کردہ ہے اور یہ عطیہ اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سے انسانی پرورش کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ زمینوں کو انفرادی ملکیت سے نکال کر ملت کی مشترکہ تحویل میں دے دیا جائے تا کہ کوئی شخص محنت کرنے والے کو اس کی محنت کے ماحصل سے محروم نہ کر سکے۔

محترم وزیر اعظم صاحب دیہی امداد کی اسکیم میں خاص طور پر دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ چیز بڑی حوصلہ افزا ہے۔ لیکن ہم ان کی خدمت میں باادب گذارش کریں گے کہ جب تک ہمارے ہاں سے زمینداری کی لعنت دور نہیں ہوتی گاؤں کے سدھار کی کوئی کوشش صحیح نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ اگر محترم وزیر اعظم صاحب دل سے چاہتے ہیں کہ گاؤں والوں کی حالت سدھر جائے تو ان کے لئے سب سے پہلے کرنے کا کام یہی ہے۔ اور اب جبکہ ان کے ہاتھ میں اختیار و اقتدار کی باگ بھی ہے، ان کے لئے اس تبدیلی کا پیدا کر دینا کچھ مشکل نہیں۔ اگر وہ اپنے عہد وزارت عظمیٰ میں، صرف، ایک ہی کام کر جائیں تو اس سے نہ صرف پاکستان کی موجودہ نسل کی کایا پلٹ جائے گی بلکہ اس کی آنے والی نسلیں بھی اپنے آپ کو ان کا مرہون منت

[illegible]

عالم اسلامی

فلسطین کا معاملہ پھر بڑی نازک حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ سینائی اور غزا کے علاقوں میں یہودیوں نے نئے حملے شروع کئے ہیں۔ ان میں سے بعض اتنے خونریز ہوئے ہیں کہ جب سے جنگ فلسطین شروع ہوئی ہے۔ ایسے معرکے نہیں ہوئے کیا اس سے پھر جنگ کی صورت پیدا ہو جائیگی؟ یہ ہے وہ سوال جو اس وقت فلسطین سے متعلق ابھر کر سامنے آ گیا ہے۔ لیکن حالات کی رفتار ایسی پیچیدہ ہے کہ اس کا کچھ جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اقوام متحدہ کے صدر مقام پر تگ و دو شروع ہو گئی ہے کہ فلسطین میں امن قائم کرنے کی کچھ شکل پیدا کی جائے۔ اقوام متحدہ کے نمائندے جنرل برنز، سکریٹری جنرل اور امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے نمائندوں سے ملاقاتیں کر چکے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ کی طرف سے کچھ تجاویز مرتب ہو چکی ہیں جو متحارب حکومتوں کو بھیج دی گئی ہیں۔

ممالک مغرب پر اس صورت حال کا اثر عجیب سا ہوا ہے وہ نہیں چاہتے کہ جنگ کی آگ پھیلے۔ وہ ایک طرف مصر کی پاسداری کرنا چاہتے ہیں کیونکہ مصر نے روس اور روسی حلقہ چیکوسلواکیہ سے اسلحہ خریدنے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سے مشرق وسطیٰ میں کمیونسٹوں کا یقینی اثر دخل شروع ہو جاتا ہے وہ اس اثر کو زائل نہیں تو کم کرنے کے لئے یہودی جنگ کے سلسلے میں مصر کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن ان کی یہ مشکل بھی ہے کہ مصر کی تائید کی جائے گی تو یہودی ناراض ہوں گے نیز وہ یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ اگر یہودیوں کو اسلحہ دینے کی رفتار تیز تر کر دی جائے تو ایک طرف تو اسلحہ کے بارے میں "توازن" سا پیدا ہو جائے گا۔ دوسرے یہودیوں کی تلخی بھی کم ہو جائے گی اگر ممالک مغرب دو کشتیوں میں سوار ہیں تو یہودی حکومت بھی دوہری چال چل رہی ہے۔ اس کے نئے وزیر اعظم "بن گورین" نے پیشکش کی ہے کہ وہ مصر سے مل کر امن قائم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ باتیں امن کی کر رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ لڑتے بھی جاتے ہیں۔ اور لڑائی کی طرح وہ روس امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے پیچھے بھاگتے ہیں کہ ان سے مدد حاصل کی جائے۔ روس چونکہ مشرق وسطیٰ میں اپنے قدم جمانا چاہتا ہے۔ اور یہ مقصد عربوں کی تائید سے حاصل ہو سکتا ہے اس لئے اس کی توجہ یہودیوں کی بجائے عربوں کی طرف ہے۔ یہ واضح رہے کہ اگر روس اس وقت مصر وغیرہ کی طرف جھکا ہوا نظر آتا ہے تو یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ وہ یہودیوں کا ہی خواہ نہیں۔ یہ حقیقت بھلائی نہیں جا سکتی کہ "اسرائیل" کے قیام میں روس کا بھی ہاتھ ہے اور روس ہی نے اسے بہت حد تک مسلح کیا ہے۔ اب البتہ اس کے لئے مصلحت کا تقاضا عربوں سے صاحب سلامت کرنے میں ہے۔ لیکن اگر وہ عربوں کو اسلحہ دے رہا ہے تو وہ یہودیوں کے ہاتھ تیل بیچ رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ یہودیوں اور عربوں میں کشیدگی بڑھے تاکہ عرب زیادہ سے زیادہ اس کی طرف جھک جائیں۔

یہودی جارحیت سے عربوں میں ہل چل مچ گئی ہے۔ لیکن یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اجتماعی طور پر اس کی مدافعت کر سکیں گے۔ مصر نے شام سے جو معاہدہ دفاع کر لیا ہے اس کی رو سے شام اس کی مدد کو پہنچے گا۔ سعودی عرب نے بھی اسی طرح کا معاہدہ مصر سے کیا ہے۔ جس کی ہنوز تصدیق نہیں ہوئی ہے۔ عراق نے مصر سے کشیدگی کے باوجود یہ اعلان کیا ہے کہ وہ عرب لیگ کے معاہدہ دفاع کی رو سے مصر کی مدد کو پہنچے گا۔ یہ آثار اچھے ہیں۔ لیکن اس رنج دہ حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عربوں میں یگانگت و یکجہتی مفقود ہے۔ اور یہ دیکھنا ہے کہ وہ کس حد تک اجتماعی اقدام کر سکتے ہیں مصر نے اس موقع پر دنیائے اسلام کی مجموعی مفاد کو ایک طرف کر کے روس سے جو براہ راست تعلق پیدا کر لیا ہے۔ اس نے دنیائے عرب کے اختلافات کو اور محکم کر دیا ہے اگر مصر اپنی قیمت ہمسایہ مسلم ممالک سے وابستہ کرتا تو آج عربوں اور مسلمانوں کو متحدہ کارروائی کرنے کی زیادہ گنجائش ہوتی۔ اب بھی اگر یہ سبق حاصل کر لیا جائے تو مطلوبہ اتحاد کی طرح ڈالی جا سکتی ہے پاکستان، ترکی اور عراق اس سلسلہ میں نمایاں کام کر سکتے ہیں کیونکہ وہی اس وقت مسلمانوں کے مجموعی مفاد کے مطابق اپنی قومی پالیسی کو ڈھال رہے ہیں۔ ان کے لئے اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مجموعی مفاد پر زیادہ سے زیادہ زور دیں اور اس کا کماحقہ شعور پیدا کریں۔

مصر سے جو سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اس کی دوسری کڑی یمن نے مہیا کی ہے۔ اس نے روس سے معاہدہ دوستی طے کیا ہے۔ اور ثقافتی اور معاشی روابط قائم کرنے کا معاہدہ کیا ہے واضح رہے کہ روس اور یمن کے مابین ۱۹۲۹ء میں ایک معاہدہ ہوا تھا۔ جو ۱۹۳۹ء میں ختم ہو گیا تھا۔ اب سولہ سال کے بعد یمن کو پھر ایک معاہدہ کرنے کا خیال آ گیا۔ اس دوستی کا نتیجہ روس کے ہی حق میں نکلے گا۔ کیونکہ اسے ایک نیا اڈہ مل جائے گا۔ یمن کا یہ اقدام اس لئے بھی افسوسناک ہے کہ اس کے لئے کوئی جلدی نہیں تھی۔ اب چونکہ مشرق وسطیٰ میں روس کی آؤ بھگت شروع ہو گئی ہے۔ اس لئے عرب ممالک، ایران اور ترکی میں متعین روسی سفیر قاہرہ میں صورت حال پر غور کرنے کے لئے ایک اجتماع منعقد کر رہے ہیں۔ افغانستان بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی کمیونسٹ ممالک سے اسلحہ خریدنے کی طرح ڈال رہا ہے۔ اس کا ایک مشن چیکوسلوواکیہ پہنچ گیا ہے۔ افغانستان جیسے ملک کو اسلحہ کی دوڑ میں شریک ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ معاشی مدد لیتا۔ اور اپنے حالات کو درست کرتا۔ لیکن وہ اغیار کے اشاروں پر ناچ رہا ہے ۴۴

۴۴ اور پاکستان کو الجھائے رکھنے کے لئے فوجی قوت میں اضافہ کر رہا ہے۔ تازہ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے پاکستان کی سرحد پر فوجی نقل و حرکت بھی شروع کر دی ہے۔ یہ اس بیماری کی علامت ہے جس میں بعض عرب ممالک مبتلا ہیں۔ اور اس کا علاج بھی یہی ہے کہ ممالک اسلامیہ کو ایک ہی سلسلہ وحدت میں منسلک کیا جائے۔

بین الاقوامی جائزہ

بین الاقوامی سیاست کی توجہات کا مرکز اس وقت جنیوا ہے۔ جہاں چار بڑے ملکوں کے وزرائے خارجہ مصروف گفتگو ہیں۔ گو وہ کافی سرمار رہے ہیں لیکن جس مقصد کے لئے وہ جمع ہوئے تھے وہ عنقا بنتا جا رہا ہے۔ جیسا کہ خدشہ تھا۔ قدم قدم پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ فریقین کے نظریات و مطالبات میں مشرق و مغرب کا فرق ہے۔ پہلے جرمن وحدت اور معاہدہ یورپ کے منصوبے زیر بحث آئے۔ روس جرمنی کو غیر متحد اور غیر مسلح دیکھنا چاہتا ہے اسلئے وہ جرمن وحدت کے مسئلہ کو چنداں اہمیت نہیں دیتا۔ وہ پورے یورپ کا ایک عمومی دفاعی معاہدہ کرنا چاہتا ہے۔ جس میں امریکہ بھی شریک ہو۔ اور جرمنی غیر جانبدار کی حیثیت رکھے۔ اس سے پیشتر روس کا مطالبہ اس سلسلہ میں یہ تھا کہ اقوام مغرب اپنی دفاعی تنظیم یعنی ناٹو کو ختم کر دیں۔ اور پھر عمومی معاہدہ کریں لیکن اب اس نے یہ مطالبہ ترک کر دیا ہے۔ لیکن جرمنی کا معاملہ ناٹو سے کم اہم نہیں۔ اقوام مغرب آزادی انتخابات کے ذریعہ دونوں حصوں کو ایک کرنا چاہتے ہیں۔ روس اس کے لئے تیار نہیں وہ زیادہ سے زیادہ مشرقی اور مغربی جرمنی کی ایک مشترکہ کونسل بنانے کے حق میں ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ مغربی جرمنی کی حیثیت اس کے حلقہ نگوش مشرقی جرمنی سے برتر ہو جائے۔ معاہدہ یورپ کو جرمن وحدت سے منسلک کئے رکھنے کے لئے مغرب نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ جرمنی کو متحد تو کر دیا جائے لیکن معاہدہ یورپ میں یہ گنجائش رکھی جائے مشرق اور مغرب کی موجودہ سرحدوں کے پاس ایسے علاقے قائم کر دیئے جائیں جہاں جانبین کی فوجوں کی تعداد پہلے سے مقرر کر دیا جائے اور دونوں طرف ایسے انتظامات ہو جائیں کہ ان کا ہر وقت معائنہ ہوتا رہے یہ مسائل ایسے نہیں جن پر جلد کوئی مفاہمت ہو جائے لہذا کانفرنس کی کارروائی کو دلچسپی سے دیکھتے جانا ہوگا۔

ان منصوبوں کے ساتھ ساتھ مشرق و مغرب میں میل جول بڑھانے کے ذرائع پر بھی غور کیا جا رہا ہے روس نے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ زور اس پر دیا ہے کہ مغرب نے جو یہ پابندی لگا رکھی ہے کہ ایسا مال روس اور روسی حلقہ اثر میں نہ جانے دیا جائے جو جنگی مقاصد کے لئے استعمال ہو سکے اسے ختم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی روسی وزیر خارجہ مالوٹوف نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ آئندہ سال ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی جائے جو ایٹمی توانائی کو صنعت کے لئے استعمال کرنے کے ذرائع پر غور کرے۔ روس اس طرح اپنی امن پسندی کا ثبوت دینا چاہتا ہے لیکن اگر مقصود روابط کی استواری ہے تو اس کے لئے امریکہ کی تجویز حقیقی نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ ڈیلز نے اعلان کیا ہے کہ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ امریکہ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

تاریخی شواہد

(۳۶)

ذرا تصور میں لائیے اس نظارہ کو کہ جب ان بتوں کے پرستار معبد میں واپس لوٹے ہوں گے تو ان کی حالت کیا ہو گی؟ غیظ و غضب کا ایک طوفان برپا ہوا جس میں ہر طرف سے یہ آواز سنائی دی کہ

قَالُوا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ (۲۱/۵۹)

انہوں نے کہا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ (جس کسی نے کی ہو) وہ بڑا ظالم آدمی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اس ارادہ کا اظہار، کہ دیکھو میں ان بتوں سے کیا کرتا ہوں، پجاریوں کی مخصوص جماعت کے سامنے کیا ہو گا؟ اور عوام اس سے باخبر نہ ہوں گے۔ اس لئے عوام یقینی طور پر نہیں جانتے تھے کہ یہ کس کا کام ہے۔ اور پجاری اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے کہ مبادا اس سے عوام بگڑ بیٹھیں کہ جب تمہیں یہ چیلنج دے دیا گیا تھا تو تم معبد کی حفاظت سے اس قدر غافل کیوں ہو گئے۔ لیکن عوام کو یقینی طور پر اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ بت پرستی کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا مسلک (ATTITUDE) تو سب پر واضح تھا۔ اس لئے نگہ قیاس انہی کی طرف اٹھ سکتی تھی۔

قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ٥ (۲۱/۶۰)

چند آدمیوں نے کہا۔ ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں کچھ کہتے سنا تھا۔ اسے ابراہیم کہہ کے پکارتے ہیں۔

پجاریوں نے کہا کہ،

قَالُوا فَاْتُوا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ٥ (۲۱/۶۱)

انہوں نے کہا۔ اسے یہاں تمام آدمیوں کے سامنے بلا لاؤ تاکہ سب گواہ رہیں۔

جب حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے تو ان سے پوچھا گیا

قَالُوٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ٥ (۲۱/۶۲)

ان لوگوں نے ابراہیم سے کہا۔ ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی؟

واقعہ اپنی انتہائی نزاکت کو پہنچ چکا تھا۔ اب وقت تھا کہ جس غرض کے لئے یہ تدبیر عمل میں لائی گئی ہے اسے قوم کے سامنے لایا جائے۔ اگر پجاریوں کے اس سوال کے جواب میں حضرت ابراہیمؑ یہ کہہ دیتے کہ میں نے تو پہلے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ ایسا کروں گا تو اصل مقصد پیچھے سرک جاتا۔ آپ نے ان پجاریوں سے کہا کہ تمہارے تو یہ دعوے ہیں کہ یہ بت تمہیں غیب کی خبریں سنا دیا کرتے ہیں اور اسی دعوے کی بنا پر تم عوام کو دھوکے میں رکھ کر ان پر اپنی خدائی کا سکہ جمائے بیٹھے ہو۔ اگر یہ سچ ہے کہ یہ بت تمہیں لوگوں کے دلوں کی باتیں بھی بتا دیا کرتے ہیں اور آنے والے واقعات تک سے بھی مطلع کر دیا کرتے ہیں تو یہ سب سے بڑا بت "خداؤں کا خدا" تمہارے سامنے موجود ہے ذرا اس سے پوچھو کہ یہ کیا ہوا ہے؟

قَالُوٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ٥ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ٥ (۲۱/۶۲-۶۳)

ان لوگوں نے ابراہیم سے کہا۔ ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ ابراہیم نے کہا۔ میں نے یہ کیا۔ تم اس کی بابت مجھ سے پوچھنے کی بجائے انہی بتوں سے پوچھو۔ اور ان میں سے بھی اس سے جو ان میں سب سے بڑا ہے۔ اگر بت بول سکتے ہیں تو تمہیں جواب دیدیں گے؟

اس سوال و جواب پر ایک مرتبہ پھر غور کر لیجئے کہ آگے چل کر اس کے متعلق ایک اہم حقیقت سامنے آئے گی[1]۔ بات بالکل صاف ہے کہ یہ ایک الزامی حجت تھی۔ پجاریوں سے یہ مخفی نہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ حرکت کی ہے اس لئے کہ آپ نے علی الاعلان ایسا کہا تھا۔ اس جواب سے بیک وقت دو کام ہو گئے۔ ایک طرف تو عوام پر ان بتوں کی عجز و درماندگی آشکارا ہو گئی۔ اور دوسرے ان پجاریوں کی الہ فریبی کا پردہ بھی چاک ہو گیا کہ یہ بت انہیں تمام باتوں سے آگاہ کر دیا کرتے ہیں۔ پجاریوں پر یہ وہ زد پڑی کہ حواس گم ہو گئے اور جھجکے سے ایک طرف جا کر۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (۲۱/۶۴)

تب وہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ بات تو ٹھیک کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی ناحق پر ہیں۔

لیکن حضرت ابراہیمؑ ان کے جواب کے انتظار میں تھے۔ وہ سامنے آئے تو ندامت سے سر جھکائے ہوئے۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ٥ (۲۱/۶۵)

پھر وہ اس حال میں پڑ گئے کہ (شرم و خجالت سے) سر جھکے ہوئے تھے۔ لیکن وہ پھر اپنی پہلی بات کی طرف آ گئے اور کہنے لگے کہ تو اچھی طرح جانتا ہے یہ بت بات نہیں کیا کرتے۔

ذرا اس ٹکڑے پر پھر غور فرمائیے کہ لَقَدْ عَلِمْتَ .... حضرت ابراہیمؑ سب سے بڑے پجاری کے بیٹے تھے۔ اس لئے گھر کے بھیدی۔ پجاریوں نے آپ سے کہا کہ یہ تو تم خود جانتے ہو کہ یہ بت بولا نہیں کرتے ان کی نسبت جو کچھ ہم نے مشہور کر رکھا ہے فقط دام فریب ہے۔ اب جو پجاری یوں خاسر و نادم ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے انہیں اور عوام کو مخاطب کر کے للکارا اور کہا کہ یہ واقعہ تمہارے سامنے ہے۔ کچھ بت تو یہ ٹوٹے پڑے ہیں۔ ان میں سے کسی میں یہ طاقت نہ ہوئی کہ اپنے آپ کو بچا سکتا۔ اور یہ سب سے بڑا "خدا" بت بنا سامنے کھڑا ہے۔ یہ نہ ان چھوٹے خداؤں کی حفاظت کر سکا۔ نہ خود یہ اپنا قصہ بیان کر سکا۔ اور نہ اب ان پجاریوں کو ہی کچھ بتاتا ہے۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ٥ (۲۱/۶۶)

ابراہیم نے کہا۔ "پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو تمہیں نہ تو کسی طرح کا نفع پہنچا سکیں نہ نقصان؟

یہ ہیں تمہارے خدا۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ (۲۱/۶۷)

کس قدر قابلِ افسوس ہے تمہاری حالت اور ان کی بھی جنہیں تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو۔ کیا تم عقل سے بالکل کورے ہو گئے؟

حجت کا اتمام ہو گیا۔ وہی حقیقت جو اس سے پہلے لطیف اشاروں میں سمجھائی جاتی تھی اب محسوس شکل میں سامنے لائی گئی۔ لیکن آپ سمجھتے ہیں کہ پجاریوں نے اپنی مٹتی ہوئی عظمت کو بچانے کے لئے کیا کچھ نہ کیا ہو گا؟ انہوں نے عوام کے جذبات کو بھڑکایا اور خوب بھڑکایا اور چلا کر کہا کہ

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ٥ (۲۱/۶۸)

انھوں نے آپس میں کہا۔ اگر ہم میں کچھ بھی ہمت ہے تو آؤ اس آدمی کو آگ میں ڈال کر جلا دیں۔ اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں۔

وہی استبداد کے ابلیسانہ حربے جو حق و صداقت کی آواز کو دبانے کے لئے شروع سے آج تک استعمال ہوتے چلے آ رہے ہیں! وہ لوگوں کے جذبات کو اس طرح مشتعل کر رہے تھے لیکن حضرت ابراہیمؑ کی (خدا کی طرف سے دی ہوئی راہ نمائی کے مطابق) یہ تدبیر تھی کہ ان کے غصے کی آگ بھڑکنے نہ پائے اور ابراہیمؑ کے حق میں امن و سلامتی کا موجب بن جائے۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ٥ (۲۱/۶۹)

چنانچہ آخر الامر ہوا یہ کہ

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ٥ وَنَجَّيْنٰهُ .... (۲۱/۷۰)

وہ اس کے خلاف اپنی تدبیر کا ارادہ کر رہے تھے۔ لیکن ہم نے ایسا کیا کہ وہ اپنے ارادے میں ناکام رہ گئے اور ہم ابراہیم کو وہاں سے بچا کر لے گئے۔

اس سے ظاہر ہے کہ وہ ابھی اس کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ کو پکڑ کر زندہ جلا دیا جائے کہ حضرت ابراہیمؑ محفوظ طور پر وہاں سے نکل گئے۔ (تفصیل آگے آتی ہے)

---

[1] اس قصہ کا ایک اور بھی پہلو ہے جس کی وضاحت محترم پرویز صاحب کی کتاب جوئے نور میں کی جائے گی جو عنقریب چھپ جائے گی

اسلام کی سرگزشت

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی حیات عقلیہ اور اس کے مظاہر سے بحث کر لینے کے بعد گزشتہ اشاعتوں میں اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معانی بتلائے گئے تھے اور اسلام کی موٹی موٹی بنیادی تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ حالیہ اشاعت میں اسی سلسلہ کے ضمن میں اسلام کی ان تعلیمات کے اثرات سے گفتگو کی گئی ہے جو اس نے عربوں پر مرتب کئے۔

اسلام نے قبائلی وحدت اور نسلی وحدت کو منہدم کر دیا اور قبیلہ یا جنس کی قرابت سے انسانوں کے درمیان باہمی تفاضل کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ اس نے یہ تعلیم دی کہ جو لوگ اسلام کو قبول کر لیں وہ ایک جسم واحد بن جاتے ہیں جن کے افراد میں باہمی تفاضل محض خدا کی اطاعت اور اس کے اوامر کی تنفیذ کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ۔ تمام مومن لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے دو بھائیوں کے درمیان ہمیشہ صلح و صفائی کی کوشش کرتے رہو۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ خدا کے نزدیک تم میں سے زیادہ شریف وہی ہے جو اپنے آپ کو قوانین خداوندی سے زیادہ ہم آہنگ رکھتا ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ وہ آدمی ہم میں سے (مسلمانوں میں سے) نہیں ہے جو لوگوں کو کسی عصبیت کی طرف دعوت دے رہا ہو یا کسی عصبیت کی خاطر جنگ آزما ہو۔ اسلام نے اطاعت کو صرف خدا کے لئے، خدا کے رسول کے لئے اور امت کے اولوالامر کے لئے حق قرار دیا ہے۔ امیر کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ خدا کے احکام کی اطاعت کرے۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ اور خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور امراء ملت (مرکز ملت) کی اطاعت کرو۔ اور حدیث میں ہے کہ خالق کی معصیت کے معاملہ میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔

عربوں پر ان تعلیمات کا اثر

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان تعلیمات نے عربوں کے عقلی رجحانات کو ایک بڑے درجے تک بلند کر دیا تھا۔ یہ صفات جنہیں خدا نے اسلام کے اوصاف قرار دیا ہے عربوں کو ——— بتوں اور مورتیوں کی پرستش اور تنگ نظری اور پست فکری سے جو بتوں کی پرستش کا فکری تقاضا ہیں ——— اس خدا کی عبادت و اطاعت کی طرف منتقل کر دیا جو ماوراء المادہ ایک بلند و بالا ہستی ہے کہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ زیادہ تر عربوں کے نزدیک خدا کسی قبیلہ کا خدا ہوا کرتا تھا۔ اور اگر اس کا اقتدار اور تسلط کسی قدر وسیع ہو گیا تو وہ چند قبائل کا خدا بن گیا یا زیادہ سے زیادہ وہ پورے عرب کا خدا بن گیا۔ اسلام نے آکر خدا کو اس رنگ میں پیش کیا کہ وہ تمام جہانوں کا اِلٰہ ہے۔ وہ کائنات کو چلانے والا ہے۔ اس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز ہے۔ اسے ہر چیز کا علم ہے۔ ان تعلیمات کی بدولت عربی ذہن و عقل اتنی ترقی کر سکا کہ وہ ایسے اللہ کا تصور کر سکے جو مادہ سے ماوراء ہو جس کی سلطنت بڑی ہی وسیع ہو۔ اور جس کا علم پوری کائنات کو حاوی ہو۔ اسلام نے ان کو سمجھایا کہ ان کا یہ دین تمام ادیان سے بہتر ہے اور ان کے ارد گرد کی ساری دنیا گمراہی میں مبتلا ہے۔ ان کا نبی تمام نوع انسانی کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اور نبی صلعم کے بعد اقوام عالم کو راہنمائی کرنے کا فریضہ ان پر عائد ہو گیا ہے۔ یہ وہ اسباب تھے جنہوں نے عربوں کو دیگر اقوام سے جنگ کرنے اور اسلام کی طرف ان کو دعوت دینے پر آمادہ کیا۔ لہٰذا جو شخص بھی اس دین میں داخل ہو جاتا تھا وہ ان کی طرح کا ایک مسلمان آدمی بن جاتا تھا، یوم آخر اور دارالجزاء۔ جنت اور جہنم کے عقائد کا اس معاملہ پر بڑا اثر پڑا کہ انہوں نے اپنی جانوں کو اسلامی دعوت کی نشر و اشاعت میں وقف کر دیا۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ خدا نے مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس جنت کے عوض میں خرید لیا ہے جو انہیں دی جائے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور خود قتل ہوتے ہیں۔ خدا نے ان سے اس کے متعلق ایک سچا وعدہ کر رکھا ہے جو تورات اور انجیل اور قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو! تمہیں اس فروختگی پر خوش ہونا چاہیئے کہ تم نے جنت کے عوض میں اپنی جانوں اور مالوں کو فروخت کر دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اسلام نے عربوں کی نگاہوں میں چیزوں کی اقدار اور اخلاق و عادات کی قیمتیں بالکل بدل دی تھیں اور یہ اسلام کا بہت بڑا اثر تھا۔ چنانچہ اسلام کے بعد بعض چیزوں کی قیمت جہاں بڑھ گئی تھی وہیں بعض چیزوں کی قیمت بہت گر گئی تھی۔ زندگی کی قیمت بڑھانے والی چیزیں آج ان کی نگاہوں میں وہ نہیں رہی تھیں جو کل تک تھیں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلہ میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ——— کہ انہیں ان کی جاہلیت کی نقلیت سے نکال کر اسلام کی عقلیت سے روشناس کرایا۔ ان دشواریوں کا حال سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے مل سکتا ہے۔ صرف رسول اللہ ہی نہیں مسلمان سابقین اولین کو بھی بے شمار مصائب و آلام کا تختۂ مشق بننا پڑا۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ بعض اشرکین ان نومسلم لوگوں کو زد و کوب کرتے اور بھوکا پیاسا رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ شدت تکلیف کی وجہ سے ان میں اتنی سکت بھی نہیں رہتی تھی کہ وہ سیدھے بیٹھ جائیں۔ بالآخر مجبور ہو کر بعض اوقات انہیں وہ کچھ زبان سے کہہ دینا پڑتا تھا جو وہ ان سے چاہتے تھے۔ یہ لوگ اس سے پوچھتے تھے کہ بتاؤ کہ لات و عزیٰ اللہ کے سوا تمہارے الٰہ ہیں یا نہیں؟ وہ مصیبت کے مارے مجبوراً کہہ دیتے تھے کہ..... ہاں...... الخ حتیٰ کہ نبوت کے بعد پانچ سال تک پیہم یہ مصائب برداشت کرتے کرتے بہت سے لوگ اس پر مجبور ہو گئے کہ یہاں سے ایک نصرانی مملکت کی طرف ہجرت کر جائیں۔ یہ نصرانی مملکت حبشہ کی تھی جہاں مسلمانوں نے پناہ لی۔

سالمارین

دردوں کیلئے اکسیر ہے

گٹھیا، رینگن، درد کمر، ریاحی درد، درد شقیقہ، سر درد اور زہریلے جانوروں کے کاٹے کیلئے اکسیر ہے۔
انتہائی درد کی بے چینی کو دور کر کے سکون پہنچاتی ہے۔
اس کا مسلسل استعمال دائمی آرام کا ضامن ہے۔
ہوائی جہاز ——— ریل ——— اور بحری جہاز میں سفر کرنیوالوں کیلئے

سالمارین

بہترین وقتی مددگار ہے

قیمت فی شیشی دو روپے۔ علاوہ محصول ڈاک
اپنے شہر کے ہر اچھے دوا فروش سے خریدیں یا

سالما لیبارٹریز (پاکستان)
۲۷۔ زینت مینشن ——— میکلوڈ روڈ۔ کراچی

زندہ قوموں کے مقدرات کے ستارے

(ایک عجیب و غریب تجربہ)

یہ کہنا کہ بچوں کی تربیت کے لئے عمدہ سکول ہونے چاہئیں ایک صداقت کلّی کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور اس بارے میں مزید گفتگو کی گنجائش نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن شاید آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ پوری نہیں بلکہ نصف صداقت ہے۔ اس صداقت کا دوسرا نصف یہ ہے کہ اچھے سکولوں کے لئے بچے بھی اچھے ہونے چاہئیں۔ بادنیٰ تعمق اس صداقت کا نصف ثانی نصف اول سے اہم تر نظر آئے گا۔ اور یہ ماننا پڑے گا کہ اگر سکولوں کو اچھے بچے میسر نہ آئیں تو اچھے سے اچھے سکول بھی اپنی افادیت کھو بیٹھیں۔ ماہرین نفسیات کے نزدیک یہ حقیقت ہے کہ بچہ سکول پہنچنے سے بہت پہلے اپنی زندگی ایک خاص قالب میں ڈھال چکا ہوتا ہے۔ یہ قالب مخصوص ماحول کے ہاتھوں تشکیل پذیر ہوتا ہے جو ہر وقت ماں باپ کی وساطت سے بچے پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ یہ اثرات بڑے پختہ ہوتے ہیں اور اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا اثر زائل نہیں ہو سکتا۔ تاہم اتنا یقینی ہے کہ ایک سکول کے لئے یہ رنگ چھڑانا بڑا دشوار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل قابل فہم اور معقول ہے کہ اچھے سکولوں کو پوری طرح مفید بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے لئے بچے بھی اچھے ہوں۔

اچھے بچے کیسے تیار ہو سکتے ہیں؟ یہ تجربہ کسی اور جگہ نہیں تو کم از کم ایک جگہ ضرور شروع ہو چکا ہے۔ یہ جگہ لاس انجیلز ہے جو کیلیفورنیا (امریکہ) میں واقع ہے۔ وہاں
Association parent Teacher)
استادوں اور والدین کی ایک مشترکہ انجمن ہے جو برسوں ان سوالات کا حل تلاش کرنے میں سرگرداں رہی جو ابتدائی فضا میں اکثر ابھرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک بچہ ہے جو ہے تو ہوشیار لیکن وہ سکول سے بھاگنے کے ذرائع سوچتا رہتا ہے اور جب اسے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ چیخنا چلانا شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا بچہ ہے جو ہے تو پھسڈی لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ ذہناً ناقص ہے بلکہ یہ کہ اس کے کان خراب ہیں اور وہ سنتا کم ہے اس لئے پیچھے رہ جاتا ہے۔ تیسرے بچے کا [illegible]، لیکن غذا کی خرابی اور تکان سے وہ کبڑا بن گیا۔ چوتھا بچہ ہے کہ اس کے منہ پر ایسی چھائیں ہے جس نے اسے بدصورت بنا دیا ہے اور اسے نفسیاتی عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ وہ بچے بھی ہیں جو ایسے گھروں سے آتے ہیں جن کی آمدنی قلیل ہوتی ہے۔ ایسے بھی ہیں جو سیڑھیوں پر چڑھتے ہیں تو ان کا دل دھک دھک کرنے لگ جاتا ہے، یا جنہیں ہر وقت کھانستے رہنا پڑتا ہے یا جن کے دانت خراب ہوتے ہیں، یا جو بھینگے ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اسی قسم کے بیشتر سوالات ہیں جو والدین اور استاد۔ دونوں کے لئے طرح طرح کے مسائل پیدا کر دیتے ہیں اور بڑی پریشانی کا موجب بن جاتے ہیں۔ ان کا جواب کیا ہے؟ شاید لاس انجیلز میں یہ حالات پیدا ہو گئے ہیں یا ہو رہے ہیں۔ جس کی طرح استادوں اور والدین کی انجمن نے ڈالی اور اس کا آغاز [illegible] میں یوں ہوا کہ مقامی بچوں کے ہسپتال میں ایک نشست مخصوص کرا لی گئی۔ اصول پیش نظر اس وقت بھی وہی تھا جو اب ہے، یعنی یہ کہ اچھے سے اچھا سکول بھی بیکار ہے جب تک کہ اس میں تعلیم پانے والے بچے دماغی لحاظ سے صحت مند اور نفسیاتی طور پر متوازن نہ ہوں۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور اس میں توسیع ہوتی رہی تا آنکہ بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنا دشوار ہو گیا۔ [illegible] میں یہ محسوس کیا گیا کہ اس کام کو وسیع پیمانے پر کرنا ہوگا۔ اس کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی اور یہ بڑی ہمت کا کام تھا۔ انہوں نے حساب کیا کہ اگر وہ تین لاکھ ڈالر جمع کر لیں تو وہ اپنے مطلب کی عمارت شروع کر سکیں گے اس کی تکمیل کی صورت یہ ہوگی کہ اسے کسی کمپنی کے پاس رہن رکھ کے بقایا مطلوبہ رقم حاصل کر لی جائیگی۔ انجمن کے کارکن سب رضاکار تھے اور وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کی سبیل نکالی۔ ہر چند لاٹری اور جوئے کی قسم کی متعدد صورتیں ان کے سامنے تھیں۔ لیکن انہوں نے کسی ایک کو نہیں آزمایا اور صرف تجارتی اصولوں کے مطابق روپیہ کمانے کی ممکن الحصول صورتوں کی طرف توجہ دی۔ انہوں نے ردی چیزیں جمع کیں اور ان کو بیچا، بازار لگائے، اور چیزیں بنا بنا کر فروخت کیں۔ غرض اس طرح محنت اور استقامت سے انہوں نے ساڑھے چار سال میں دو لاکھ پینسٹھ ہزار ڈالر کما لئے۔ اتنی رقم سے ان کی ضرورت کے مطابق قرض ملنا آسان نہیں تھا لیکن یہ باہمت رضاکار تگ و دو کرتے رہے اور بڑی مشکل سے بقایا رقم قرض لے لینے میں کامیاب ہو گئے۔

اس طرح چوبیس سال میں یعنی [illegible] میں موجودہ مرکز صحت تعمیر ہوا جس کی مالیت سات لاکھ ڈالر کی ہے اب تک آدھا قرضہ ادا کیا جا چکا ہے۔ اس میں ہر روز سینکڑوں بچوں کا علاج ہوتا ہے۔ سالانہ اوسط کوئی پندرہ ہزار کی ہے۔ ان میں بعض بچوں کی دلوں کی تصویریں لی جاتی ہیں، بعض کے سینوں کا ایکسرے ہوتا ہے، بعض کے خون کا معائنہ ہوتا ہے اور بعض کا نفسیاتی علاج کیا جاتا ہے۔ یہ علاج بچوں تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ ضرورت ہو تو ان کے والدین تک کا علاج بھی کیا جاتا ہے۔ علاج مفت نہیں ہوتا۔ اس کی اجرت لی جاتی ہے لیکن ہر بچے کی استطاعت کے مطابق۔ اس طرح غریب سے غریب بچہ بھی قیمتی سے قیمتی علاج سے استفادہ کر سکتا ہے اور اچھے سکول کے قابل ہو جاتا ہے۔

مرکز صحت کا رقبہ ساٹھ ہزار مربع فٹ ہے اندر سے اسے بڑا خوبصورت بنایا گیا ہے اور ضرورت کے مطابق اس کا درجہ حرارت کم و بیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ مرکز دیکھنے میں بھی خوبصورت یا آرام دہ ہے، بلکہ انسانی نقطہ نگاہ سے یہ صحیح معنوں میں آرام دہ ہے۔ اس کے ڈاکٹر زیادہ رضاکار ہیں وہ بڑی سرگرمی اور خندہ پیشانی سے بچوں کا علاج کرتے ہیں ایک رکن ادارہ کے الفاظ میں انہیں اس کام میں روحانی لذت محسوس ہوتی ہے۔ وہ جب کسی معذور بچے کو صحیح بناتے ہیں تو اس میں محض جسمانی تبدیلی ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کی ساری شخصیت بدل جاتی ہے۔ بے شمار بچے اس کی زندہ شہادت ہیں۔ مثلاً ایک بچہ آیا جس کی حالت قابل رحم تھی۔ وہ اداس تھا، تنہا تھا اور اس کی کوئی سرگرمیاں نہیں تھیں۔ اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور ریڑھ کی ہڈی کا اوپر کا حصہ گول سا ہو گیا تھا۔ جس سے وہ سیدھا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے اس کی زندگی کو اجیرن بنا رکھا تھا۔ اس کی تشخیص کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کی جسمانی بھی ہے اور نفسیاتی بھی۔ جسمانی طور پر اس کی غذا ناقص تھی اور نفسیاتی طور پر وہ زندگی کے ہنگاموں سے الگ تھلگ رہنے اور اپنے آپ کو حقیر اور ناشائستہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ ایکسرے سے معلوم ہوا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی کی ساخت ایسی نہیں تھی کہ اسے سیدھا کیا جا سکے اس کے لئے ایک قالب تیار کیا گیا جو وہ کئی ہفتے پہنے رہا۔ اس کے بعد اصلاحی ورزش کرائی گئی۔ رفتہ رفتہ اس کی کمر سیدھی ہونا شروع ہوئی۔ ادھر بچے میں اطمینان پیدا ہونے لگی اور اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔ چند مہینوں میں نمایاں تبدیلی ہو گئی۔ اور ایک سال کے بعد وہ ایک سیدھا، لمبا، خوبرو، تنومند خوش اور زندگی بدوش لڑکا بن گیا۔ یہ بڑا حیران کن واقعہ تھا۔ ۱۹۵۳ء میں مرکز صحت کے ایک شعبے میں ایسے کم و بیش ڈھائی ہزار مریض گئے اور ان میں سے کم از کم آدھے نمایاں طور پر مستفید ہوئے۔

جس شعبے میں دل کا علاج کیا جاتا ہے وہ مکمل طور پر بیٹی ورکوٹ? [illegible] سے ہے اس میں دس ڈاکٹر ہیں اور وہ سب کے سب رضاکار ہیں۔ وہ ایک طرف بچوں کی پیچیدہ اور بظاہر خطرناک قلبی امراض کا علاج کرتے ہیں اور دوسری طرف ان بچوں کے مغموم والدین کا ہمدردانہ طور پر دل بڑھاتے رہتے ہیں کہ ان کے بچے صحیح ہاتھوں میں ہیں اور ان کا پوری محنت اور توجہ سے علاج کیا جا رہا ہے۔ اب تک ہیں ایسے بچے یہاں آئے جن کے دل کا بڑے پیمانے پر اپریشن کیا گیا اور وہ سب کے سب کامیاب ثابت ہوئے۔ انچارج ڈاکٹر کے الفاظ میں "اگر ان بچوں کو یہ علاج میسر نہ آتا تو وہ چھوٹی ہی عمر میں مر جاتے۔ اب وہ پوری اور مکمل زندگی بسر کر سکیں گے"۔

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے علاج کی اجرت میں یہ رعایت برتی جاتی ہے کہ وہ بچے کے والدین کی حیثیت کے مطابق ہو لیکن اس سے یتیم خانے کی سی فضا پیدا نہیں ہونے دی جاتی۔ مرکز کے اپنے رکن خود گھروں میں جا کر مناسب معلومات حاصل کرتے ہیں اور ان کا مالی درجہ بھی متعین کرتے ہیں اور اجرت کا تناسب بھی۔ داخل کرنے کے بعد بچوں کا معائنہ کیا جاتا ہے اور ان کو متعلقہ شعبوں میں بھیج دیا جاتا ہے ان شعبوں میں بچوں کے مزاج اور پسند کا خاص خیال رکھا جاتا ہے مثلاً اگر کسی لڑکی کو عینک کی ضرورت پڑے تو یہی نہیں کہ اسے کم قیمت پر وہ مہیا کی جاتی ہے، بلکہ اسے پورا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ ذاتی پسند کی چیز منتخب کر سکے۔ یہ عینکیں متنوع قسم کی ہوتی ہیں تاکہ پسند کا دائرہ وسیع رہے۔

بچوں کے علاج میں بعض عجیب و غریب باتیں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً بعض کے ناک اور کان سے ایسی چیزیں نکالی گئی ہیں جن کا

یقین نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً پن۔ چلنے والے ربڑ، سر ان میں بعض کی کونپلیں تک پھوٹ رہی تھیں) کانچ کی چھوٹی گولیاں، اور غیرہ وغیرہ۔ ان میں بعض چیزیں برسوں کے بعد نکالی گئیں۔

اس مرکز میں بہرے بچوں کے لئے بھی انتظام ہے۔ اوّل تو اس نقص کا علاج کیا جاتا ہے اگر یہ قابلِ علاج ثابت ہو تو بچوں کو کانوں کے آلے مہیا کئے جاتے ہیں اور انہیں علیحدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دانتوں اور جلد کے جملہ امراض کا کیا بچوں کی ہر قسم کی بیماری کا علاج کیا جاتا ہے۔

جسمانی امراض سے کہیں زیادہ مشکل کام نفسیاتی امراض کا ہے۔ اس کے لئے علیحدہ شعبہ ہے اور اس پر خصوصی توجہ صرف کی جاتی ہے۔ اس میں بارہ ماہرینِ نفسیات ہیں۔ یہاں ان بچوں کو رکھا جاتا ہے جو سکولوں میں "مسئلہ" بن جاتے ہیں۔ تجربہ نے بتایا ہے کہ ان میں زیادہ تعداد لڑکوں کی ہوتی ہے اور وہ سات سے ۹ سال کی عمر کے ہوتے ہیں۔ جب کوئی ایسا بچہ آتا ہے تو پہلے اس کا طبی معائنہ کیا جاتا ہے کیونکہ بعض نفسیاتی امراض غدودوں کے صحیح کام نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد نفسیاتی معائنے ہوتے ہیں۔ جب یہ پتہ چل جائے کہ مرض نفسیاتی ہے تو پھر ماہرینِ نفسیات "علاج" شروع کر دیتے ہیں۔ وہ بچے کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اس سے باتیں کرتے ہیں، کھیلتے اور ان کے اٹھنے بیٹھنے میں کہیں مزاحمت نہیں کرتے۔ جب تک بچے سامان کو نقصان نہیں پہنچاتے یا ڈاکٹر پر حملہ نہیں کرتے انہیں ہر قسم کی آزادی دی جاتی ہے۔ یہ علاج بچوں تک محدود نہیں رہتا۔ ماہرِ نفسیات تو بچے کو سنبھالتا ہے اور اس کا ساتھی ان کے والدین سے ملاقاتیں کرتا ہے اور ان کو مناسب ہدایات دیتا رہتا ہے۔ چند ماہ کی توجہ اور علاج سے کم و بیش ۸۰ فی صدی بچے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

نفسیاتی معاملے بھی خوب ہوتے ہیں اور ان کی تشخیص سہل نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک لڑکی آئی جو سکول میں جا کر چیخنا شروع کر دیا کرتی تھی۔ بڑی تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ جب وہ چار سال کی تھی تو اس نے اپنے باپ کو تڑپ کر مرتے دیکھا تھا اور اس کا اس کے دل پر ایسا اثر ہوا تھا کہ اس کے دل میں یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں اس کی والدہ بھی اسی طرح اس سے چھن نہ جائے۔ یہ ڈر پیدا تو یوں ہوا لیکن اس نے آہستہ آہستہ اس ڈر کا یہ فائدہ اٹھانا شروع کر دیا تھا کہ اس سے وہ اپنی والدہ پر چھائی رہتی تھی۔ اس سے ماں اور بچی میں ایک ایسا تصادم سا پیدا ہو گیا جس کو وہ دونوں نہ سمجھ سکتے تھے نہ قابو میں لا سکتے تھے۔ یہ بچی جب ڈاکٹر کے پہلے دن ملی تو وہ چیختی ہی رہی لیکن ڈاکٹر نے رنگا رنگ گڑیاں وغیرہ دکھا کر اسے خاموش کرا لیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد وہ پورے اطمینان سے ڈاکٹر کی گود میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ گفتگو، تصویر کشی، کھیل کود وغیرہ سے اس کا ڈر نکال دیا گیا اور وہ بالکل سکول کے قابل ہو گئی۔ ایک نوجوان لڑکا ایسا آیا جس کی نظر کمزور تھی۔ اسے شدید دردِ سر رہتا تھا اور وہ بڑے کا مزاج غیر متوازن تھا۔ اس کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اسے کوئی جسمانی عارضہ نہیں۔ اس کا "مرض" اس کی از حد جذباتی الجھن تھی، بس نے اسے حد درجہ پریشان ... غرق کیا ہوا تھا۔

یہ مرکز صحت بورڈ آف ایجوکیشن سے پورا پورا تعاون کرتا ہے اور سکولوں سے مل کر کام کرتا ہے۔ اس کے متعلق بجا طور پر کہا گیا ہے کہ اس نے بیماریوں کا علاج کر کے، وباؤں سے نجات دے کر سکولوں کا قیمتی وقت بچایا ہے اور اس طرح بے بہا خدمات سر انجام دی ہیں۔

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

باب سوم (مسلسل)

اس کے بعد ہے۔

هستیِ مسلم تجلّی گاهِ او
طورها بالد ز گردِ راهِ او

مسلمان کی ہستی ذاتِ رسالت مآب کی تجلی گاہ ہے اور حضور کا مقام اتنا بلند ہے کہ آپ کی گردِ راہ سے سینکڑوں طور پیدا ہو جاتے ہیں۔

پیکرم را آفرید آئینه اش
صبحِ من از آفتابِ سینه اش

میرا پیکر بھی حضور کے آئینہ کی تخلیق ہے آپ ہی کے سینہ پر نور کی ایک جھلک ہے جس سے میری تاریک رات صبحِ درخشندہ میں تبدیل ہو گئی ہے۔

در تپیدن دم بدم آرامِ من
گرم تر از صبحِ محشر شامِ من

آپ نے سعی پیہم اور جہادِ مسلسل کا سبق دیا کہ ایک حقیقی مسلم کے لئے آرام و راحت اضطرابِ پیہم کے اندر پوشیدہ ہے۔ اس سے میری شام صبحِ محشر سے بھی زیادہ گرم اور تیز ہے۔

ابرِ آذار است و من بستانِ او
تاک من نمناک از بارانِ او

حضور موسمِ بہار کے ابرِ گہربار کی طرح ہیں اور میں اس گلستان کی طرح ہوں جو اس بادل کے قطرات کو اپنے دامن میں لے اور اس سے زندگی کی نمود اور حسن کی تازگی پیدا ہو۔

چشم در کشتِ محبت کاشتم
از تماشا حاصلے برداشتم

میں نے حضور کی محبت کی کھیتی میں اپنی آنکھ کو بو دیا اس سے میری آنکھ کے سامنے سے حقائق کے پردے اٹھ گئے۔ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں سب اس کا تصدق ہے۔

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

میرے لئے یثرب کی مٹی دونوں جہانوں سے زیادہ محبوب ہے کس قدر حسین اور ٹھنڈک پہنچانے والی ہے وہ بستی جس میں محبوب رہتا ہو۔

اس کے بعد اقبال نے مولانا جامی کی نعت کا ایک شعر لکھا ہے۔ لیکن شعر سے پہلے خود مُلّا جامی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

کشتۂ اندازِ مُلّا جامی ام
نظم و نثرِ او علاجِ خامی ام
شعرِ لبریزِ معانی گفته است
در ثنائے خواجہ گوہر سفتہ است

مُلّا جامی کے اندازِ بیان کا میں شیدا ہوں۔ وہ نثر میں کہے یا نظم میں، اس کے اندر میں اپنی خامیوں کا علاج پاتا ہوں۔ انہوں نے حضور کی تعریف میں ایک بڑا پُر معنی شعر کہا ہے۔ شعر کیا ہے؟ سلکِ بے بہا میں گوہرِ آبدار پرو دیا ہے۔ شعر یہ ہے کہ ......

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

کتابِ دو عالم کا دیباچہ حضور رسالت مآب ہیں۔ تمام دنیا کے رہنے والے غلام اور آپ ان کے آقا ہیں۔

خط و کتابت کرتے وقت جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ لکھئے۔

مقالاتِ جمال الدین افغانی
مترجمہ رفعت ایم اے
بیسویں صدی عیسوی

کا تمام تر عالمگیر اسلامی انقلاب صرف اور صرف جمال الدین افغانی کے تصورات و تخیلات کا رہین منت ہے مرحوم نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں ایک نئی تڑپ اور ایک نئی حرکت پیدا کر دی۔ یہ کتاب اسی مردِ مجاہد کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ جس نے مسلمانوں کو موت کی بھیانک غار میں گرنے سے بچایا۔ مجلد۔ رنگین گرد پوش۔ قیمت تین روپے چار آنے۔

مقامِ جمال الدین افغانی
سبحان الدین ایم اے (عثمانیہ)
ایک بے قرار سیاح، ایک جادو بیاں مفکر کے حالات، خیالات، اور پیامات کا مرقع۔ جو زندگی بھر ملوکیت، وطنیت اور تسلیمیت کے خونی دیوتاؤں سے جنگ کرتا رہا۔ ہندوستان کے بُت کدہ میں اسلامی مملکت (پاکستان) کا تخیل اسی کی شعلہ نوائی کا رہینِ منت ہے۔

مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت تین روپے چار آنے

مکاتیبِ امام غزالیؒ
مترجمہ ظہوری
حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ ایک عظیم المثال فقیہ، ایک فقید المثال اصولی، ایک بلند مرتبہ فلاسفر اور ایک بیباک داعی حق تھے۔ یہ ان کے عدیم المثال خطوط کا مجموعہ ہے۔ جو انہوں نے اپنے وقت کے علماء، وزراء، بادشاہ اور شہزادوں کو لکھے۔ ان خطوط میں رعایا کے حقوق، فرماں رواؤں کے فرائض، نفسیات اجتماع، جماعتی زندگی کے حل اور بہترین نصائح موجود ہیں۔ امام فلسفہ کے خیالات سے آگاہی ہر شخص کی بڑی ضرورت ہے۔ مجلد رنگین گرد پوش، قیمت تین روپے

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ ... کراچی

آغاز نزول وحی اور ورقہ بن نوفل

(علامہ تمنا عمادی)

تاریخ اسلام میں سیرت نبویہ کو جس قدر اہمیت ہے محتاج بیان نہیں۔ مگر سب سے پہلے مورخ اسلام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کے حالات سے ناظرین طلوع اسلام اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔ مگر تاریخ سے کہیں زیادہ اہمیت حدیثوں کی ہے۔ جن کی چھان بین محدثین نے اپنی بضاعت بھر ضرور کی ہو۔ مگر حدیثوں کے سب سے پہلے جامع محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری الایلی کے حالات سے بھی ناظرین طلوع اسلام کافی حد تک واقف ہو چکے ہیں۔ ان دونوں نے سیرت نبویہ کے بیان میں بعض باتیں کچھ اس طرح داخل کر دی ہیں جن سے وہ لوگ جو والذین فی قلوبھم زیغ کے مصداق ہیں۔ یعنی جن کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ راہ حق سے بھٹک جائیں یا خالی الذہن انسان شکوک میں مبتلا ہو جائے۔

صحیح بخاری کا سب سے پہلا باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ اس باب کی تیسری حدیث کو ملاحظہ فرمایئے۔ جس کو امام بخاری یحییٰ بن بکیر سے وہ لیث بن سعد سے اور لیث عقیل ایلی سے اور وہ ابن شہاب بن زہری سے، اور وہ عروہ بن الزبیر سے اور وہ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ بن بکیر اور لیث بن سعد دونوں تو مصری ہیں، لیث تو در اصل اصفہانی تھے۔ قریش کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۴۵۹) اسی طرح یحییٰ بن بکیر بھی قریش کے آزاد کردہ غلام تھے۔ باوجودیکہ بخاری و مسلم دونوں ان سے روایت کرتے ہیں۔ مگر ابن حجر اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ابو حاتم کا قول ہے کہ ان کی حدیثیں لکھی جائیں۔ مگر وہ سند حجت نہیں ہیں۔ امام نسائی نے ان کو ضعیف اور غیر ثقہ کہا ہے۔ امام مالک کا کاتب حبیب بن ابی حبیب جو مشہور وضاع و کذاب اور مفتری تھا۔ اس کے یہ شاگرد تھے۔ اور اسی کے ذریعے سے مؤطا کی روایت کیا کرتے تھے۔ اور امام مالک کی طرف منسوب کر کے ایسی ایسی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ جن کو ان کے سوا اور کوئی روایت نہیں کرتا تھا۔ امام بخاری نے خود تاریخ صغیر میں لکھا ہے کہ ابن بکیر جو تاریخی باتیں اہل حجاز سے روایت کرتے ہیں میں ان کی نفی کرتا ہوں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱۔ صفحہ ۲۳۸)

یہ دونوں یحییٰ بن بکیر اور لیث بن سعد عجمی الاصل قریشیوں کے آزاد کردہ غلام مصر میں رہتے تھے۔ اور عقیل بن خالد بن عقیل ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام ابن حجر لکھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں ان کے باپ خالد بن عقیل آزاد کردہ غلام ہوں گے۔ یہ ابن شہاب زہری کے ہموطن یعنی مقام ایلہ کے رہنے والے تھے۔ مگر زہری کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور زہری سے ایسی ایسی حدیثیں روایت کرتے تھے۔ جنھیں ان کے سوا کوئی دوسرا روایت نہیں کرتا تھا۔ اور یہی اس حدیث کو ابن شہاب زہری سے روایت کر رہے ہیں۔

ابن شہاب کے متعلق ہم نے ترجمہ ابن شہاب زہری مطبوعہ طلوع اسلام میں تہذیب التہذیب کی عبارت بحوالہ جلد و صفحہ نقل کر کے اور دوسرے دلائل سے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ ابن شہاب زہری کا عروہ بن الزبیر سے حدیثیں سننا باجماع محدثین ثابت نہیں ہے۔ اور نہ قرین قیاس ہے اس لئے یہ حدیث بھی مرسلات محمد بن مسلم ابن شہاب زہری میں سے ہے۔ اور ہم ان کے ترجمہ میں لکھ چکے ہیں کہ ائمۂ حدیث کے نزدیک ابن شہاب زہری کی مرسل حدیثیں بمنزلۂ الریح ہیں۔

یہی حدیث بخاری کے باب التعبیر کی ابتداء میں بھی انہیں اسناد سے مروی ہے مگر ایک تحویل کے ساتھ جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے اس حدیث کو عبداللہ بن محمد المسندی البخاری سے بھی سنا اور انھوں نے عبدالرزاق بن ہمام سے، انھوں نے معمر سے، انھوں نے زہری سے۔ عبدالرزاق بن ہمام بھی ایک غلام آزاد کردہ تھے حمیریوں کے اور شیعہ تھے۔ جن کو عباس عنبری نے کذاب کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۱۴)

اب چاہے یہ حدیث واقعی ابن شہاب زہری ہی کو منافقین عجم نے تلقین کی ہو۔ یا ان کے بعد والے عجمی اولوں کا شکم زاد ہو اور انھوں نے اس کو غریب زہری کے سر تھوپ دیا ہو۔ بہرحال اس حدیث میں بعض خطرناک من گھڑت، اضافے ضرور ہیں۔ جن کی خطرناکی روایت پرستی کے جذبات سے الگ ہو کر اگر تھوڑا تامل کیا جائے تو صاف طور سے معلوم ہو سکتی ہے، اور پھر درایت قرآنیہ کی مخالفت، عقل سلیم کی مخالفت علاوہ برآں ہے۔

پوری حدیث کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ طوالت طلب ہے۔ اس لئے میں صرف ترجمے پر اکتفا کرتا ہوں۔ امام بخاری لکھتے ہیں:۔

ابن شہاب زہری عروہ بن الزبیر سے اور وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ پہلے پہل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ہوئی تو رویائے صالحہ (صحیح خواب) نیند میں۔ تو آپ جو خواب بھی دیکھتے تھے۔ وہ نمود سحر کی طرح ظاہر ہو جاتا تھا (یعنی اسکی تعبیر) پھر آپ کو تخلیہ پسند ہوا تو آپ غار حرا میں تخلیہ کرنے لگے اور اس میں تحنث (یکسوئی کے ساتھ عبادت و ذکر) کرنے لگے گئی گئی راتیں۔ پھر پلٹتے تھے اپنی بیوی (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) کے پاس اور کھانے پینے کا سامان لے جاتے تھے پھر جب وہ خرچ ہو جاتا تھا تو (حضرت) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس واپس آتے تھے اور کھانے پینے کا سامان لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس حق اچانک آ گیا (یعنی وحی آ گئی) اور آپ غار حرا میں تھے۔ تو آپ کے پاس فرشتہ پہنچا۔ اور اس نے کہا کہ پڑھو۔ آپ نے کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو پکڑ لیا اس فرشتے نے اور بھینچا۔ جہاں تک میں اپنے آپ کو سنبھال سکتا تھا پھر مجھکو چھوڑ دیا پھر کہا کہ پڑھو، تو میں نے پھر کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ پھر اس (فرشتے) نے مجھ کو پکڑا اور بھینچا جہاں تک میں اپنے آپ کو سنبھال سکتا تھا۔ پھر مجھ کو چھوڑ دیا۔ اور پھر کہا کہ پڑھو۔ پھر اس نے مجھکو پکڑا اور بھینچا۔ تیسری بار پھر مجھ کو چھوڑ دیا۔ پھر کہا کہ اقرأ باسم ربك الذی خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقرأ و ربك الاکرم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس آئے، دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اور حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس پہنچے اور کہا کہ مجھ کو کمل اڑھاؤ کمل اڑھاؤ۔ تو انھوں نے آپ کو کمل اڑھا دیا۔ یہاں تک کہ آپ کی گھبراہٹ دور ہو گئی تو (حضرت) خدیجہ سے آپ نے پورا واقعہ بیان فرماتے ہوئے کہا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے تو خدیجہ نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی غمگین نہیں کرے گا (یا کبھی رسوا نہیں کرے گا) تم صلۂ رحم کرتے ہو۔ بیکسوں کا بوجھ اٹھا لیتے ہو، پھر خدیجہ ان کو اپنے ساتھ لے چلیں۔ یہاں تک کہ پہنچیں ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ اپنے چچیرے بھائی کے پاس۔ اور وہ ایک ایسے شخص تھے جو زمانہ جاہلیت میں نصاریٰ ہو گئے تھے۔ اور عبرانی زبان میں کتاب (انجیل) کا ترجمہ کرتے تھے (کیونکہ انجیل سریانی زبان میں تھی) جب تک اللہ نے چاہا کہ وہ لکھیں اور وہ تھے بہت بوڑھے اندھے ہو گئے تھے تو حضرت خدیجہ نے ورقہ سے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے (تم اپنے بھتیجے سے (ان کا حال) سنو تو ورقہ نے آپ سے کہا کہ اے میرے بھتیجے! وہ کیا ہے جو تم دیکھتے ہو؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا۔ اُن سے بیان کیا۔ تو آپ سے ورقہ نے کہا کہ یہی وہ ناموس ہے۔ جس کو اللہ نے موسیٰ پر اتارا تھا۔ کاش کہ میں اس (زمانے) میں جوان رہتا۔ اے کاش کہ میں اس وقت زندہ رہتا۔ جب کہ تمہاری قوم تم کو نکالے گی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حیرت سے) پوچھا

---

[1] حدیث کی عبارت یوں ہے حتی بلغ منی الجھد جس کا لفظی ترجمہ یوں ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا بھینچنا میرے تحمل و برداشت کی آخری حد تک پہنچ گیا۔ میں نے متن میں مفہوم ادا کر دیا ہے۔ ۱۲ تمنا عفرلہٗ

[2] عینی شرح بخاری میں مذکور ہے کہ انجیل سریانی میں ہے۔ اور ورقہ اس کو سریانی سے عبرانی میں ترجمہ کرتے تھے۔ مگر اس زمانہ میں سریانی زبان کے جاننے والے پردۂ دنیا پر کہیں تھے بھی یا نہیں۔ یہی محل تامل ہے۔ اس وقت تو بڑے احبار و رہبان بھی سریانی زبان سے بالکل نابلد تھے۔ جیسا کہ اکثر محققین نے لکھا ہے۔ ۱۲ منہ عفرلہٗ

کہ کیا وہ لوگ محمد کو نکالنے والے ہوں گے؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں کوئی شخص ایسی چیز لے کر نہیں آیا۔ جیسی کہ تم لانے ہو۔ مگر وہ عداوت کیا گیا۔ اور اگر تمہارے زمانے نے محمد کو پا لیا تو میں تمہاری مدد کروں گا زبردست مدد۔ پھر ورقہ نے کچھ ہی دنوں بعد انتقال کیا۔ اور وحی رک گئی۔[1]

ایسی ہی حدیث ابن جریر طبری۔ احمد بن عثمان معروف بابی الجوزا سے وہ وہب بن جریر سے وہ اپنے باپ جریر بن حازم سے وہ نعمان بن راشد سے اور وہ زہری سے انھیں اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ وہب بن جریر اور ان کے باپ جریر بن حازم اور نعمان بن راشد یہ سب بصری ہیں اور نعمان بنی امیہ میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے اور یہ سب کے سب منکر الحدیث ضعیف الحدیث تھے۔ غرض ابن جریر کی اس متابعت سے کوئی تقویت اس حدیث کو نہیں پہنچی خصوصاً جب وہ متابعت ضعیف الحدیث منکر الحدیث راویوں سے مروی ہو۔ پھر خصوصاً جب کہ سب ابن شہاب ہی تک پہنچتے ہوں۔

ابن جریر نے ایک روایت اور بہم پہنچائی ہے۔ جس کو وہ محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب سے، وہ عبد الواحد بن زیاد سے۔ وہ سلیمان الشیبانی سے اور وہ عبد اللہ بن شداد سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابن شداد بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ عبد الواحد بن زیاد بصری تھے مگر کوفے میں بھی رہا کرتے تھے۔ اعمش جو مشہور شیعہ محدث تھے اور اہل سنت میں بھی بڑے محدث مانے جاتے تھے مگر محدثین نے ان کو مفسد حدیث اہل الکوفہ کہا ہے۔ ان کے یہ خاص شاگرد تھے۔ اور جن حدیثوں کو حضرت اعمش اپنے اکابر تلامذہ یعنی اہل سنت محدثین کے سامنے پیش نہیں کر سکتے تھے ان کو عبد الواحد بن زیاد جیسے خاص شاگردوں کے ذریعہ عوام میں پھیلایا کرتے تھے۔ اور حضرت اعمش کے اس کام میں رفیق کار ان کے ہم خیال وہم مذہب وہم مشرب اور پھر ہمعصر بھی ابو اسحٰق السبیعی بھی تھے۔ اسی لئے ان لوگوں کے لیے ایسے خاص تلامذہ ان دونوں کے مشترک اور غیر مشترک رہتے تھے۔ جن کا کچھ ذکر میں نے اپنے رسالہ المکتہ فی ذکر الاصحاب[2] السنۃ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

ابن جریر کی پہلی حدیث جس کو وہ احمد بن عثمان النوفلی البصری سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ نوفل بن عبد مناف کی اولاد میں سے اور ورقہ بن نوفل یا ان کے بھائیوں میں سے کسی سے نسبی لگاؤ رکھتے ہیں۔ بلکہ یہ بنی نوفل میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اسی لئے ان کے آباؤ اجداد میں سے کسی کا تعلق مکہ مکرمہ سے کبھی نہیں ہا ۲۶۲ھ میں انھوں نے وفات پائی۔ ان کے اجداد میں جو عبد اللہ بن سنان کا نام آتا ہے۔ وہ عبد اللہ بن سنان صحابی نہیں ہیں کیونکہ صحابی جو تھے وہ نوفلی نہیں تھے۔ بلکہ وہ مزنی تھے البتہ احمد بن عثمان النوفلی کے اجداد میں جو عبد اللہ بن سنان تھے ممکن ہے کہ وہ عبد اللہ بن سنان ہوں جو شیعہ تھے۔ اور اصول سکافی (حدیث شیعہ) میں حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق سے روایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ غالباً انہیں کا ذکر ابن حجر نے لسان المیزان جلد ع۳ صفحہ ۲۹۰ میں کیا ہے۔ مگر ان کو نوفلی نہیں بلکہ زہری لکھا ہے۔ یعنی وہ لکھتے ہیں عبد اللہ بن سنان الزہری الکوفی نزیل بغداد جو ہشام بن عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں انھیں ضعیف الحدیث لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ تفرقہ پیدا کرنے کے لئے شیعہ ائمہ رجال نے ان کو نوفلی قرار دیدیا ہو۔ بہرحال یہ احمد بن عثمان النوفلی معروف بابی الجوزاء محض بخاری ہی کے راوی ہیں۔ مگر مسلم، ترمذی، اور نسائی میں ان کی دو ایک حدیث مروی ہے۔ اس لئے صرف ابن حبان نے ان کو ثقہ لکھ دیا ہے اور نسائی نے لا باس بہ کہا ہے اور لا باس بہ کا مفہوم ائمہ فن کے نزدیک یہ ہے کہ غیرہ خیر منہ۔ یعنی اس کے سوا ہر دوسرا راوی اس سے اچھا ہے۔ اور باقی تمام ائمہ رجال نے ان کے متعلق خموشی اختیار کی ہے۔ احمد بن عثمان روایت کرتے ہیں وہب بن جریر بن حازم سے۔ یہ بھی لیس بہ باس ہیں۔ بلکہ بعضوں نے ان کے متعلق کچھ کلام بھی کیا ہے۔ شعبہ سے چار ہزار حدیثیں روایت کرتے تھے۔ مگر امام احمد فرماتے ہیں کہ انھوں نے شعبہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ ابن حبان نے ان کو حدیثوں میں خطا کا مرتکب بھی لکھا ہے۔ یہاں تک تو تہذیب التہذیب میں ہے۔ اور امام ذہبی میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۲۱ ترجمہ محمد بن اسحاق میں لکھتے ہیں کہ امام یحییٰ بن سعید القطان نے عبد اللہ القواریری سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ وہب بن جریر کے پاس سیرت لکھنے کے لئے۔ یحییٰ القطان نے فرمایا تکتب کذب کثیراً تم بہت ساری جھوٹی باتیں لکھ لاؤ گے۔

وہب بن جریر اس حدیث کو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا بھی حال سن لیجئے، جریر بن حازم اور بھی مجروح ہیں۔ ان پر خطاء ووہم کے علاوہ منکر حدیثیں روایت کرنے کا بھی الزام ہے۔ اور الٹ پلٹ حدیثیں روایت کرنے کا بھی اور تدلیس کا بھی۔

جریر صاحب اس حدیث کی روایت نعمان بن راشد سے کرتے ہیں۔ جن کو امام بخاری نے ضعفاء میں شمار کیا ہے یحییٰ بن معین ضعیف لیس بشئی کہتے ہیں۔ نسائی نے ضعیف کثیر الخطاء لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی حدیثیں الٹ پلٹ ہیں، اور متعدد لوگوں نے ضعیف لیس بالقوی مضطرب الحدیث، منکر الحدیث وغیرہ کہا ہے

یہی نعمان بن راشد اس حدیث کو حسب روایت ابن جریر الطبری زہری سے اور وہ عروہ بن الزبیر سے اور وہ حضرت ام المومنین صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اور میں لکھ چکا ہوں تہذیب التہذیب کے حوالے کے ساتھ کہ زہری کا عروہ بن الزبیر سے حدیثوں کا سننا باجماع محدثین ثابت نہیں۔ اس لئے بخاری کی روایت بھی بمنزلۃ الریح ہے۔

پھر یہی روایت ابن جریر یونس بن عبد الاعلیٰ سے وہ ابن وہب سے وہ یونس سے اور وہ ابن شہاب زہری سے کرتے ہیں۔ مگر جب ابن شہاب زہری ہی تک یہ سلسلہ بھی پہنچتا ہے۔ تو پھر ادھر کے راویوں کی تنقید میں وقت کیوں ضائع کیا جائے۔

ابن جریر نے ایک دوسری روایت محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب سے، انھوں نے عبد الواحد بن زیاد سے انھوں نے سلیمان الشیبانی سے انھوں نے عبد اللہ بن شداد سے پیش کی ہے۔ جس کو عبد اللہ بن شداد نے بلا واسطہ کسی کے بیان کیا ہے۔ جس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلعم کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئی تھیں بلکہ صاف طور سے یہ مذکور ہے کہ حضرت خدیجہؓ (خود تنہا) ورقہ کے پاس گئیں۔ اور رسول اللہ صلعم کا پورا واقعہ ان سے بیان کیا۔ ورقہ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ اگر تو اس قول میں سچی ہے تو تیرا شوہر ضرور نبی ہے، اور اپنی امت کی طرف سے اس کو سختی پہنچے گی۔ اگر مجھ کو اس کا وقت ملا تو میں اس پر ایمان لے آؤں گا۔

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست۔ ستمبر۔ نومبر۔ دسمبر
۱۹۵۱ء	جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری و اکتوبر کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر احباب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے۔ خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ کراچی

---

[1] حدیث بخاری کی اصل عبارت یوں ہے ثم لم ینشب ورقۃ ان توفی وفتر الوحی۔ لم ینشب یعنی لم یلبث یعنی اس واقعہ کے بعد ورقہ زندہ نہ رہے یا کسی اور کام میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ وفات پائی اور وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ ۱۲ منہ غفرلہٗ

[2] یعنی وہ چھ ائمہ حدیث جن کے اندر صحاح کی تقریباً تمام حدیثیں منحصر ہیں۔ اور صحاح سے باہر کی حدیثیں بھی انہیں میں سے کسی نہ کسی تک منتہی ہوتی ہیں۔ ۱۲ منہ غفرلہٗ

اس روایت کا سلسلہ ہی منقطع ہے۔ عبداللہ بن شداد نے کس سے سن کر بیان کیا۔ یہ اس روایت میں مذکور نہیں۔ یہ اگرچہ کوفہ ہی میں رہتے تھے۔ مگر ابن حجر لکھتے ہیں کان یاتی الکوفۃ یہ کوفے میں برابر آیا کرتے تھے۔ شیعہ تھے۔ کبھی تقیہ کرکے اپنے کو عثمانی بھی ظاہر کردیتے تھے۔ غالباً حجاج بن یوسف کو خوش کرنے کے لئے عثمانی بن گئے ہوں گے۔ اسی لئے ابن سعد نے لکھ دیا کہ کان عثمانیاً یہ عثمانی تھے۔ مگر ابن حجر نے اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے، اور دو جگہ ان کے شیعہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ حجاج کے ہی زمانہ میں یہ قتل کئے گئے۔ شاید ان کا تقیہ ظاہر ہوگیا ہو۔ ۸۱ھ یا ۸۲ھ میں ان کی وفات ابن حجر لکھتے ہیں۔ بزمانہ حجاج۔

ابن جریر نے ایک اور لمبی چوڑی حدیث حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت کی ہے۔ جس کو وہ ابن حمید سے، وہ سلمہ سے، وہ محمد بن اسحاق سے، وہ وہب بن کیسان سے اور وہ عبداللہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث میں اور بھی تفصیلات ہیں۔ جو دوسری حدیثوں میں نہیں ہیں۔ اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا کہ فرشتہ میرے پاس ایک ریشمی رومال لے کر آیا جس میں ایک کتاب تھی۔ اس کو پیش کرکے اس نے کہا کہ پڑھو۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا نہیں ہوں تو انھوں نے مجھ کو بھینچا، یہاں تک کہ میں یہ سمجھا کہ بس اب یہ موت ہی ہے۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا پھر کہا کہ پڑھو میں نے کہا کون سی چیز میں پڑھوں۔ اور میں یہ نہیں کہتا تھا مگر اس توقع پر کہ وہ پھر میرے ساتھ ایسا ہی کرے۔ تو اس نے کہا اقرأ باسم ربک الذی خلق ...... علم الانسان مالم یعلم تک تو میں نے اس کو پڑھ دیا۔ پھر وہ رک گیا۔ اور میرے پاس سے چلا گیا۔ پھر میں اپنی نیند سے بیدار ہوا۔ اور گویا اس نے میرے دل میں کتاب لکھ دی۔ اور اللہ کی مخلوق میں سے کوئی چیز ایسی جس سے مجھ کو بغض ہو نہیں۔ شاعر اور مجنوں سے زیادہ۔ میں ان دونوں کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بربادی ہے شاعر اور مجنوں کے لئے اور اس سے مراد لیا اپنے نفس کو ایسا نہ ہو کہ قریش میرے بارے میں ایسے الفاظ بولنے لگیں۔ میں پہاڑ کی کسی چوٹی پر پہنچ کر اپنے آپ کو گرا دوں گا۔ اور اپنے کو قتل کرکے راحت حاصل کروں گا۔ (یہ سوچ کر) میں چلا جب بیچ پہاڑ پر پہنچا تو ایک آواز سنی جو آسمانی آواز تھی کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اے محمد! تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبرئیل ہوں۔ تو میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو مجھ کو جبرئیل ایک انسانی صورت میں نظر آئے۔ ان کے دونوں قدم آسمان کے کنارے پر تھے کہہ رہے تھے کہ اے محمد تم رسول اللہ ہو اور میں جبرئیل ہوں تو میں ٹھہر کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ اور جو کچھ سوچ کر چلا تھا اس کی طرف سے غافل ہوگیا۔ تو پھر نہ آگے بڑھ سکا۔ اور نہ پیچھے ہٹ سکا۔ پھر میں ادھر ادھر آسمان کے کناروں پر نظر دوڑانے لگا۔ تو جس طرف نظر لے جاتا تھا۔ ان کو اسی طرح اس طرف دیکھتا تھا۔ اسی طرح میں کھڑا دیکھتا رہا۔ نہ آگے بڑھتا نہ پیچھے ہٹتا۔ یہاں تک کہ خدیجہ نے کچھ لوگوں کو میری تلاش میں بھیجا آخر وہ لوگ ناکام ہوکر واپس گئے خدیجہ کے پاس۔ اور میں یہاں اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ پھر جبرئیل میری نظروں سے اوجھل ہوگئے تو میں خدیجہ کے پاس چلا آیا اور خدیجہ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ انھوں نے پوچھا کہ اے ابوالقاسم! تم کہاں تھے؟ میں نے تمہاری کھوج میں آدمی دوڑائے تھے، آخر وہ ناکام میرے پاس واپس آئے۔ آپ نے کہا کہ میں نے کہا کہ بربادی ہے شاعر یا مجنوں کے لئے۔ خدیجہ نے کہا کہ میں ان چیزوں سے تمہارے لئے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اے ابوالقاسم! اللہ تمہارے ساتھ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ باوجود اس کے جو میں جانتی ہوں تم میں باتوں کی سچائی اور امانت داری کی عظمت اور حسن اخلاق اور صلہ رحم۔ تو کیا ہے اب میرے چچا کے بیٹے! شاید تم نے کچھ دیکھ لیا ہے۔ تو میں نے کہا کہ ہاں۔ تو میں نے جو کچھ دیکھا تھا۔ اس کو ان سے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! تمہیں خوشخبری ہو۔ تم مطمئن رہو۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ تم اس امت کے نبی ہو جاؤ۔ پھر کھڑی ہوگئیں اور اپنے لباس درست کئے۔ پھر وہ گئیں۔ ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس۔ اور وہ ان کا چچیرا بھائی تھا۔ اور وہ عیسائی ہوگیا تھا۔ اور پڑھی تھی کتاب اور سنا تھا توراۃ و انجیل والوں سے۔ تو خدیجہ نے ان باتوں سے

ٹ بغیر کتاب پیش کئے اقرأ و ادرما انا بقاری کا مکالمہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس کو ابن جریر نے محسوس کیا۔ اس حدیث کو ابن جریر سلمہ سے اور وہ محمد بن اسحاق صاحب المغازی سے اور وہ وہب بن کیسان سے اور وہ عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر نے عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی سے کہا کہ اے عبید! ہم سے بیان کرو کہ رسول اللہ صلعم کی بعثت کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ تو انھوں نے بیان کیا الخ۔ اس سلسلۂ اسناد میں سب سے پہلی بات یہ جان لینا ضروری ہے کہ سلمہ نام کا کوئی راوی حدیث ثلاثت کی دنیا میں نہیں گذرا۔ یہ طباعت کی غلطی ہے کہ سلمہ کو سلمہ بنا دیا گیا۔ سلمہ بن الفضل محمد اسحٰق صاحب مغازی کے شاگرد رشید تھے۔ اور ان کی کتاب المغازی کے یہی اصل راوی ہیں۔ انھیں سے یہ کتاب پھیلی مگر شیعہ تھے۔ منکر الحدیث تھے۔ لا یحتج بہ تھے اور ابو زرعہ نے ان کے متعلق کذب کا اشارہ کیا تھا (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۵۳) یہی تو یہ ابو جعفر بن جریر الطبری کے استاد تھے۔ اگرچہ ابن حجر نے ان کے تلامذہ میں ابن جریر کا ذکر نہیں کیا ہے مگر ابن جریر تو تدلیس کے اساتذہ سے بھی بغیر ان سے کچھ سنے ہوئے روایت کردیتے تھے۔ اگر ان سے بھی روایت کردی تو کیا حرج ہے۔ ان سلمہ بن الفضل کی وفات ابن حجر ۱۹۱ھ میں لکھتے ہیں۔ محمد بن اسحٰق صاحب المغازی چونکہ سب سے پہلے جامع مغازی تھے۔ اس لئے مورخین نے ان کی اتنی اہمیت بڑھا دی کہ آخر محدثین کو بھی ان کو ثقہ ماننا پڑا۔ مگر امام مالک ان کو "دجال من الدجاجلۃ" دجالوں میں سے ایک دجال کہتے تھے۔ ابن حجر اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان پر قدریہ ہونے کا الزام تھا۔ اور اس کے علاوہ بھی بعض بدعات سے متہم تھے۔ ان پر یہ بھی الزام ہے کہ یہ مجہول و غیر معروف لوگوں سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔ ان کی ایک ہزار حدیثیں ایسی ہیں جن کو ان کے سوا کوئی بھی روایت نہیں کرتا۔ امام احمد بن حنبل نے ان پر یہ بھی الزام لگایا ہے کہ دوسروں کی حدیثیں دیکھ کر ان کی حدیثیں اپنی کتاب میں نقل کرلیتے تھے۔ اور امام احمد نے ان پر تدلیس کا بھی الزام دیا ہے۔ اور پھر سدی و کلبی جیسے مشہور کذابوں سے بھی روایت کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ امام احمد اور یحییٰ بن معین وغیرہ ان کو لیس بحجۃ لکھتے ہیں۔ ہشام بن عروہ، سلیمان التیمی، یحییٰ بن سعید القطان اور وہیب بن خالد جیسے ان کو جھوٹا کہتے ہیں۔ یہودیوں کی اولاد سے جا جا کر رسول اللہ صلعم کے غزوات کا حال پوچھ پوچھ کر اپنی کتاب المغازی میں لکھتے تھے مگر محدثین کی ایک جماعت خصوصاً متاخرین ان کی پالش میں اگلوں کی جرحوں کی تاویلیں بھی کرتی رہی ہے تو پھر متقدمین و متاخرین کے درمیان دارقطنی نے یہ فیصلہ کیا کہ بہرحال ان کی حدیثیں سند و حجت نہیں ہیں۔ یہ سب تو تہذیب التہذیب میں ہے میزان الاعتدال میں ہے کہ دارقطنی نے کہا کہ سیرت نبوی میں انھوں نے بہت سی قابل انکار حدیثیں روایت کی ہیں اور جھوٹے اشعار نقل کئے ہیں۔ ابن اسحاق کی صفائی میں ابن عیینہ کا قول پیش کیا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا: "میں ابن اسحاق کے ساتھ ستر برس سے کچھ زیادہ بیٹھا ہوں کبھی اہل مدینہ کو ان کے متعلق کچھ کہتے نہیں سنا"۔ ابن عیینہ کی ولادت ۱۰۷ھ میں کوفہ میں ہوئی۔ ۱۲۳ھ میں وہ کوفہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے اور مرتے دم تک وہیں رہے (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۲۲) جس سے معلوم ہوگیا کہ ابن عیینہ کی عمر کوفہ چھوڑ کر آنے کے وقت ۱۶ برس کی تھی۔ اور ۱۹۸ھ میں ۹۱ برس کی عمر میں ابن عیینہ کی وفات ہے۔ تو یہ ۱۶ برس کوفہ میں رہے اور باقی ۷۵ برس مکے میں رہے۔ اور ابن اسحٰق مدنی تھے مگر مدینے سے اپنی عمر کے ابتدائی حصے میں باہر نکل گئے تھے۔ اور اسکندریہ و مصر وغیرہ ہوتے ہوئے کوفہ پہنچے تھے۔ اور وہیں رہ گئے۔ کیونکہ یہ جگہ ان کی طبیعت کے بالکل موافق تھی۔ تو پھر ابن عیینہ کو کب موقع ملا کہ ستر برس سے کچھ زیادہ مدت تک ابن اسحٰق کے ساتھ بیٹھیں؟ یہ ابن عیینہ پر صریحی تہمت ہے۔ بہرحال اس کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ابن اسحٰق کی کتاب المغازی کے اصل راوی بھی ایک شیعہ ہی ہیں یعنی سلمہ بن الفضل اور وہ ابن جریر کے استاد تھے اور وہ منکر الحدیث، لا یحتج بہ اور متہم بکذب بھی تھے۔ اس روایت میں کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن الزبیر نے عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی سے آغاز بعثت نبوی کا حال پوچھا۔ یہ عجیب و غریب بات ہے عبداللہ بن الزبیر ہجرت کے پہلے یا دوسرے سال میں پیدا ہوئے تھے۔ اور وہ مہاجرین میں پہلی اولاد ہیں جو مدینے میں پیدا ہوئے۔ وفات نبوی کے وقت نو دس برس یا کم سے کم آٹھ برس کے ضرور تھے۔ اسی لئے صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی کی ولادت رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ انھوں نے صرف آنحضرت کو دیکھا تھا۔ اس لئے استیعاب ج ۲ ص ۴۳۴ میں ان کو کبار تابعین میں لکھا ہے۔ یقیناً یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر سے چھوٹے تھے۔ اور کہیں قصہ خوانی کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن الزبیر کو اگر فقط ایک قصہ سننا تھا تو کوئی اور تھا ان سے کہنے کی فرمائش کرتے۔ رسول اللہ صلعم کے حالات تو ان سے زیادہ یہ خود جانتے تھے۔ اور اگر پوچھنا ہی تھا تو ابو سعید خدری، سلمہ بن الاکوع، رافع بن خدیج اور عبداللہ بن عمر وغیرہم اجلہ صحابہ ان کے وقت میں موجود تھے کیا ان لوگوں سے زیادہ سیرت نبویہ کے جاننے والے عبید تھے؟ غرض ان تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ روایت بھی بالکل من گھڑت ہی ہے چاہے ابن جریر کی طبعزاد ہو چاہے ان کے استاد سلمہ بن الفضل کی، چاہے ان کے استاد الاستاد محمد بن اسحٰق کی۔ واللہ اعلم۔ تمنا عمادی غفرلہ

ٹلہ اس روایت سے یہ ثابت ہوا ہے کہ آمد جبرئیل و آغاز نزول وحی کا سارا واقعہ تو عالم خواب کا تھا۔ ۱۲ منہ غفرلہ۔

ٹلہ مجنوں تو خیر مجنوں ہے شاعر سے اس قدر بغض کی کون سی وجہ ہوسکتی ہے۔ شعراء تو زمانہ جاہلیت میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ شاعر و مجنوں دونوں کو ایک ہی حیثیت کیوں دے دی گئی؟ مجنوں سے نفرت تو عقل میں آتی ہے۔ شاعر سے اسی قسم کی نفرت کیوں تھی؟ عقل اس کی توجیہہ صحیح سے عاجز ہے۔ ۱۲ منہ۔ (لیکن قرآن نے خود کہا ہے کہ شاعری ایک پیغمبر کے شایان شان نہیں۔ طلوع اسلام)

ورقہ کو باخبر کیا۔ جو باتیں محمد رسول اللہ صلعم نے ان سے کہی تھیں کہ انہوں نے یہ دیکھا اور یہ سنا۔ تو ورقہ نے کہا کہ قدوس قدوس، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے اگر تو نے اے خدیجہ مجھ سے سچ کہا ہے۔ تو اس کے پاس ناموس اکبر آیا ناموس سے ان کی مراد جبرئیل تھے علیہ السلام جو موسیٰ کے پاس آتے تھے۔ اور بلاشبہ اس امت کے نبی ہیں۔ ان سے جا کر کہہ دو مطمئن رہیں۔ تو خدیجہ آئیں اور رسول اللہ صلعم سے ورقہ کی باتیں دہرائیں۔ تو آپ کو جو تردد تھا۔ اس کا کچھ حصہ دور ہو گیا تو جب آپ اپنا اعتکاف پورا کر چکے۔ اور مقام اعتکاف سے واپس آئے۔ اور حسب معمول پہلے طواف کعبہ کیا تو وہاں ورقہ بن نوفل سے بھی ملاقات ہو گئی کہ وہ بھی طواف کر رہے تھے تو ورقہ نے کہا کہ اے بھتیجے جو کچھ تم نے دیکھا اور سنا ہے مجھ سے بیان کرو۔ تو آپ نے بیان کیا تو ورقہ نے کہا کہ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم بے شک اس امت کے نبی ہو۔ اور تمہارے پاس وہی ناموس اکبر آیا جو موسیٰ کے پاس آتا تھا۔ (اس کے بعد کہا) و لتکذبنہ[1] ولتوذینہ ولتخرجنہ ولتقاتلنہ (پھر کہا) اور اگر میں نے اس (وقت) کو پالیا تو اللہ کی ایسی مدد کروں گا۔ جس کو وہ جانتا ہے۔ پھر آپ کے سر کو جھکا کر انہوں نے آپ کی چاندی کا بوسہ لیا۔ پھر آپ اپنی منزل میں چلے آئے۔ اور آپ کی وہ گھبراہٹ وغیرہ دور ہو گئی۔

اس حدیث کے بعد بھی ایک مہمل سی ملکہ مکروہ حدیث ابن جریر نے نقل کی ہے۔ مگر مجھ کو تو سب سے معتبر کتاب جو کہی جاتی ہے صحیح بخاری دراصل اسی کی روایت کو اس وقت اپنا مرکز بحث بنانا ہے۔ اس لئے دوسری کتابوں میں اس مفہوم کی جو جو حدیثیں ہیں۔ ان کو نظر انداز کر کے یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ منافقین عجم نے تابعین و اتباع تابعین کے لباس سے اوڑھ اوڑھ کر کس کس طرح قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی ذات مبارک پر پوشیدہ حملے کئے ہیں۔

مذکورہ بالا روایات کو سامنے رکھیئے تو بادنیٰ تامل متعدد سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) کیا واقعی نبوت سے پہلے رسول اللہ صلعم نے غار حرا میں تحنث کرنا شروع کر دیا تھا؟

(۲) کیا اہل عرب یا قریش کا یہ معمول تھا کہ پہاڑوں کے غاروں میں چھپ کر تحنث یعنی عبادات الٰہی کیا کریں؟ جیسا کہ ابن جریر نے عبداللہ بن الزبیر والی حدیث کے شروع میں لکھا ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجاور فی حراء من کل سنۃ شھرا وکان ذلک مما تحنث بہ قریش فی الجاھلیۃ الخ یعنی رسول صلعم حرا میں اعتکاف کرتے تھے۔ ہر سال ایک مہینہ اور اس تحنث یا عبادت و اعتکاف کا دستور قریش میں تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں وہ کیا کرتے تھے۔

ان دونوں سوالوں کے جواب میں بطور مصادرہ علی المطلوب یہی حدیث اور اس کی کچھ متابعت میں جو الٹی سیدھی ذخائر روایات میں مل جاتی ہیں پیش کر دی جاتی ہیں۔ ورنہ رسول اللہ صلعم کی طرف جو غار حرا میں تحنث کی نسبت کر کے اس کو شہرت دی گئی ہے۔ اس کے سوا خاندان قریش میں کبھی کسی کے تحنث کی کوئی سند نہ ابن جریر نے کہیں پیش کی۔ اور نہ آج کوئی پیش کر سکتا ہے۔ تحنث تو رہبانیت کی ایک چھوٹی سی شاخ ہے۔ اس سے قریش اور اہل مکہ کو کیا سروکار؟ اگر تحنث کا یہ واقعہ صحیح ہوتا تو قرآن میں اس کی طرف کوئی اشارہ ضرور کیا جاتا۔ اور قرآن میں ایسے متعدد مقامات ہیں۔ جہاں آپ کی قبل نبوت کی گذشتہ زندگی کے بعض واقعات یا بعض اوقات یاد دلائے گئے ہیں۔ وہاں اس تحنث و تبتل کا ذکر ضرور کیا جاتا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر اور نزول وحی سے اس قدر متوحش اور خوفزدہ ہو جانا۔ اور منصب نبوت و رسالت کو آپ کا کچھ نہ سمجھنا۔ بلکہ خلعت نبوت و تشریف رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد اپنی جان کو خطرے میں سمجھنا، بلکہ اپنے کو شاعر یا مجنوں سمجھنا۔ اور دوسروں کی طعنہ زنی کی وجہ سے اپنے کو ہلاک کر ڈالنے کا ارادہ کرنا، ایک ایسی عجیب و غریب بات ہے۔ جس کو بادۂ روایت پرستی کی سرشاری ہی ہیں رنگ قبول کرتے سکتے ہیں۔ ورنہ کسی انسان کی عقل سلیم ان باتوں کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ چالیس سال کا ایک افصح العرب والعجم جو منصب نبوت و رسالت کے لئے منجانب اللہ منتخب ہو رہا ہو۔ وہ اتنا بھولا بھالا ہو کہ جن باتوں کو سن کر ایک عورت ذات سمجھ لیتی ہے۔ ان باتوں کو اس کے سمجھانے کے بعد بھی وہ نہیں سمجھتا۔ اور اتنے بڑے جلیل القدر منصب کو وہ اپنے لئے ایک مصیبت سمجھ لیتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے کو شاعر یا مجنوں سمجھ کر خیال کرتا ہے کہ اگر دوسرے لوگ میرے ان حالات کو سن لیں گے تو مجھ کو شاعر یا مجنوں کہنے لگیں گے تو قبل اس کے کہ لوگوں کو میرے حالات کا علم ہو اور لوگ مجھ کو شاعر یا مجنوں کہیں بہتر ہے کہ میں اپنے کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا کر ہلاک کر دوں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب خود نبی مرسل کو منصب نبوت و رسالت پانے کے بعد اپنے پر شاعر یا مجنوں ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ تو اگر اس کی باتیں سن کر دوسروں نے اس کو شاعر اور مجنوں کہا۔ تو وہ کس طرح قابل الزام ہو سکتے ہیں۔

(۳) بخاری کی روایت اور ابن جریر کی پہلی اور دوسری روایت میں تو یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رسول اللہ صلعم کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئی تھیں۔ اور آپ نے ورقہ کے پوچھنے پر سارا ماجرا خود اپنی زبان سے فرما کر ورقہ کو مطلع کیا

---

[1] معلوم نہیں ان چاروں فعلوں میں غائب کی ضمیر مفعول کدھر پھرے گی جب متقضائے مقام ان کو یوں ہونا چاہیئے ولیکذبنک ولیوذنک ولیخرجنک ولیقاتلنک۔ یعنی لوگ ضرور تمہیں جھٹلائیں گے اور تمہیں ضرور ایذا دیں گے۔ اور تمہیں ضرور نکال دیں گے۔ اور تم سے ضرور قتال کریں گے۔

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاج شناس رسول — یہ کون جانتا ہے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول؛ مزاج شناس کون ہیں؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۴ صفحات ——— قیمت چار روپے

مقام حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلد جن میں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

فردوس گم گشتہ — (از پرویز) ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطہ نگاہ سے۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۰۰ صفحات ——— قیمت چھ روپے

نوادرات — (از علامہ اسلم جیراج پوری) علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — (از پرویز) مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں صفحات ۱۹۲ - قیمت دو روپے

نظام ربوبیت — (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے

قیمت (قسم اول) ——— چھ روپے

(قسم دوم) غیر مجلد ——— چار روپے

اقبال اور قرآن — (از پرویز) علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ

ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات دو سو چھپن (۲۵۶) ——— قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۴۳۳۔ کراچی

تھا۔ اسے ورقہ نے جو کچھ کہا، وہ آپ ہی کو مخاطب کر کے کہا۔ مگر ابن جریر کی دوسری روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہ تنہا ورقہ کے پاس گئیں۔ اور خود آپ کا حال اپنی زبان سے ورقہ کے سامنے بیان کیا۔ پھر جو کچھ ورقہ نے کہا۔ اس کو گھر آ کر آنحضرت صلعم سے بیان کر کے۔ آپ کی تسلی و تشفی کی۔

یہ تو حدیثوں کا باہمی اختلاف باعتبار مضمون واقعہ کے ہے۔ مگر ایک پہلو اس میں اس کا بھی نمایاں ہے کہ حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی عیسائی تھے۔ تورات و انجیل کے ماہر تھے۔ سریانی زبان سے عبرانی زبان میں انجیل کا ترجمہ انھوں نے کیا تھا۔ اور انبیائے بنی اسرائیل کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ اور تھے قریشی رسول اللہ صلعم کے ہم جد اس لئے ایک کہنے والا کہہ سکتا اور سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ قرآن میں انبیائے بنی اسرائیل اور ان کی امتوں کے جو حالات مذکور ہیں۔ وہ ورقہ ہی سے سن سن کر حاصل کئے گئے ہوں۔ اور ان کو اپنی زبان میں ادا کیا گیا ہو۔ (نعوذ باللہ من تلک الشبہات)

حالانکہ سورہ ہود کے دوسرے رکوع کے آخر میں حضرت نوح اور ان کی امت کی سرگذشت بیان فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہے۔

تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ، ما تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا ، یہ محض غیب کی خبریں ہیں، جن کو نہ تم جانتے تھے نہ تمہاری قوم اس سے پہلے جانتی تھی۔ اگر واقعی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ جو حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی تھے، تورات و انجیل کے ماہر تھے۔ انجیل کا ترجمہ عبرانی زبان میں کرتے تھے۔ تو کن لوگوں کے لئے کیا۔ عرب خصوصاً مکے والے کیا عبرانی جانتے تھے۔ جن کے لئے وہ عبرانی میں ترجمہ کر رہے تھے۔ لوگ اس روایت سے کھٹک محسوس نہ کریں۔ اس لئے عربی میں ترجمہ کرنے کا ذکر نہ کیا۔ عبرانی لکھا۔ مگر جس کی مادری زبان عربی ہو۔ وہ اگر بضرورت عبرانی میں کسی کتاب کا ترجمہ کرے گا بھی تو کیا اپنی مادری زبان عربی میں دوسروں سے زبانی بیان بھی نہیں کرے گا۔؟

اس لئے کہ اگر ورقہ ابن نوفل تورات و انجیل کے ماہر تھے۔ تو یقیناً حضرت نوح اور ان کی امت کی پوری داستان سے بھی باخبر تھے۔ اور ان کی وجہ سے مکے والوں میں سے متعدد لوگ ان سے ملنے جلنے والے بھی، ان کی صحبتوں میں بیٹھنے والے بھی، ان ترجموں سے فائدہ اٹھانے والے بھی واقف ہوں گے، قرآن مجید تو صاف طور سے کہہ رہا ہے کہ نہ تم اس وحی سے حضرت نوح اور ان کی امت کے واقعات سے واقف تھے۔ نہ تمہاری قوم واقف تھی۔ مگر یہ روایتیں ارشاد فرما رہی ہیں کہ آنحضرت صلعم کے خاندان ہی کا ایک شخص یہ واقعہ اور اس قسم کے متعدد واقعے اگلی امتوں کے، جو اگلی کتابوں میں مذکور ہیں ان سے اچھی طرح باخبر موجود تھا۔ اور اس کی وجہ سے متعدد لوگ ان واقعات سے اس وحی قرآنی کے نزول کے قبل سے کم و بیش مطلع تھے۔ کیا ایسی خطرناک باتیں منافقین عجم کی من گھڑت، قرآن و رسول دونوں کی تکذیب و توہین کے لئے مخالفین کی آلہ کار نہیں بن سکتی ہیں؟ اور کیا نہیں بنی ہیں؟ یورپ کے مورخین نے کیا اسی قسم کی روایتوں سے گمراہ کن اور غلط نتائج نہیں نکالے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ان روایتوں میں ورقہ بن نوفل کا واقعہ اور رسول اللہ صلعم کا زملونی زملونی کہتے ہوئے غار حرا سے حضرت خدیجہ کے پاس آنے کا واقعہ اور حضرت خدیجہ کا آپ کی تسلی و تسکین کرنے کی داستان، اور آپ کا اپنے کو پہاڑ کی چوٹی پر سے گرانے کا ارادہ یا اپنے کو شاعر یا مجنوں سمجھنے کا بہتان۔ یہ ساری باتیں محض منافقین عجم کی ساختہ و پرداختہ ہیں۔ جس کی غرض عام لوگوں کو منصب نبوت و رسالت کے متعلق شبہات و شکوک میں مبتلا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں مسلمانوں کو روایت پرستی کے فتنے سے بچائے اور حق و باطل کے پرکھنے کی توفیق دے۔ واللہ یحق الحق بکلمتہ ولو کرہ المجرمون۔

اسلامی معاشرت

از۔ پرویز قیمت:۔ دو روپے

بی پی

ڈبل روٹی

جسم کو

توانائی

بخشتی

ہے

باب المراسلات

وسیلہ

ایک صاحب سرگودھا سے لکھتے ہیں۔

عرض ہے کہ مندرجہ ذیل آیت قرآنی کا صحیح مطلب مطلوب ہے بخصوصیت سے الوسیلہ سے کیا مطلب ہے۔ عوام، صوفیاء اسے مرشد پکڑنے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

نیز رواج ہے کہ برائے ایصال ثواب مُردے کے تیسرے دن قل کی رسم اور چالیس یوم قبر پر قرآن خوانی اور پھر چالیسواں کیا جاتا ہے۔ اسلام میں ان کی صحیح حقیقت کیا ہے؟

طلوع اسلام خدا کے متعلق اسلام نے جو بلند تصور مسلمانوں کو دیا تھا مسلمان زیادہ عرصہ تک اس سے وابستہ نہ رہ سکے اور پھر انہوں نے اپنے انہی تصورات کی طرف رجعت قہقری شروع کردی جن پر وہ ہزارہا سال سے چلے آ رہے تھے۔ اسلام سے پہلے خدا کا تصور بالعموم یہ تھا کہ خدا ایک بادشاہ ہے اور بادشاہوں سے بڑا بادشاہ۔ اس کا بھی ایک دربار ہوتا ہے جس میں وزیر، امیر، مقرب اور ندیم وغیرہ قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس نقشہ کے مطابق وہ سمجھتے یہ تھے کہ جس طرح ایک معمولی آدمی کے لئے دنیوی بادشاہوں کے ہاں بغیر ذرائع اور وسائط کے پہنچنا ممکن نہیں ہوتا ایسے ہی خدا تک بھی اس وقت تک رسائی نہیں ہو سکتی جب تک اس کے درباریوں کو ذریعہ اور واسطہ نہ بنایا جائے۔ دنیوی بادشاہ تک پہنچنے کے لئے ایک آدھ وزیر کا ذریعہ کافی ہو جاتا ہے۔ مگر خدا چونکہ بہت بڑا بادشاہ ہے۔ لہذا اس تک پہنچنے کے لئے ایک لمبی فہرست کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ سلسلہ بہ سلسلہ اپنے پیر کے ذریعہ سے پیران پیر تک رسائی حاصل کرو۔ اور ان کے ذریعہ رسول تک پہنچو، پھر وہ خدا تک پہنچائے گا۔ حالانکہ یہ تصور بنیادی طور پر قرآن کے خلاف ہے۔ خدا کے متعلق قرآن نے یہ تصور دیا ہے کہ وہ ہر بندہ کے ساتھ ہے (وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ) وہ تم سے اس قدر قریب ہے کہ خود تمہاری شہ رگ بھی تم سے اتنی قریب نہیں ہے جب کوئی پکارنے والا اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کو سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے (أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ)۔ لیکن جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ہماری پست ذہنیتیں ان بلند تصورات کو زیادہ عرصہ تک اپنا نہ سکیں اور پھر انہی پست تصورات کی طرف پلٹ گئیں۔ جن پر وہ ہزارہا برس سے چلی آ رہی تھیں۔ اتفاق سے قرآن کریم کی ایک آیت میں انہیں وَسِيلَةٌ کا لفظ نظر آ گیا۔ جو عجمی زبانوں (اردو، فارسی وغیرہ) میں ذریعہ اور واسطہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا تھا۔ انہوں نے قرآن کا لفظ لیا۔ اور اس کے معنی اپنی زبان اور اپنے استعمال کے مطابق کر کے اس پر ایک پوری عمارت کھڑی کر دی۔ وہ قرآن کی آیت یہ تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (۵/۳۵)

اے ایمان والو! قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو اور اس کی طرف "وسیلہ" حاصل کرو۔

وَسِيلَةٌ کے معنی عربی زبان میں رتبہ، درجہ، قرب، اور تعلق نیز قرب حاصل کرنے اور رغبت کے ساتھ کسی چیز کی طرف پہنچنے کے ہوتے ہیں، ذریعے اور واسطے کے نہیں ہوتے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے قوانین کی نگہداشت کرو۔ اور اس طرح اس کے ہاں مدارج و مراتب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ قرآن کریم نے بات ادھوری نہیں چھوڑی تھی بلکہ اس کا طریقہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کے ہاں مدارج و مراتب حاصل کیونکر ہوں گے۔ چنانچہ اسی آیت کا اگلا حصہ یہ ہے

وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۵/۳۵)

یعنی اس کی راہ میں جہاد کرو۔ تاکہ تمہاری کھیتیاں پروان چڑھ سکیں۔

مگر برا ہو ہماری پست ذہنی کا کہ جہاں ہم نے ابتغوا الیہ الوسیلۃ کے معنی پیر پکڑنے کے کئے۔ تو اس کے ساتھ ہی جاهدوا فی سبیلہ کے معنی میں بھی تحریف کی۔ اور اس کے معنی نفس کشی، مجاہدہ اور چلہ کشی وغیرہ کے کر لئے۔

تصوف کی ساری عمارت قرآنی آیات کی اسی طرح کی رکیک تاویلوں پر قائم ہے۔ آیت مذکورہ بالا میں وَسِيلَةٌ سے مراد خدا کے ہاں مدارج و مراتب حاصل کرنے کے ہیں۔ اور اس کا ذریعہ وہ اعمال صالحہ ہیں جو قرآنی پروگرام کے مطابق قرآنی معاشرے میں کئے جائیں۔ جس کی طرف آیت کے پہلے ٹکڑے نے خود ہی اشارہ کر دیا ہے (اتقوا اللہ) کہ خدائی قوانین کی نگہداشت کرو۔ اس کے علاوہ خدا کے ہاں مراتب حاصل کرنے کا قرآن کی رو سے کوئی ذریعہ نہیں۔ کسی انسان کو خدا تک پہنچانے کا ذریعہ سمجھنا وہ شخصیت پرستی ہے جسے مٹانے کے لئے قرآن آیا تھا۔

(۲) ایصال ثواب کے لئے "قرآنی فیصلے" صفحہ ۹۲ پر لکھا جا چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیجئے۔

مہر اور متعلقات مہر

ایک صاحب صدر کراچی سے لکھتے ہیں

(۱) کیا نکاح کے لئے مہر ضروری چیز ہے؟

(۲) کیا اس کی کوئی مقدار قرآن شریف یا حدیث کی رو سے مقرر ہے۔

(۳) اگر کوئی مقدار مقرر نہیں ہے تو کس بنا پر مقرر کیا جائے

(۴) کیا یہ لڑکے یا لڑکی کی حیثیت پر مقرر کیا جاتا ہے۔

(۵) مہر کا مقرر کرنا لڑکی یا لڑکی کے وارثوں کا حق ہے۔ یا اسمیں لڑکے یا لڑکے کے وارثوں کا بھی دخل ہے۔

(۶) عام طور پر دیہات میں ملّا یہ کہتا ہے کہ بتیس روپے چار آنے شرعی مہر ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے

(۷) کیا نکاح کے وقت مہر مقرر کرنے کے بعد کم و بیش ہو سکتا ہے اور اس صورت میں نکاح قائم رہتا ہے یا نہیں جبکہ نکاح (معاہدہ) کی یہ شرط ہو توڑ دی جائے اور پھر مقرر کیا جائے۔ مہربانی فرما کر

زندگی روشنی ہے

اور

آنکھ اس روشنی کا سرچشمہ

اس کی نگہداشت ہر انسان کا فرض اولین ہے

اس فرض کی پورے طور پر سرانجام دہی کے لئے کسی ماہر فن کا مفید مشورہ ہی آپکی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے

ایشیاٹک آپٹیکل کمپنی

وکٹوریا روڈ ——— کراچی

۷۳ ڈلہوزی روڈ ——— راولپنڈی

قرآن شریف کی رو سے ارشاد فرمائیں۔ اگر کوئی حدیث اس کے موافق یا مخالف ہو تو اس کا بھی ذکر کریں۔

طلوع اسلام | قرآن کریم کی رو سے مہر نکاح کے لئے ضروری شرط ہے۔ مہر کا لفظ تو قرآن میں نہیں آیا لیکن اس نے اس کے لئے دوسرے الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً اجور۔ صدقۃ اور متاع اور اسے مال سے تعبیر کیا ہے مثلاً سورہ نساء میں جہاں نکاح کے احکام آئے ہیں وہاں کہا۔

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ (۴/۲۴)

تمہارے لئے ان عورتوں کے علاوہ (جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) اور عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ بشرطیکہ تم انہیں اپنے مال سے طلب کرو۔ اور اس سے مقصد نکاح کی پابندیاں ہیں نہ کہ محض شہوت رانی۔

(۲) یہ مہر کسی چیز کا معاوضہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک تحفہ ہوتا ہے جسے خاوند بیوی کو پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اسی سورۂ نساء کے شروع میں ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (۴/۴)

تم عورتوں کو ان کے مہر تحفۃً ادا کرو جس طرح شہد کی مکھی بلا کسی معاوضہ کے خیال کے چھتے میں شہد جمع کر دیتی ہے۔

(۳) مہر کی کوئی مقدار قرآن نے متعین نہیں کی۔ جو رقم بھی لڑکے اور لڑکی کی باہمی رضامندی سے طے پا جائے وہی مہر ہے۔ لیکن چونکہ یہ رقم وہ ہے۔ جس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اس لئے یہ لامحالہ علیٰ قدر وسعت ہی ہو سکتی ہے۔

عَلَی الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَی الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ (۲/۲۳۶)

اور وسعت کے لحاظ سے یہ دولت کا ڈھیر بھی ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ قرآن میں ہے۔

وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا (۴/۲۰)

اگر تم نے اسے ایک ڈھیر بھی دے دیا ہو۔ تو اس سے وہ بھی واپس نہ لو۔

(۴) مہر کی ادائیگی نکاح کے ساتھ ہی ہو جانی چاہیئے لیکن قرآن کی ایک آیت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اس میں توقف ہو سکتا ہے۔ لیکن توقف کے معنے یہ ہیں کہ جب بھی عورت مطالبہ کرے اسکو ادا کرنا ہوگا۔ یہ آیت سورہ بقرہ کی ہے۔ جس میں یہ آیا ہے کہ اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو۔ قبل اس کے کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو تو اس صورت میں مقررشدہ مہر کا نصف دینا ہوگا۔ (۲/۲۳۷)

(۵) مہر عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور کسی کو حق نہیں کہ وہ اسے اس ملکیت سے محروم کر دے۔ البتہ باہمی رضامندی سے اس میں کمی بیشی بھی کی جا سکتی ہے۔ اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا (۴/۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر بطور تحفہ ادا کر دیا کرو لیکن اگر وہ بطیب خاطر اپنی طرف سے تمہیں کچھ چھوڑ دیں تو تم اسے بخوشی خوشی لے سکتے ہو۔

اسی طرح (۴/۲۴) میں بھی باہمی رضامندی سے کمی بیشی کا ذکر ہے اور (۲/۲۳۷) میں معاف کر دینے کا بھی لیکن یاد رہے کہ یہ کچھ عورت کی دل کی رضامندی سے ہوگا۔ کسی قسم کے جبر و اکراہ سے نہیں ہو سکتا۔ (۶) اگر کوئی ایسی شاذ صورت پیش آ جائے جس میں مہر مقرر نہ کیا جا سکا ہو۔ تو اسے بعد میں، لڑکے کی وسعت اور معاشرہ کے عام رواج کے مطابق مقرر کر لینا چاہیئے۔ اس کے لئے آیت (۲/۲۳۶) میں تصریح موجود ہے۔

(۷) جسے آجکل شرعی مہر یعنی بتیس روپے کہا جاتا ہے وہ محض ایک رواجی چیز ہے۔ بعض علاقوں میں اسے فاطمی مہر بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن تاریخ کی رو سے یہ بھی غلط ہے۔ تاریخی شہادت کے مطابق حضرت فاطمہؓ کا مہر قریب چار سو اسی درہم تھا۔ جو بتیس روپے سے کہیں زیادہ بیٹھتا ہے بہرحال جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے قرآن نے اس کی کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے۔ باقی رہے وہ لوگ جو نہایت فخر سے لاکھ روپے کا مہر باندھتے ہیں اور یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسے دینا تو ہے ہی نہیں تو وہ لوگ خدائی حکم سے مذاق کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلعم کی ایک حدیث ہے کہ جو شخص مہر باندھے اور نیت یہ رکھے کہ اسے ادا نہیں کرنا، تو وہ زانی ہے۔

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ نرخنامہ اشتہارات و تفصیلات ناظم ادارہ شعبہ اشتہارات سے حاصل کیجئے

ناظم ادارہ طلوع اسلام
پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ ـــــــ کراچی

سوئیں ننانوے

اشخاص یا ح باسوری تبخیر معدہ (معدہ میں گیس پیدا ہونا) کے مریض ہیں۔ پاخانہ صاف نہ ہونا۔ تمام جسم میں درد۔ سر میں چکر۔ بھوک غائب ہضم خراب۔ طبیعت میں بے چینی۔ سینے میں جلن۔ خون میں کمی اور نزلہ رہنا۔ اس مرض کی عام شکایات ہیں اس مرض کا حب باسوری اور جوہر ہضم (مکمل کورس) سے زیادہ زود اثر کوئی دوسرا علاج نہیں۔ یہ تمام شکایات کو دور کر کے تندرستی اور توانائی بخشتا ہے قیمت مکمل کورس تین روپے آٹھ آنے۔ طبی علمی ماہنامہ دردمند کراچی سالانہ چندہ ایک روپیہ بھیجکر خریدار بنئے۔

دردمند دواخانہ۔ فریر روڈ۔ کراچی　فون نمبر ۳۰۴۴۱

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراج انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے تقریباً نو سو صفحات۔ عمدہ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط جلد بمع گرد پوش قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم (از پرویز) سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظرثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم جنات ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات ـــــــ قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستور پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ـــــــ قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) نوجوانوں کے دلوں میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات ـــــــ قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۴۰۰ صفحات ـــــــ قیمت چار روپے

اسباب زوال امت (از پرویز) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات　قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات میں جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی مسخ ہوئی تاریخ ۱۴۰ صفحات　قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۔ کراچی

بین الاقوامی جائزہ

(صفحہ ۶ سے آگے)

سے جو پاسپورٹ جاری ہونگے. وہ روس اور ان مشرقی ممالک کے لئے کارآمد ہوں گے جن سے امریکہ کے تعلقات ہیں. اب تک امریکیوں کو ان ممالک میں آنے جانے کی اجازت نہیں تھی امریکی حکومت کی دلیل یہ ہے کہ اتنے خطرہ تھا کہ کمیونسٹ علاقے میں اس کا شہری محفوظ نہیں. ڈلیز نے اس فیصلہ کا اعلان کر کے یہ مطالبہ کیا ہے کہ روس آہنی پردے کو ہٹائے. اور اندرون ملک آنے جانے کی آسانیاں مہیا کرے نیز امریکی اطلاعات کو اپنے ہاں نشر ہونے دے اور خود امریکہ میں اس قسم کے مراکز قائم کرلے. یہ تجویز بڑی اہم ہے اور اگر واقعی اس پر سمجھوتہ ہو جائے تو امریکہ اور روس میں جو لُجد پایا جاتا ہے. اس کے ارتفاع کی مناسب صورت پیدا ہو سکتی ہے لیکن بدقسمتی سے جو لجد پایا جاتا ہے. وہی اس راہ میں حائل ہوگا اور اس پر مفاہمت خارج از بحث بنائے گا۔

معاہدہ سیٹو جس میں پاکستان سمیت آٹھ ممالک شریک ہیں. ان معنوں میں لباس عمل نہیں پہن سکا کہ اس کے تحت کوئی فوجی تنظیم ابھی تک معرض وجود میں نہیں آسکی حالانکہ خیال یہ تھا کہ یہ معاہدہ ناٹو کی طرز کا ہوگا. پچھلے دنوں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ کوئی مشترکہ فوجی تنظیم تشکیل نہیں کی جائے گی. لیکن اب اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں تھا. ہالز مولو میں ان دونوں معاہد ممالک کے فوجی مشیر مصروف گفتگو ہیں. وہ اپنی سفارشات مکمل کر کے جنوری میں سیٹو کونسل کے سامنے پیش کریں گے اگر واقعی فوجی تنظیم کا فیصلہ کر لیا گیا تو اس معاہدے میں جان پڑ جائیگی اور مشرق بعید کا دفاعی خلاء پُر ہو جانے کی امید ہو جانے گی اس سے پاکستان کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوگا. لیکن یہ اضافہ اس کا ثبوت ہوگا کہ پاکستان کی پوزیشن اس علاقے میں کتنی اہم ہے۔

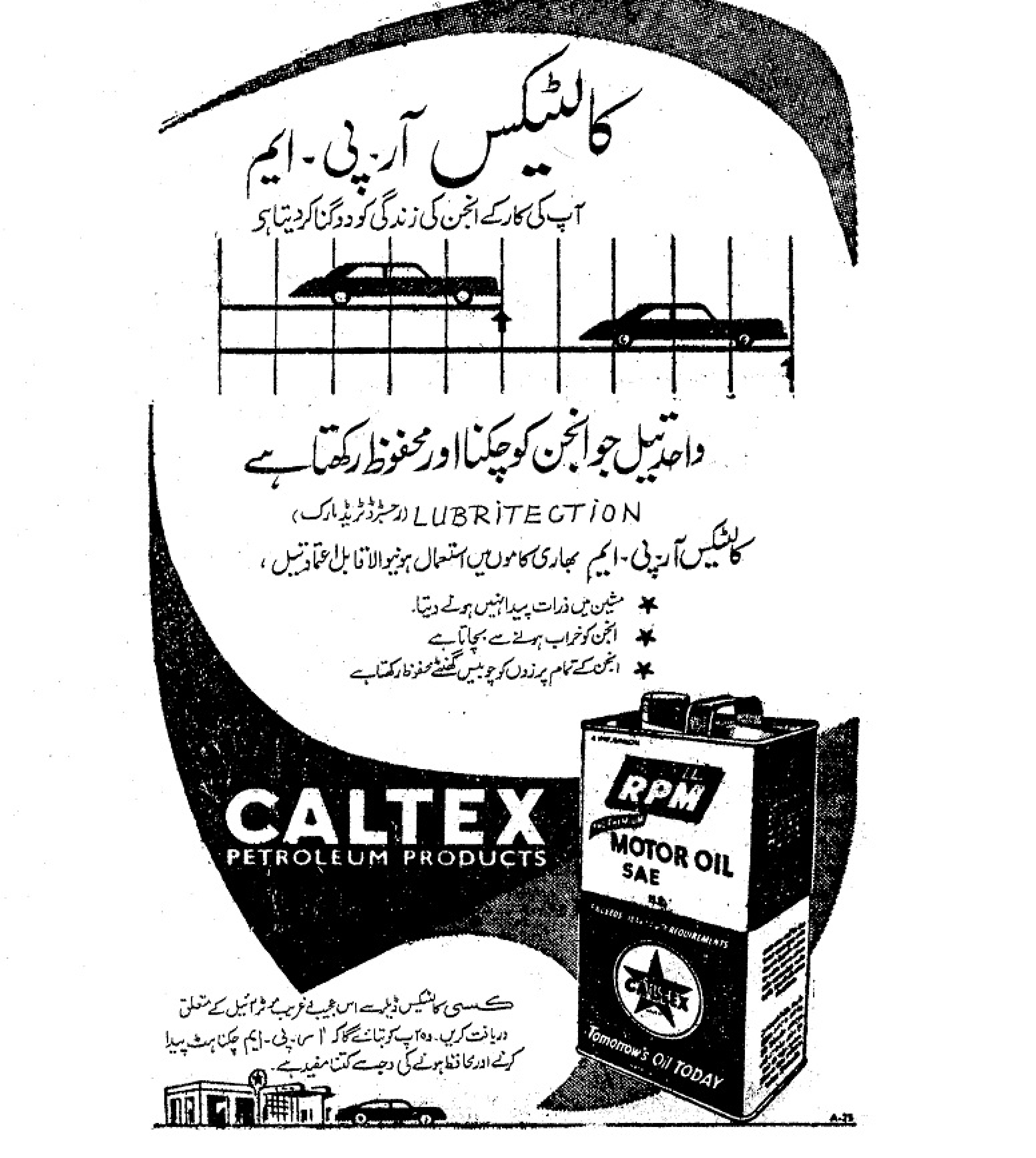

اعجاز القرآن

از علامہ تمنا عمادی مدظلہ

جس میں مختلف جہات سے قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کی چند اقساط ماہوار طلوع اسلام میں آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں۔ ناظرین کے مسلسل اصرار پر اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

جن حضرات کی رقم ادارہ کے پاس جمع ہے انہیں آرڈر دینے کی ضرورت نہیں ان کی خدمت میں یہ کتاب نومبر کے پہلے ہفتہ میں خود بھیجدی جائیگی۔ البتہ ان میں سے جو حضرات یہ کتاب نہ منگانا چاہیں وہ ۱۵ نومبر سنہ ۱۹۵۵ء تک مطلع فرمادیں۔

سائز ۸/۳۰×۲۰ ضخامت ۱۱۲ صفحات
قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے
علاوہ محصول ڈاک

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم)
دو روپے۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ)
دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ہے۔ ابلیس کیا ہے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ہے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶　قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ہے اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات　قیت دو روپے

قرآن کی رو سے

تربیت نفس صرف اس معاشرہ میں ہوسکتی ہے جس میں تمام افراد ربوبیت عامہ کیلئے مصروف جدوجہد رہیں۔

اس کے نزدیک اعمال حسنہ

کے زندہ نتائج اس دنیا کی خوش حالیوں اور خوش گواریوں کی شکل میں سامنے آجاتے ہیں۔ جن

اعمال کا نتیجہ

اس دنیا کی کامرانی نہیں وہ قیامت

میں بھی کوئی وزن نہیں رکھتے

لہذا

تربیت نفس

ساپنے کا پیمانہ یہ ہے کہ

ہماری دنیا کسقدر حسین بنچکی ہے۔

کیا ہماری دنیا واقعی حسین بن سکتی ہے؟

اس کیلئے ملاحظہ کیجئے۔

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

دور حاضرہ کی عظیم کتاب

قسم اول - کاغذ سفید کرنا فلی - جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے -

قسم دوم - کاغذ میکانیکل - صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 207/A, P. E. C. H. Society, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوعِ اسلام کراچی

جلد نمبر ۸ شمارہ ۴۲	کراچی : ہفتہ ـ ۱۹ نومبر ۱۹۵۵ء	قیمت چھ آنہ سالانہ پندرہ روپے

قرآن نے کیا کہا؟

گزشتہ اقساط میں بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کا مقصود ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ہے جس میں انسان جنت کی زندگی بسر کر سکے ـ اس کے بعد یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس معاشرے کی ابتدا ان لوگوں کے ہاتھوں سے ہوگی جو اس کے ان دیکھے نتائج پر یقین محکم رکھینگے ـ قرآن نے بتایا ہے کہ یہ راستہ بہت دشوار گزار ہے ـ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی پہاڑ پر چڑھ رہا ہو ـ آہستہ آہستہ ـ قدم قدم ـ ٹھہر ٹھہر اور رک رک کر اس کے لئے پاؤں میں قوت سینے میں دم اور دل میں حوصلہ ہونا نہایت ضروری ہے ـ یہی وجہ ہے کہ عام انسان اس دشوار گزار اور کٹھن راستے پر چلنے کی ہمت نہیں کرتے ـ فلا اقتحم العقبۃ (۹۰/۱۱) اس کے بعد وہ خود ہی کہتا ہے کہ وما ادراک ما العقبۃ (۹۰/۱۲) ـ یہ دشوار گزار راستہ کیا ہے؟ یہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے سے مفہوم کیا ہے؟ فک رقبۃ ـ (۹۰/۱۳) یہ راستہ وہ ہے جس میں انسان کو ان زنجیروں سے رہا کرایا جاتا ہے جن میں مفاد پرست اور مستبد قوتیں اسے جکڑ دیتی ہیں ـ یا معاشی بد حالی کے زمانے میں جب بھوک اور مشقت عام ہو جائے ان ناداروں اور بے کسوں کی روزی کی فکر کرنا جو معاشرے کے دیگر افراد کے قریب ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو تنہا محسوس کریں ـ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ (۹۰/۱۴-۱۵) ـ یا ان مزدوروں کی بہبود کا انتظام کرنا جنہیں ہمیشہ مٹی میں لت پت رکھا جاتا ہے ـ او مسکینا ذا متربۃ (۹۰/۱۶) ـ

طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

۱. ضابطۂ قوانین جو انسانی زندگی کے مسائل کا حل [illegible] وحی کی صورت [illegible]

۲. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں [illegible] اس لئے نوعِ انسانی [illegible] منزل من اللہ [illegible] ختم ہو چکا ہے۔

۳. حق و باطل کا معیار قرآن ہے ـ ہر وہ بات جو قرآن کے خلاف ہو [illegible] غلط ہے۔

۴. حضور نبی اکرم انسانیت کے بلند ترین مقام پر [illegible] لیکن [illegible] تاریخ [illegible] حضور کی سیرت [illegible] ہماری [illegible] کا معیار خود قرآن کریم ہے۔

۵. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان [illegible] افراد ہیں [illegible] تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶. اس نظام [illegible] زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں [illegible] یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشو و نما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد [illegible] ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا [illegible] تمام نوعِ انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۸. ربوبیت [illegible] کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے [illegible] کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے مطابق ہو [illegible] اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے قرآنی نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

اسلام کے نام پر [illegible] پاکستان میں [illegible] قرآنی نظامِ ربوبیت نافذ ہو جائے [illegible] روشنی میں [illegible] صلاحیتوں کی کامل نشو و نما [illegible]

اگر آپ طلوعِ اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوعِ اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ مخلوط انتخاب ★ کشمیر کانفرنس ★ تخریبی عناصر ★ جوش ملیح آبادی ★ ہند و چین بھائی بھائی
★ ریڈیو پاکستان ★ پارٹی بازی ★ تاریخی شواہد ★ مجلس اقبال ★ اسلام کی سرگزشت
★ انڈونیشیا ★ درس بخاری ★ حقائق و عبر ★ بین الاقوامی جائزہ ★ نقد و نظر

As. -/6/-

TOLU-E-ISLAM

Its stand is that :-

1. Human intellect by itself cannot seek a solution of the problems of life—it needs for the purpose the help of REVELATION in the same manner as the eye needs light for seeing.

2. REVELATION in its complete and final form is preserved in the Quran and without Quranic guidance humanity cannot attain its destiny.

3. The criterion for judging Right and Wrong is the Quran — what accords with it is Right, what is opposed to it is Wrong.

4. Our Prophet lived a life strictly in accordance with the Quran and was perfect model of human character, but alien influences introduced in our chronicles damaging matter which is and must be held to be a fabrication irrespective of where it is found.

5. According to Quran all men living on the earth essentially belong to one brotherhood which can be brought about by subjecting them all to one and the same law.

6. Quran gives the basic laws, within the four corners of which men of every age are free to determine, by mutual consultation, subsidiary laws to suit the requirements of their time; the subsidiary laws, called SHARIAT, being liable to change from age to age but the Quranic fundamentals are permanent and unchangable.

7. Quran envisages a Social Order in which every individual will have his basic needs satisfied and his latent potentialities fully developed.

8. For the establishment of the Quaranic Social Order the essential requirement is that the means of production should cease to be in the possession of individuals and be placed in charge of the Order so that the produce could be doled out to one and all according to one's needs and no man should feel dependant on another man.

ITS AIM IS that the Quranic Social Order should be established initially in Pakistan and thereafter in the whole world whereby the latent potentialities of every individual should have a chance to develop fully and the entire earth should shine brilliantly under the halo of Divine Light.

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
ہفتہ وار
طلوعِ اسلام
جلد ۸ — ہفتہ ۱۹ نومبر ۱۹۵۵ء — نمبر ۴۲

مخلوط انتخاب

دگر از سرگرفتم قصۂ زلفِ چلیپا را

"دنیا میں بعض حقیقتیں افسانوں سے بھی زیادہ تحیر انگیز ہوتی ہیں"

جو حضرات طلوعِ اسلام کے دورِ اول (۱۹۳۸ء) سے اس کا مطالعہ کرتے چلے آرہے ہیں وہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ اُس زمانہ میں ایک ہی مسئلہ تھا جس کے گرد ہمارے فکر و عمل کی پوری دنیا گردش کرتی تھی۔ وہ مسئلہ تھا متحدہ اور جداگانہ قومیت کا۔ ہندوؤں (اور اُن کے ہمنوا مسلمانوں) کا نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگ ایک ہی قوم کے افراد ہیں کیونکہ قومیت کا مدار وطن کا اشتراک ہے۔ اس کے برعکس جمہور مسلمانوں کا (جنہیں تحریکِ پاکستان کا داعی کہا جاتا تھا) دعوےٰ یہ تھا کہ

بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

اسلام میں قومیت کا مدار وطن۔ رنگ۔ نسل۔ زبان وغیرہ کا اشتراک نہیں۔ بلکہ آئیڈیالوجی کا اشتراک ہے۔ جو لوگ اسلامی نظریۂ حیات پر ایمان رکھتے ہیں وہ ہندوستان (یا دنیا کے کسی حصہ) میں بستے ہوں، ایک قوم کے افراد ہیں، اور ان کے برعکس جو لوگ کسی اور آئیڈیالوجی پر یقین رکھتے ہوں وہ دوسری قوم کے افراد۔ یہی بنیادی مسئلہ تھا جو وہاں مابہ النزاع تھا اور یہی وہ اصولی اور اساسی اختلاف تھا جس پر وہاں کی سیاست کی پوری عمارت استوار ہوئی تھی۔ یہی اختلاف ہمارے مطالبۂ پاکستان کی بنیاد تھی۔ اور قومیت کا یہی تصور ہمارے جداگانہ مملکت کے دعوے کی دلیل۔ ہمارے اس دعوے نے ساری دنیا کی نگاہوں کو ہماری طرف پھیر دیا تھا اس لئے کہ ہمارا یہ معیارِ قومیت، باقی دنیا کے ہر مسلمہ معیارِ قومیت کے خلاف تھا۔ اسی اصل کی ایک اہم شاخ تھی جو مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے سوال کی شکل میں بار بار سامنے آتی تھی۔ متحدہ قومیت کے حامیوں کا دعوےٰ تھا کہ ہندوستان کا ہر باشندہ، بلا تخصیص مذہب و ملت، جسے چاہے اپنا نمائندہ منتخب کرلے۔ لیکن اس کے برعکس، مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے مدعیوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ اصولاً غلط ہے کہ مسلمانوں کا نمائندہ کوئی غیر مسلم ہو۔ لہٰذا مسلمان رائے دہندگان صرف مسلمان امیدوار کو ووٹ دے سکتے ہیں اور غیر مسلم، غیر مسلموں کو۔ گویا نظریۂ قومیت کی عملی تعبیر اُس زمانے میں، مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے سوال کی شکل میں سامنے آیا کرتی تھی۔

جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے ہمارے اس مطالبہ کا غیر مسلموں کے لئے وجۂ تعجب ہونا تو چنداں مستبعد نہ تھا لیکن تحیر یہ تھی کہ خود مسلمانوں کا ایک گروہ بھی اس کا مخالف تھا۔ اس گروہ میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو محض اپنے پیشِ نظر مفادات کی خاطر اس نظریہ کی مخالفت کرتے تھے لیکن بعض ایسے بھی تھے جن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ مذہب کو قومیت سے کیا تعلق؟ اس لئے کہ صدیوں سے انہیں یہ بتایا جارہا تھا کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان نجی تعلق کا نام ہے اور اس سے مقصد ہے "نجات حاصل کرنا"۔ لہٰذا مذہب کو سیاست سے کیا واسطہ؟ یہ سعادت طلوعِ اسلام کے حصہ میں آئی تھی کہ وہ اول الذکر گروہ کی مفاد پرستیوں کے پردوں کو چاک کرے اور آخر الذکر طبقہ کو بدلائل واضح سمجھائے کہ اسلام دنیا کے مذاہب کی طرح ایک مذہب نہیں۔ بلکہ ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور اس کی تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اپنی مخصوص آئیڈیالوجی کی بنا پر، ایک جداگانہ ملت (قوم) کی تشکیل کرتا ہے۔

ہندوستان میں ہماری یہ جنگ قریب دس سال تک مسلسل جاری رہی۔ تا آنکہ ۱۹۴۷ء میں، انگریز اور ہندو دونوں نے ہمارے اس مطالبہ کو تسلیم کیا اور اس کا نتیجہ پاکستان کی جداگانہ مملکت کی شکل میں ہمارے سامنے آگیا، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ طلوعِ اسلام کے لئے یہ کامیابی صرف اس لئے وجۂ صد مسرت نہ تھی کہ اس سے مسلمانانِ پاکستان کو ایک الگ سلطنت مل گئی بلکہ اس لئے کہ اس سے قرآن کا وہ انقلابی نظریہ، جسے اس نے چودہ سو سال پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا لیکن اسے خود مسلمانوں نے بھی پسِ پشت ڈال رکھا تھا، ایک بار پھر محسوس و مشہود شکل میں دنیا کے سامنے آگیا اور نسل اور وطن کی خود ساختہ چار دیواریوں میں محبوس قوموں نے اپنی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کرلیا کہ آئیڈیالوجی کی بنا پر قومیت کی تشکیل اس طرح ہوا کرتی ہے۔

تشکیلِ پاکستان کے اس پس منظر میں آپ سوچئے کہ کیا کسی شخص کے حیطۂ قیاس (خیال و گمان و وہم) میں بھی یہ بات آسکتی تھی کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اس پاکستان سے یہ آواز اٹھے گی۔ اور اٹھے گی بھی انہی مسلمانوں کی طرف سے جنہوں نے جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے دعوے پر پاکستان کو حاصل کیا تھا کہ یہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مخلوط انتخاب ہونا چاہیئے۔ لیکن ہماری بدبختی کا کیا علاج کہ آج اسی پاکستان میں یہ آواز اٹھ رہی ہے اور سُنا یہ جارہا ہے کہ اس کی کوشش ہو رہی ہے کہ اس "اصول" کو پاکستان کے زیرِ تدوین دستور کا جزو بنا دیا جائے۔ یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً یہ ہے وہ حقیقت جو افسانہ سے بھی بڑھ کر تحیر انگیز ہے۔ یقین مانئے، ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ ان ذہنوں کے متعلق کیا کہا جائے جن میں مخلوط انتخاب کا یہ باطل اندروز تصور پیدا ہوا۔ ان زبانوں کے متعلق کن الفاظ میں گفتگو کی جائے جنہوں نے اس اسلام سوز نعرے کو آگے پھیلایا اور ان ہاتھوں کا ذکر کس انداز سے کیا جائے جو اس زہر آلود خنجر کو سینۂ ملت میں پیوست کرنے کے لئے یوں بے باکانہ اٹھ رہے ہیں!!

چہ گویمت ز مسلمانِ نامسلمانے
کہ گرچہ پور خلیل است آزری داند

"مخلوط انتخاب" کا سوال اگرچہ بظاہر ایک معمولی سے مسئلہ اور معصوم سے سوال کی شکل میں سامنے لایا جارہا ہے، لیکن ان حقائق کی روشنی میں جن امور کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، یہ درحقیقت وطنیت کی بنا پر مسلم و غیر مسلم کے امتزاج کا وہ تخمِ خبیث ہے جس سے متحدہ قومیت کا شجرۂ زقوم پیدا ہوگا۔ وہی جہنمی پیڑ جسے اسلام نے جڑوں سے اکھیڑ کر پھینکا تھا اور جس کی شاخوں اور پتوں کو ہم نے تحریکِ پاکستان کے دوران میں گنگا کی لہروں میں بہا دیا تھا۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ گنگا کی لہریں اسے خلیج بنگال میں لے جائیں گی اور اسے وہاں سے لاکر پھر حریمِ کعبہ میں گاڑنے کی کوششیں کی جائیں گی۔

جن لوگوں کے سامنے اپنے ذاتی مفاد یا سیاسی مصالح ہیں (اور یہ بھی درحقیقت ذاتی مفاد ہی کا دوسرا نام ہے) ان سے تو ہمیں کچھ کلام نہیں۔ لیکن جن لوگوں کے دل میں اسلام کی تعلیم کا کچھ بھی احترام اور خدا اور رسول کے فرمودات کا کچھ بھی پاس ہے ہم ان سے گزارش کریں گے کہ وہ غور کریں کہ دین کی رُو سے جو دعوت شروع سے اخیر تک آتی رہی، اس کا اصل الاصول اور

قدرِ مشترک کیا تھی؟ آپ کو یہ حقیقت قرآن کے ایک ایک صفحہ پر ثبت نظر آئے گی کہ یہ قدرِ مشترک یہ تھی کہ حضرات انبیاء کرامؑ اپنی آسمانی تعلیم (آئیڈیالوجی) کی بنا پر ایک الگ جماعت کی تشکیل کرتے تھے۔ یہ حضرات اپنی اپنی قوم کی طرف آتے۔ اپنے اہلِ وطن (اور بعض حالات میں خود اپنی برادری، خاندان اور اعزہ و اقربا) تک اپنی دعوت پہنچاتے۔ ان میں جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے وہ ایک جداگانہ اُمت کے افراد قرار پاتے۔ جو اس سے انکار کرتے وہ، وطن، نسل، زبان، خاندان، برادری، قرابت کے اشتراک کے باوجود، ایک جداگانہ قوم کے افراد بن جاتے۔ (جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے) اس اصولی نظریۂ قومیت کی بنیاد، روزِ اول ہی سے رکھدی گئی تھی جب حضرت نوحؑ سے کہا گیا تھا کہ تیرا بیٹا بیشک ——— (BIOLOGICALLY) تیرا بیٹا ہے، لیکن چونکہ وہ دعوتِ خداوندی کو قبول کر کے تمہاری جماعت میں شامل نہیں ہوا، اس لئے وہ تمہارے "اہل" میں سے نہیں ہو سکتا۔ اسی حقیقت کا اعلان تھا جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے ان الفاظ میں کہا کہ جب تک تم خدا پر ایمان نہیں لاتے، میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہ سکتا۔ یہی وہ اصول تھا جس کی بنا پر حضرت لوطؑ کی بیوی کا شمار غیروں میں ہو گیا، لیکن فرعون کی مومنہ بیوی کا ذکر "اپنوں" کی طرح کیا گیا۔ اسی قانون کی رُو سے، قارون (بنی اسرائیل کا ہم قوم ہونے کے باوجود) غیر کہلایا، اور ساحرینِ قومِ فرعون، خدا پر ایمان لانے کے بعد، یگانے بن گئے۔ یہی وہ آسمانی تعلیم تھی جس کا مکمل مظاہرہ نبی اکرمؐ کے عہدِ ہمایوں میں اس طرح ہوا کہ روم کا صہیبؓ۔ فارس کا سلمانؓ۔ حبش کا بلالؓ جیسے غیر ملکوں اور دوسری قوموں کے افراد تو رسول اللہؐ کی اپنی قوم کے جزو بن گئے۔ لیکن مکہ کے ابوجہل اور ابولہب، کا شمار غیروں اور بیگانوں میں ہو گیا۔ حالانکہ ان سے صرف اشتراکِ وطن ہی کا تعلق نہیں تھا، اشتراکِ خون کا بھی تعلق تھا۔ یہاں تک کہ بدر کی لڑائی میں رسول اللہؐ کے چچا، عباس اور داماد، ابوالعاص تک بھی صفِ مقابل میں کھڑے تھے۔ رسول اللہؐ نے ایک مملکت بنائی اور ایک حکومت قائم کی تھی۔ آپ غور کیجئے کہ کیا اس مملکت کے اربابِ حل و عقد میں کوئی ایک غیر مسلم بھی شریک تھا اور اس حکومت کے کارپردازان کے انتخاب میں ان میں سے کسی کو بھی ووٹ دینے کا حق حاصل تھا؟ کیا خلفائے راشدین، "مخلوط انتخاب" کی رُو سے منتخب ہوتے تھے اور کیا مدینہ کی پارلیمان (مجلس شوریٰ) میں غیر مسلم بھی شریک ہوا کرتے تھے؟ قرآن نے اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی پوزیشن کو اس قدر واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے جن کے لئے کسی تشریح و تفسیر کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اس نے کہا ہے کہ ان غیر مسلموں کی جان، مال، عزت عصمت، حتیٰ کہ ان کی عبادت گاہوں تک کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہے وہ ہر قسم کے نیک سلوک اور عمدہ برتاؤ کے مستحق ہیں۔ نوعِ انسانی کے افراد ہونے کے جہت سے، ان کی پرورش اور نشوونما، اسلامی معاشرہ کا فریضہ ہے۔ وہ ان تمام حقوق کے حقدار ہیں جو اسلام کی رُو سے ایک انسان کو حاصل ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا کہ چونکہ تمہارا نظامِ مملکت ایک مخصوص آئیڈیالوجی پر مبنی ہے، اس لئے جو لوگ اس آئیڈیالوجی پر یقین نہیں رکھتے، اس نظام کے کل پرزے نہیں بن سکتے۔ چنانچہ اس کے لئے اس نے واضح الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ

> مسلمانو! ایسا ہرگز نہ کرو کہ اپنوں کے سوا کسی اور کو اپنا ہمراز اور معتمد بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے وہی انہیں اچھی لگتی ہے۔ ان کے بعض مفسدے تو ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن جو کچھ ان کے دل میں چھپا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تم سے واضح طور پر بات کہدی ہے بشرطیکہ تم عقل و فکر سے کام لو۔
>
> تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم ان سے دوستی جتاتے پھرتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی دوست نہیں رکھتے۔ تم (اللہ کی طرف سے جتنی کتابیں بھی نازل ہوتی رہی ہیں)، ان سب پر ایمان رکھتے ہو (اس لئے لامحالہ تمہارے دل میں ان کی کتابوں کا بھی احترام ہے) لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہدیتے ہیں کہ ہم بھی ان باتوں کو مانتے ہیں لیکن جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف جوشِ غضب میں اپنی انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ (اے رسول تم ان سے) کہدو کہ تم جوشِ غضب میں اپنی انگلیاں ہی کیوں کاٹتے ہو، جاؤ اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ اللہ وہ کچھ جانتا ہے جو انسانوں کے سینے میں چھپا ہے۔
>
> اگر کوئی بات ایسی ہو جائے جو تمہارے بھلے کی ہو تو وہ ان کے لئے موجبِ غم ہوتی ہے اور اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو بہت ہی خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم اپنے پروگرام پر مستقل مزاجی سے جمے رہے اور قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کی تو ان کا مکر و فریب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ خدا (کا قانونِ مکافات) ان کے تمام اعمال کو محیط ہے۔ (۳/۱۱۸-۱۱۹)

اور آگے بڑھئے، سورۂ مجادلہ میں ہے۔

> جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم کبھی نہ دیکھو گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوست داری کے تعلقات رکھیں جو اللہ اور رسول کے خلاف ہوں، خواہ وہ ان کے باپ بیٹے، بھائی یا کنبہ کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ . . . . (۵۸/۲۲)

سورۂ ممتحنہ میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ

> تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے رفقائے کار کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے (برملا) کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جن کی تم خدا کے سوا محکومیت اختیار کئے ہوئے ہو، ان سے بیزار ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ تعلقات سے انکار کرتے ہیں۔ تمہارے اور ہمارے درمیان عداوت اور نفرت ہمیشہ کھلی کھلی رہیگی۔ تا آنکہ تم بھی (ہماری طرح) خدا پر ایمان نہ لاؤ۔ (۶۰/۴)

اور اس کے بعد پھر تاکید ہے کہ

> اے مسلمانو! تم ان لوگوں کو کبھی اپنے دوست نہ بنانا جو غضبِ خداوندی کے مستحق ہیں (۶۰/۱۳)

قرآن نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان لوگوں سے دوستداری کے تعلقات رکھنے سے کیوں منع کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ

> وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ . . . . (۴/۸۹)
>
> یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ خود کافر ہوئے ہیں تم بھی کافر بن جاؤ اور اس طرح تم دونوں برابر ہو جاؤ۔

یہ حقائق کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ احکام صرف حضرت ابراہیمؑ یا نبی اکرمؐ کے زمانے کے غیر مسلموں سے متعلق تھے۔ یا ہمارے دور کے غیر مسلموں پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے؟ بلکہ اب تو یہ کہنا چاہیئے کہ کیا یہ احکام صرف تحریکِ پاکستان کے زمانے تک ہی محدود تھے (کیونکہ اس زمانہ میں انہی احکام کو جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے حق میں بطور دلیل پیش کیا جاتا تھا) یا تشکیلِ پاکستان کے بعد بھی ان کا نفاذ باقی ہے؟ ظاہر ہے کہ جو شخص ان احکام کو خدا کے احکام سمجھتا ہے۔ وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ صرف اس زمانے سے متعلق تھے، اب منسوخ ہو چکے ہیں۔ یا غیر مسلموں کی جس ذہنیت کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔ وہ اسی زمانہ تک کے لوگوں تک محدود تھی۔ ہمارے زمانہ کے غیر مسلموں کی ایسی ذہنیت نہیں۔ وہ تو یقیناً یہی کہے گا۔

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسداللّٰہی، وہی مرحبی وہی عنتری

لہٰذا جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر اس تبدیلی کے کیا معنی کہ تحریکِ پاکستان کے دوران میں تو مسلموں اور غیر مسلموں کا مخلوط انتخاب، اسلام کی تعلیم کے یکسر خلاف تھا۔ اور آج وہی انتخاب عین مطابق دین ہے؟

"یاد رکھئے! قرآن کی رُو سے ایک اسلامی حکومت میں مخلوط انتخاب، تو ایک طرف، غیر مسلموں کو اسلامی دستور و قوانین کی مجلس شوریٰ میں بھی شریک نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی انہیں کسی ایسے کلیدی مقام پر رکھا جا سکتا ہے، جہاں وہ اس نظام کے ہمراز و معتمد بن جائیں۔ یہ قرآن کا کھلا کھلا فیصلہ ہے۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہم اس مقام پر اس حقیقت کو ایک بار پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ اس سے نہ غیر مسلموں کی کوئی توہین مقصود ہے۔ نہ کوئی تنقیص۔ اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جب کوئی مملکت آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر متشکل ہوگی تو لامحالہ اس کی پوزیشن یہی ہوگی۔ کہ اس کے آئین و قوانین سازی کے امور میں ایسے لوگ شریک

نہیں ہوسکیں گے۔ جو اس آئیڈیالوجی پر یقین نہیں رکھیں گے۔ اور نہ ہی ان کا ان لوگوں کے انتخاب اور تعین میں کوئی ہاتھ ہوگا۔ جو ان امور کو سرانجام دیں گے۔ قرآن نے امرھم شوریٰ بینھم میں بینھم کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ ایسی مملکت کے امور ان لوگوں کے اپنے مشوروں سے طے پائیں گے۔ کوئی غیر اس میں شریک نہیں ہوسکے گا۔

ان حقائق کی روشنی میں، ہماری مجلس آئین ساز کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ اگر اس کے ارکان پاکستان کے لئے ایسا دستور مرتب کرنا چاہتے ہیں، جو فی الواقع، اسلامی ہو تو انھیں غیر مسلموں کی اس پوزیشن کو دستور میں واضح اور متعین کرنا ہوگا۔ لیکن اگر ان کے مصالح یا قلبی میلانات دعواطف، یا اس قسم کے غلط خیالات (جو محض کمزوری پر مبنی ہوتے ہیں) کہ یہ تو بڑی تنگ نظری ہے۔ اس سے ہندو ناراض ہوجائیں گے۔ اور دنیا کیا کہے گی۔ انھیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ تو انھیں اس کا اعلان کر دینا چاہئے کہ ہمارا آئین دنیا کے دوسری قوموں کے آئین و دساتیر جیسا ہوگا۔ اسلامی نہیں ہوگا۔ لیکن اگر انھوں نے اپنی موجودہ روش کو قائم رکھا کہ اٹھتے بیٹھتے، اسلامی دستور کے الفاظ بھی رٹتے رہے۔ اپنی تقریروں اور تحریروں کو قرآن کی آیات اور رسول اللہ کی احادیث سے مزین بھی کرتے رہے۔ لیکن دستور میں مخلوط انتخاب جیسے غیر اسلامی تصورات کو ٹھونس دیا گیا تو ہم واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ان کی یہ روش زیادہ عرصہ تک چل نہیں سکیگی۔ اس لئے کہ یہ باتیں کوئی جزئی اور فرعی نہیں کہ جن کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ خیر! ہم رفتہ رفتہ اس انتہائی منزل تک جا پہنچیں گے۔ یہ بنیادی اور اصولی مسائل ہیں جن میں کسی صورت میں بھی مفاہمت (COMPROMISE) نہیں ہوسکتی۔ یہی (متحدہ قومیت کا) وہ سوال تھا۔ جس کے ضمن میں اس حکیم الامت نے جس نے قوم کو پاکستان کا تصور دیا تھا، حسین احمد صاحب مدنی سے برملا کہہ دیا تھا۔

"اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا"

لہٰذا اگر آپ یہ سمجھیں کہ آپ اسلام کے اصولوں سے انحراف کے باوجود جس دستور کو اسلامی کہہ کر مرتب کریں گے، قوم اسے اسلامی سمجھ کر سر آنکھوں سے لگالے گی، تو یہ آپ کی بھول ہے ایسے مقام پر اقبال کی ہمنوائی میں یہ کہنے والے اب بھی موجود ہیں کہ

غلام جز رضائے تو نجویم !!
جز آں راہے کہ فرمودی نپویم
ولیکن گر بہ ایں ناداں بگوئی !!
خرے را اسپ تازی گو، نگویم

کشمیر کانفرنس

محترم وزیر اعظم کی یہ تجویز کہ مسئلہ کشمیر کا مناسب حل تلاش کرنے کے لئے ملت کے ارباب فکر و تدبر سے مشورہ کیا جائے اب عملی پیکر اختیار کر رہی ہے۔ چنانچہ اس مجلس مشاورت کے انعقاد کی تاریخیں مقرر ہوگئی ہیں۔ اور جن حضرات کو دعوت شرکت دی گئی ہے۔ ان کی فہرست بھی منظر عام پر آگئی ہے ہماری دلی آرزو ہے کہ یہ کانفرنس کامیاب ہو، اور ہمیں اس مشکل مسئلہ کا، جس کا تعلق ہماری موت اور زندگی سے ہے کوئی معقول اور قابل عمل حل مل جائے۔ اس ضمن میں البتہ ایک بات ایسی ہے جسے ہم کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ باہمی مشاورت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے سامنے مقصد اور منتہیٰ ایک ہو۔ لیکن ان کے ذہن میں ان تک پہنچنے کے راستے مختلف ہوں۔ وہ یکجا بیٹھ کر سوچیں کہ ان راستوں میں سب سے زیادہ آسان اور سہل گذار راستہ کونسا ہے۔ یعنی مشاورت کے لئے مقصد اور منتہیٰ کی وحدت شرط اولین ہے۔ جو لوگ آپ کے مقصد و منتہیٰ ہی سے متفق نہ ہوں بلکہ ان کا تبلہ مقصود آپ سے جداگانہ ہو۔ ان سے اپنے مقصد کے حصول کے لئے مشورہ لینا؟ اپنے مقصد سے دشمنی کرنا ہے۔ یہی وہ حقیقت تھی جس کے متعلق غالب نے کہا تھا کہ۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی غمگسار ہوتا! کوئی چارہ ساز ہوتا

جو آپ کے غم میں شریک نہیں۔ وہ آپ کا چارہ ساز کس طرح ہوسکتا ہے! لیکن ہمیں اس مجلس مشاورت کے لئے مدعوین کی فہرست میں ایسے نام بھی دکھائی دیتے ہیں، جو کھلے بندوں پاکستان کے دشمن ہیں۔ یا جن کے سابقہ عمل نے مسئلہ کشمیر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ مثلاً اس فہرست میں خان عبدالغفار خاں اور ان کے ہم نوا، پیر صاحب مانکی شریف کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ حالانکہ یہ حضرات پختونستان کی اس تحریک کے علمبردار ہیں، جو پاکستان کے لئے مسئلہ کشمیر سے بھی زیادہ نقصان رساں اور تخریب انگیز ہے جو لوگ پاکستان کے موجودہ رقبہ میں سے ایک حصہ نکال کر اس میں آزاد مملکت قائم کرنے، یا اسے دوسرے ملک کے ساتھ ضم کردینے کی کوششیں کر رہے ہوں، اور آپ کو اپنا کھلا ہوا دشمن سمجھ رہے ہوں، کیا وہ آپ کو کسی ایسے مسئلہ میں صحیح مشورہ دے سکتے ہیں جو پاکستان کی تقویت کا موجب ہو؟

پھر اسی فہرست میں، ہمیں مولوی تمیز الدین خاں صاحب کا نام بھی ملتا ہے۔ جنھوں نے اپنی مسلسل کوششوں سے اقوام عالم میں پاکستان کی ایسی جگ ہنسی کرائی جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ اور یہ کوئی دور کا واقعہ نہیں ابھی کل کی بات ہے اور وہ ابھی تک "محرومین" کے گروہ میں شامل ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ دل سے تعاون کریں گے؟

اور اسی فہرست میں سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا نام بھی شامل ہے۔ یہ وہی مودودی صاحب ہیں جنھوں نے ایسے نازک وقت میں کشمیر کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ جب اس کی کشتی بالکل منجدھار میں تھی۔ اور اس جرم کی پاداش میں حکومت نے انھیں جیل بھیج دیا تھا۔ اس کے بعد فسادات پنجاب کے سلسلہ میں حکومت نے انھیں پہلے موت کی سزا دی جسے بعد میں عمر قید میں تبدیل کیا گیا۔ اور وہ دو سال کی قید کے بعد حال ہی میں باہر آئے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے حکومت کے اس سلوک کو (جسے وہ اور ان کے متبعین کھلے بندوں طاغوتی اور شیطانی طرز عمل قرار دیتے ہیں) یکسر بھلا دیا ہے اور اسے اپنا مشفق و دمساز سمجھنے لگ گئے ہیں؟ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے۔ تو اسے اس کا یہ فریب نفس مبارک ہو لیکن جن لوگوں کو اللہ نے دیکھنے والی آنکھ اور سمجھنے والا دل عطا کیا ہے۔ وہ تو اس فریب میں کبھی مبتلا نہیں ہوسکتے!

پھر اس فہرست میں غیر مسلموں کے نام بھی ہیں، اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی کیا پوزیشن ہوتی ہے۔ اس کے متعلق ہم اشاعت زیر نظر کے لمعات میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ کہا جائیگا کہ ان لوگوں سے مشورہ لینے میں ہرج کیا ہے؟ ہرج یہ ہے کہ اس قسم کے دعوت ناموں سے یہ لوگ اور ان کے پارٹی یہ سمجھنے لگ جاتی ہے کہ حکومت ہم سے دبتی ہے اور اپنی مشکلات کے حل کے لئے ہماری مدد کی محتاج ہے اس خیال سے ان کی مخالفت کے جذبات اور گہرے ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ جو انھیں تخریبی عناصر سمجھ کر ان سے الگ رہتے ہیں، یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے تخریبی نہیں جیسا کہ انھیں کہا جاتا ہے۔ اگر یہ ایسے ہی انتشار پسند اور تخریبی ہوتے تو حکومت انھیں مشوروں کے لئے کیوں بلاتی؟۔

یاد رکھئے! مملکت وہی پروان چڑھ سکتی ہے جو دوست کو کھلے بندوں دوست اور دشمن کو علانیہ دشمن سمجھے۔ اور اس سے بیدھڑک کہدے کہ ہمارا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم تمہاری تخریبی کوششوں کو کچل کر رکھ دیں گے وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ (۶۰/۴)

تخریبی عناصر

آپ پولیس والوں سے پوچھئے کہ پاکستان میں جرائم کی اس قدر کثرت کیوں ہو رہی ہے تو وہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہندوستان میں جس قدر بدقماش اور جرائم پیشہ طبقہ تھا۔ وہ ایک سیلاب بلا کی طرح پاکستان کی طرف امنڈ کر آگیا ہے اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ یہ لوگ آتے ہیں اور ہمارے شہریوں میں گھل مل جاتے ہیں۔ اور پولیس ان کے ماضی سے بے خبر ہوتی ہے۔ اس کے پاس ان کا ہسٹری شیٹ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان پر محتسبانہ نگاہ نہیں رکھی جاسکتی۔ یہ ہے وہ طبقہ جو اس قدر بڑھتے ہوئے جرائم کا ذمہ دار ہے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی یہی کچھ کرنے لگ جاتے ہیں۔

اس جرائم پیشہ بدقماش طبقہ کے خلاف تو ہمیں شکایت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ہم اس طبقہ کے خلاف ایک لفظ بھی زبان تک نہیں لاتے جو اول الذکر طبقہ سے کہیں زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے

اور جرائم کی طرح پاکستان کے ہر گلی کوچے میں آ کر بس گیا ہے اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ یہ طبقہ ہے ان لوگوں کا جو تحریک پاکستان کے دوران میں پاکستان کے سخت مخالف تھے وہ مطالبۂ پاکستان کو غیر اسلامی بتلاتے اور حامیان پاکستان اور ان کے سربرآوردہ لیڈروں کو گالیاں دیتے تھے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد وہ سب یہاں چلے آئے۔ اور زہریلے جراثیم کی طرح نفضائے پاکستان میں پھیل گئے۔ اسی طبقہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں رہے۔ اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر پاکستان کی تخریب کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ صرف پاکستان کے خلاف ہی نہیں (بلکہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں) جو کھلے بندوں اسلام کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ خدا اور رسول سے (معاذ اللہ) استہزاء کرتے ہیں۔ اسلامی شعائر کی تضحیک کرتے ہیں۔ بزرگان دین پر پھبتیاں کستے ہیں، اپنے ملحد و بے دین ہونے پر فخر کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں سے بھی جس کا جی چاہتا ہے اٹھ کر پاکستان آ جاتا ہے۔

ان میں اور جرائم پیشہ طبقہ میں فرق یہ ہے کہ جرائم پیشہ کے متعلق جب معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا ماضی کا چال چلن کیا تھا۔ تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور محتاط رہتے ہیں لیکن اس دوسرے طبقہ کی حالت یہ ہے کہ ان لوگوں کے متعلق لوگوں کو سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ یہاں پہنچ کر سب سے زیادہ معتبر بن جاتے ہیں۔ انھیں الاٹمنٹس ہوتی ہیں سرکار دربار میں ان کی پیشوائیاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے اکثر لیڈر بن جاتے ہیں۔ غرضیکہ معاشرہ میں عزت و تکریم کی ہر کرسی ان کے لئے خالی ہو جاتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ یہاں کے ارباب حل و عقد میں سے کسی نہ کسی کا ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی قدیمی تعلق ہوتا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ جرائم پیشہ لوگ صرف افراد کی جیب کاٹتے ہیں۔ لیکن یہ "معتبر طبقہ" پوری کی پوری ملت کے متاع دین و دانش پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اور خود پاکستان کی جڑیں کاٹتا ہے۔

اور بھارت کے ان ایجنٹوں کی درآمد کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ پاکستان تیرا خدا حافظ!!

جوش ملیح آبادی

مندرجہ بالا شذرہ لکھا جا چکا تھا کہ ۸ نومبر کے اخبارات میں ایسوسی ایٹیڈ پریس آف پاکستان کی وساطت سے نئی دہلی کی یہ خبر شائع ہوئی کہ معلوم ہوا ہے کہ جوش ملیح آبادی نے بمع اہل و عیال پاکستان میں مقیم ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ جب پچھلی مرتبہ پاکستان آئے تو حکومت پاکستان نے انھیں جاگیر کی پیشکش کی۔ اور یہ یقین دلایا کہ اگر وہ پاکستان آ جائیں تو ان کے لئے معقول آمدنی کا بندوبست کر دیا جائیگا۔ اسی دن اے، پی، پی نے نئی دہلی سے یہ خبر بھیجی کہ جوش صاحب نے اس کی تصدیق کر دی ہے کہ حکومت پاکستان نے ان سے جاگیر دینے اور معقول آمدنی کا وعدہ کیا ہے۔ اس اطلاع کے مطابق جوش صاحب نے یہ بھی کہا کہ وہ اس سلسلہ میں اپنے دوست پنڈت نہرو سے دو مرتبہ مل چکے ہیں۔ اور ان سے آج دن پھر ملاقات کر رہے ہیں۔ وہ مولانا آزاد سے بھی مل چکے ہیں۔ البتہ آخری فیصلہ پنڈت نہرو کریں گے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس خبر میں کہاں تک صداقت ہے۔ لیکن جب خود جوش صاحب نے اپنی طرف سے اس درپردہ سودے بازی کا ذکر کیا ہے تو اس کے صحیح ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے "حکومت پاکستان" جو اس میں فریق ثانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ البتہ خاموش ہے۔ ہندوستان کے کسی ستم رسیدہ مظلوم، مفلوک الحال مسلمان کا پاکستان کی طرف آنا ایک ایسا اقدام ہے جس پر ہمیں اصولاً کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اب تک لاکھوں اجڑے اور لٹے پٹے مسلمان ہندوستان سے ترک وطن کر کے پاکستان آ چکے ہیں، پاکستان بنا ہی اس لئے تھا کہ ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کو پناہ ملے اور عزت کی زندگی میسر آ سکے۔ اگر جوش صاحب اس حیثیت سے ہندوستان چھوڑ کر یہاں آنے کا ارادہ کرتے۔ تو ہماری قلبی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہوتیں۔ بالکل اسی طرح جیسے دوسرے مفلوک الحال مہاجرین کے ساتھ ہیں۔ لیکن جن حالات میں وہ آ رہے ہیں یا ان کو لایا یا بلایا جا رہا ہے۔ وہ باعث صد مذمت اور قابل نفریں ہیں۔ حوالہ بالا خبروں کے مطابق بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ حکومت پاکستان نے ہندوستان کے "شاعر انقلاب" کو جاگیر پیش کی اور معقول آمدنی کی ضمانت دی۔ ہم نہیں جانتے کہ حکومت سے کون صاحب مراد ہیں۔ لیکن ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ کوئی ایک فرد یا مجموعی طور پر ساری کی ساری حکومت کس بنا پر کسی شخص کو (خواہ وہ ہندوستان میں ہو خواہ پاکستان میں) جاگیر عطا کر سکتی ہے؟ پاکستان میں جاگیرداری اور دربار داری کی کوئی گنجائش نہیں، نہ از روئے قانون نہ از روئے اخلاق، جاگیر بخشی کا تعلق انگریزی حکومت کے ساتھ داستان ماضی بن چکا ہے۔ تاریخ کا یہ ورق اب پھر سے الٹا نہیں جائے گا۔ اور پھر یہ جاگیر کی بخشش کس بنا پر ہو رہی ہے آخر جوش ملیح آبادی نے بغیر حکومت پاکستان کے کون سے کارنامے سر انجام دئیے ہیں؟ کہ انھیں یہ رشوت دے کر بلایا جا رہا ہے یا پنڈت نہرو سے خریدا جا رہا ہے۔ یا انھوں نے پاکستان کے لئے کون سی خدمات جلیلہ سر انجام دی ہیں۔ جن کے صلہ میں انھیں جاگیر بخشی جا رہی ہے؟ اور آگے چلئے، کیا جوش صاحب پنڈت نہرو اور مولانا آزاد کی اجازت سے پاکستان آئیں گے! بالفاظ صحیح تر کیا یہ فیصلہ کہ کون پاکستان جائے اور کون نہ جائے پنڈت نہرو یا مولانا آزاد کریں گے! کیا اب پنڈت جی اور مولانا صاحب کے فرستادوں کے لئے اس قسم کی کشش و جاذبیت پیدا کی جا رہی ہے؟

اس اصولی نکات کے بعد اس بحث کی ضرورت تو نہیں رہ جاتی کہ جوش صاحب کی شخصیت اور کردار کو زیر بحث لایا جائے۔ لیکن بطور یاددہانی ہم غلط بخش ارباب حل و عقد کو بتانا چاہتے ہیں کہ اس "شاعر انقلاب" کے دل میں نہ اسلام کی کوئی عزت ہے۔ نہ پاکستان کی، نہ خدا کی، نہ رسول کی، نہ جناح کی، نہ اقبال کی۔ وہ تحریک پاکستان کے شدید مخالف ہے۔ اور پاکستان بننے پر انھوں نے ہندوستان میں رہنا پسند کیا۔ آج خدا جانے کن مصالح کے تحت ان کو بھیجا جا رہا ہے۔ یا لایا جا رہا ہے۔ ہمیں جوش صاحب سے تو شکایت نہیں۔ انھیں حق حاصل ہے کہ جدھر اپنی بہتری دیکھیں ادھر جائیں۔ لیکن ہم حکومت پاکستان کا دامن پکڑ کر پوچھتے ہیں کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا کوئی ایک بھی رجل رشید ایسا نہیں جو سوچے اور دیکھے کہ یہ کیسا فتنہ پالا جا رہا ہے؟

"ہند و چین بھائی بھائی"

پچھلے سال جب چین کے وزیر اعظم، چو این لائی ہندوستان آئے تو خاص طور پر یہ نعرے لگائے گئے تھے کہ "ہند و چین بھائی بھائی"۔ یہ نعرے عوام کے دل کی گہرائیوں سے نہیں ابھرے تھے بلکہ اوپر سے تیار کئے گئے تھے اور از بر کرائے گئے تھے۔ اس سے دنیا بھر کو اس دھوکہ میں مبتلا کرنا مقصود تھا کہ پنڈت نہرو نے چین دوستی کی جو خارجہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ اسے ملک و قوم کی تائید حاصل ہے، پنڈت نہرو چین سے محبت کی پینگیں بڑھانے پر کیوں مجبور ہو رہے ہیں۔ اس پر طلوع اسلام میں وقتاً فوقتاً لکھا جاتا رہا ہے۔ منجملہ دیگر وجوہات کے ایک اہم وجہ یہ ہے

آپ رشک کرتے ہیں!

کسی مضبوط اور شاداب جسم کو دیکھ کر۔ کیونکہ آپ لاغر ہیں یا پھر ویسی صحت کا اسباب ڈھونڈ نہیں پاتے۔ آئیے ہم آپ کی مشکل حل کریں۔ کیا آپ اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپ کی غذا نظام جسمانی کی قطعی ضروریات کو پورا کر رہی ہے؟ کیا آپ کو حیاتین ٹھیک طور پر مہیا ہو رہی ہیں؟ یقیناً کوئی تشفی بخش جواب آپ کے پاس نہیں۔

وِم وائٹ (۲۹ ضروری حیاتین کا مرکب)

ایک گرانقدر طبی تحفہ، ایک حیرت انگیز سائنسی تجربہ آپ کی مشکل کا حل ہے۔ جسے استعمال سے آپ تیزی سے ایک توانا اور قابل رشک صحت تعمیر کر سکیں گے۔ آپ کی صحت کا ضامن۔ امریکہ میں بنا ہوا ہر دوا فروش سے ملتا ہے۔

کہ ان دو بھائیوں کی سرحد کم و بیش بارہ سو میل تک مشترک ہے اور وہ اکثر و بیشتر غیر متعین ہے۔ کمیونسٹ چین اپنی فتوحات کا زور جنوب کی طرف لایا تو اس نے جگہ جگہ اس کا فائدہ اٹھایا چنانچہ چین کی طرف سے مشترکہ سرحد کے جو نقشے چھپے ہیں ان میں کئی ایسی جگہیں چینی حدود میں دکھائی گئی ہیں۔ جنہیں ہندوستان اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ اس سلسلہ میں چین نے کاری ضرب تبت میں لگائی۔ دنیا کی یہ چھت اب کلیتہً اس کے قبضے میں ہے۔ اس چھت پر اتفاق سے چین اور ہندوستان دونوں بھائی چند دن اکٹھے رہے۔ یہ یادیں ہندوستان کے حافظے سے آسانی سے محو نہ ہو سکیں گی۔ انگریزوں نے اپنے عہد میں تبت کی حدود میں تجارتی مفاد کے تحفظ کے لئے ایک چوکی بنا رکھی تھی۔ جہاں فوج متعین رہتی تھی اور وہ ہندوستان سے بھیجی جاتی تھی۔ آزادی کے بعد یہ ذمہ داری ہندوستان کے سپرد ہوئی۔ لیکن جب چین تبت پر آیا تو اس نے ہندوستان کو بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے طریقے عجیب تھے جو ہندوستانی اس ضرورت کے لئے وہاں جاتے تھے۔ انہیں طرح طرح سے تنگ کیا جاتا تھا۔ مثلاً یہ کہ انہیں سرحد پر بٹھا دیا گیا۔ اور ان کے کاغذات منظور کرنے میں تاخیر برتی جا رہی ہے۔ وہ کسی گاؤں میں جاتے تو گاؤں والوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ان سے تعاون نہ کریں اور ضروری اشیا مہیا نہ کریں۔ یہ حالات دیکھ کر ہندوستان بے دخل ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اس کے لئے جو سلسلہ مذاکرات شروع ہوا۔ وہ اپنی جگہ دلچسپ ہے۔ یہ مذاکرات اس وقت ہوئے جب ہندوستان کی صدارت میں بین الاقوامی کمیشن کوریا میں جنگی قیدیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ چین نے اس موقعہ کا خوب فائدہ اٹھایا۔ اس نے مذاکرات کا سلسلہ اس طرح دراز کیا کہ ہندوستان کے کوریا میں موجود ہونے تک وہ جاری رہا۔ اس نے مذاکرات کو اس مطلب کے لئے استعمال کیا۔ کہ ہندوستان کوریا میں کمیونسٹوں کے مفاد کی بات کرے چنانچہ جب ہندوستان کوریا میں ان کی تائید کرتا تو چینی تبت میں ہندوستان سے فراخدلانہ سلوک کرتے۔ لیکن جب وہ ذرا ہٹ کر بات کرتا تو اسے تبت میں پریشان کرتا۔ اس طرح چین نے ہندوستان کو کوریا میں اپنے مطلب کے لئے استعمال کیا۔ اور پھر اسے تبت سے بھی بے دخل کر دیا۔ اس کشمکش میں پنج شیلا مرتب ہوا۔ اور پنڈت نہرو نے اپنی شکست کو فتح بنانے کے لئے اس کا دنیا بھر میں خوب چرچا کیا۔ اور بھائیوں کے مابین تعلقات کی استواری کا نسخہ کیمیا بنایا۔

اب دونوں بھائیوں کے درمیان پنج شیلا کا ایک اور امتحان ہو رہا ہے۔ تبت کی سرحد پر نوادلوی پہاڑی پر نبوتی کا علاقہ ہے۔ اس کی ملکیت پر دونوں بھائیوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے۔ اور دونوں بھائیوں نے اس میں فوجی نقل و حرکت بھی شروع کر دی ہے۔ دلی سے بڑے اطمینان سے کہا گیا ہے۔ کہ دونوں بھائیوں میں کوئی تصادم نہیں ہوگا۔ بھائی چارے کا اس سے بہتر مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ سرحدی تنازعہ ہوا۔ دونوں نے اپنی اپنی فوجیں آگے بڑھا دیں اور کوئی تصادم نہیں ہوا۔ اب کہا گیا ہے کہ اس قضیہ کا تصفیہ ثالثی کمیشن کے ذریعہ ہوگا۔ اس کا فیصلہ کمیشن کے ذریعہ ہو یا کسی اور ذریعہ سے۔ نتیجہ ایک ہی ہوگا۔ اور وہ یہ کہ متنازعہ فیہ علاقہ چینیوں کی ملکیت قرار پا جائے گا۔ اس طرح رفتہ رفتہ دونوں بھائیوں کے مابین پنج شیلا کا میدان بڑا وسیع ہو جائے گا۔

ریڈیو پاکستان

ہم نے آج تک ریڈیو پاکستان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اس لئے نہیں کہ ہمیں اس کی اہمیت کا احساس نہیں بلکہ اس لئے کہ ہم اس کی طرف سے اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔ اب حکومت پاکستان نے اعلان کیا ہے کہ وہ ایک ریڈیو کمیشن کے تقرر پر غور کر رہی ہے۔ اس کے ارکان جج ہوں گے اور صدر کوئی عالمی شہرت کے ریڈیائی ماہر۔ کمیشن کا مقصد یہ ہوگا کہ ریڈیو بہتر اور موثر بنایا جائے۔ کمیشن کی ضرورت اور اہمیت سے کوئی محب وطن پاکستانی انکار نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ ریڈیو پاکستان کو جو فریضہ ادا کرنا چاہیے تھا؟ نہیں کیا جا رہا۔ لیکن یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ کمیشن واقعی ایسا لائحہ عمل تیار کر سکے گا جو اس فریضہ کی بجا آوری میں ممد ہو۔ ریڈیو عوامی تعلیم و تربیت کا ایک نہایت عمدہ اور موثر ذریعہ ہے۔ اس کی افادیت ان علاقوں میں خصوصیت سے بڑھ جاتی ہے جو پس ماندہ اور غیر تعلیم یافتہ ہیں۔ کیونکہ سکول کی تعلیم کا ذریعہ بہرحال وقت طلب بھی ہے اور روپیہ طلب بھی۔ ریڈیو گاؤں گاؤں میں نصب کر کے کسی آواز کو ملک کے گوشے گوشے میں اور ایک ایک فرد تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ ریڈیو پاکستان نے فنی اعتبار سے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لی ہو۔ اس ترقی سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ پاکستان جیسے نئے ملک میں مطلوبہ آلات کی بھی کمی تھی اور ماہر کارکنوں کی بھی۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارا ریڈیو یا تو برسر اقتدار حکومت کا نقیب ہے اور یا عوام کو ان کی موجودہ سطح پر جامد رکھنے کا ذریعہ۔ یعنی اس نے وزیروں کے بیانات اور تقریریں نشر کرنے اور حکومت کے اقدامات اور منصوبوں کی قصیدہ خوانی کرنے ہی کو اپنا فریضہ زندگی بنائے رکھا۔ ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ اس نے ان مقاصد کا شعور پیدا کرنے کی کوشش کی ہو جو قیام پاکستان کے محرک ثابت ہوئے اور جن کی تکمیل کے بغیر پاکستان کا مطلب کچھ نہیں ہوگا۔ دوسری طرف، جہاں تک اس کے مذہبی اور فنون لطیفہ سے متعلق پروگراموں کا تعلق ہے اس کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے جس سے عوام کا پایہ بلند ہو سکے اس کے برعکس انہیں پست سے پست سطح تک لے جایا جائے۔ یہ دیکھا جائے تو اس کی ذمہ داری ان کارکنوں پر عائد نہیں ہوتی جو ملازم کی طرح اس کو چلاتے ہیں۔ اس کی ذمہ داری ان وزیروں پر عائد ہوتی ہے جو وقتاً فوقتاً اس کا انصرام سنبھالتے رہے اور اس حکومت پر بھی جس کے ارکان وہ وزیر تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ پاکستان کی مختلف حکومتوں نے اس کی طرف مطلقاً توجہ نہیں دی کہ ریڈیو کے ذریعہ پاکستان کے طول و عرض میں زندگی کی نئی لہر دوڑائی جا سکتی ہے اور عوام کے ذہن اور قلبی سطح کو بلند سے بلند تر کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اسے ذاتی اور حزبی ضروریات کے لئے استعمال کیا اور بس۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ آج جب ملک میں عمدہ ریڈیائی نظام کا جال بچھتا جا رہا ہے وہ بے کار سے بے کار تر ثابت ہوتا جا رہا ہے نہ صرف بیکار بلکہ مضر سے مضر تر۔ اگر مجوزہ کمیشن اس سلسلہ میں کچھ کام کر سکی تو اس کا آنا اور اس کا جانا ملک کے لئے ہزاروں برکتوں کا باعث ہوگا۔ لیکن ہم اس سے کچھ زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرنا چاہتے۔

پارٹی بازی

ڈاکٹر خان صاحب نہ صرف خود کسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ وہ وقتاً فوقتاً پارٹی بازی کی مذمت کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے ایک تازہ پریس کانفرنس میں پھر پارٹی بازی پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ بحالات موجودہ ملک کو پارٹیوں کی ضرورت نہیں بلکہ کام کی ضرورت ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جسے طلوع اسلام میں تکرار اور صراحت سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ قرآن کی رو سے پارٹی بازی شرک ہے۔ لہٰذا جب تک ہم اس عملی شرک کے مرتکب رہیں گے۔ پاکستان میں نظام اسلامی کی ترویج کا دعویٰ محض صریح منافقت ہوگا بلکہ اس سلسلہ کی تمام تر کوششیں اکارت جائیں گی۔ ہماری آٹھ سال کی سیاست اس کی بین تفسیر ہے۔ اسی پارٹی بازی نے ہمیں کسی نتیجہ تک نہیں پہنچنے دیا۔ اور ہمارے معاملات اور مسائل کو پیچیدہ تر بنا دیا۔ اس جہنم افتراق و تشتت سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ پارٹی بازی کو ختم کر دیا جائے اور پوری کی پوری ملت متحد ہو کر سوئے منزل جادہ پیما ہو جائے۔ شخصی مفادات اور علاقائی تعصبات کو ملی مفاد سے بدلنے کا یہ ایک ہی طریق ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب ایسے صاحب اثر بزرگ پارٹی بازی کے فتنے کو بھانپ گئے ہیں چونکہ وہ زبانی جمع سے کہیں زیادہ کام کے قائل ہیں اس لئے ہم توقع کرتے ہیں کہ وہ پارٹی بازی کی زبانی مذمت پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ اپنے اثر و اقتدار کو کام میں لا کر اس لعنت کا قلع قمع کر دیں گے۔ اس کی ابتدا خود مسلم لیگ سے کرنی چاہیئے۔ اسے توڑیئے اور پھر ملک میں پارٹیوں کے اجرا کو قانوناً ممنوع قرار دیجئے۔ اس کے سوا اس فتنے کا کوئی علاج نہیں۔

خط و کتابت کرتے وقت

خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان، ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ نرخنامہ اشتہارات و تفصیلات ناظم ادارہ، شعبہ اشتہارات سے حاصل کیجئے

ناظم ادارہ طلوع اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ ـــــ کراچی

تاریخی شواہد

(۳۷)

یہ تھا سورۂ انبیاء کا بیان۔ سورۂ صٰفٰت میں بھی یہی واقعہ مذکور ہے۔ لیکن تھوڑی سی مزید تفصیل کے ساتھ۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۳۷/۸۳-۸۷)

اور دیکھو (درحقیقت نوح ہی کے گروہ میں سے ابراہیم بھی تھا (یاد کرو) جب وہ قلب سلیم لے کر اپنے پروردگار کے حضور متوجہ ہوا۔ وہ اپنے باپ اور اپنی تمام قوم سے ہمیشہ کہتا رہتا تھا کہ تم کن لوگوں کی محکومیت (اطاعت (فرمانبرداری) اختیار کر رہے ہو؟ (سوچو تو سہی) کیا خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں (کی اطاعت) کا ارادہ رکھتے ہو۔؟ پھر تمام جہان کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔؟

ان آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم اپنی قوم کو بت پرستی سے روکنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ وہ بت پرستی کے خلاف ہی نہیں بلکہ ستارہ پرستی کے خلاف بھی تبلیغ کرتے رہتے تھے

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝ (۳۷/۸۸-۹۰)

وہ ان کے معبود ستاروں میں طرح طرح کے نقائص نکال کر انہیں سمجھاتا اور ان سے کہتا کہ میں تمہاری ان باتوں سے سخت نالاں ہوں اور ان معبودوں سے سخت بیزار۔ وہ اس کی باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکتے۔ اور منہ پھیر کر چل دیتے۔

اس کے بعد وہی "بت شکنی" کا واقعہ سامنے آتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے ایک مرتبہ دیکھا کہ معبد خالی ہے۔ وہ اندر چلے گئے۔ دیکھا کہ بتوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں بطور چڑھاوا رکھی ہیں ان سے طنزاً کہنے لگے کہ

اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ (۳۷/۹۱-۹۲)

تم انہیں کھاتے نہیں؟ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم کچھ بولتے بھی نہیں؟

اس کے بعد:۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ (۳۷/۹۳)

پھر اپنے دائیں ہاتھ سے (یعنی پوری قوت کے ساتھ) ان پر ایک ضرب رسید کی (اور سب کو توڑ ڈالا)۔

لوگوں کو جب معلوم ہوا تو بھاگے ہوئے معبد کی طرف آئے۔

فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝ (۳۷/۹۴)

پھر جب لوگوں کو معلوم ہوا تو، ابراہیم کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔

باقی تذکرہ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے۔ انکشاف حقیقت کے بعد آپ نے فرمایا۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۳۷/۹۵-۹۶)

ابراہیم نے کہا۔ کیا تم ان بتوں کی پرستش کرتے ہو، جنہیں (اپنے ہاتھوں سے) تراشتے ہو۔ حالانکہ خدا نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے اور (تمہارے اُن تمام افعال کو بھی) جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس پر غم و غصہ کا طوفان امڈ آیا اور انھوں نے کہا۔

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝ (۳۷/۹۷)

لوگوں نے کہا (بس بہت ہو چکی) اب اس کے واسطے ایک آتش خانہ بناؤ اور اسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ اسے آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ اس دوران میں ایک اور (DEVELOPMENT) ہو گئی۔ پہلے اسے دیکھ لیجئے۔

دعوت ابراہیمیؑ کا تذکرہ آگے بڑھا۔ بات ایسی نہ تھی جو چھپی رہ جاتی، اسے بادشاہ وقت تک پہنچایا گیا۔ اس زمانے کے مطلق العنان بادشاہ (پیکر استبداد) کے مجسمے اپنے دعوت توحید میں، دیوتاؤں کی خدائی سے زیادہ، خود اپنی خدائی چھن جانے کا خوف تھا۔ حضرت ابراہیم کو بلایا اور خدائے واحد کے بارے میں بحث و جدل شروع کر دی۔ سورۂ بقرہ کے پینتیسویں رکوع میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۝ (۲/۲۵۸)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا۔ جس نے ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں حجت کی تھی کہ خدا نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی؟ (یعنی تاج و تخت شاہی نے اس کے اندر ایسا گھمنڈ پیدا کر دیا تھا کہ خدا کے بارے میں حجت کرنے لگا تھا)

بادشاہ نے پوچھا کہ تم غیر اللہ کی پرستش چھڑا کر جس خدا کی طرف دعوت دیتے ہو، اس خدا کی خصوصیات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (۲/۲۵۸)

ابراہیم نے کہا۔ میرا پروردگار وہ ہے جس کے قانون کے مطابق موت اور زندگی کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اس کے جواب میں اُس سرکشی و طغیان کے پیکر نے اپنی پوری شان غرور سے کہا کہ سنا کیا ہے؟:۔

قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ (۲/۲۵۸)

میری مملکت میں موت اور زندگی کے فیصلے میرے حکم سے ہوتے ہیں۔

یہاں پھر وہی بات سامنے آئی، جس کا تجربہ قوم کی طرف سے ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دلیل بڑی لطیف و بلند تھی۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ محسوسات کے بت کدے میں گھرا ہوا بادشاہ حقیقت کو مجاز کا نقاب اڑھا کر اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ آپ چاہتے تو اس دلیل کی رو سے بیسیوں دلیلیں پیش کر دیتے۔ لیکن وہاں پیش نظر "مناظرانہ فتحمندی" نہ تھی وہاں مقصد احقاق حق تھا چنانچہ آپ نے اس دلیل کو چھوڑ کر، جس کے تعاقب سے نظری بحث میں الجھ کر اصل مقصد سے دور نکل جانے کا خطرہ تھا۔ فوراً محسوس طریق استدلال اختیار کیا اور فرمایا

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (۲/۲۵۸)

اچھا اگر ایسا ہی ہے تو اللہ سورج کو پورب کی طرف سے (زمین پر) طلوع کرتا ہے تم پچھم سے نکال دکھاؤ (تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمہیں کائنات خلقت میں طاقت و تصرف حاصل ہے)

یعنی اگر تم سمجھتے ہو کہ تم خدائی قوتوں کے مالک ہو۔ تو لاؤ سورج کو مغرب سے نکال کر دکھاؤ ساری دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ تمہیں کس قدر اختیارات حاصل ہیں۔ اس تحدی کا جواب کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ (۲/۲۵۸)

وہ بادشاہ جس نے انکار کی راہ اختیار کر رکھی تھی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا

لیکن اس کے باوجود اسے اعتراف حقیقت کی جرأت نصیب نہ ہوئی۔ کیونکہ اس سے اپنی جھوٹی عزت و عظمت پر حرف آتا تھا۔ اور "خدائی" کی جگہ "بندگی" اختیار کرنی پڑتی تھی۔

مجلس اقبال

مثنوی اسرار خودی

باب (مسلسل) سوم

اس کے بعد حضرت علامہ کہتے ہیں۔

کیفیت‌ہا خیزد از صہبائے عشق
ہست ہم تقلید از اسمائے عشق

شراب عشق سے انسان کے اندر عجیب عجیب کیفیات پیدا ہوتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عشق اور تقلید ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ تقلید سے یہاں مراد فقہ کا تقلیدی مسلک نہیں بلکہ اس سے مراد اتباع اور اطاعت ہے۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ محبوب کے عشق سے مقصود یہ ہے کہ اس کی کامل اتباع کی جائے چنانچہ اس کو وہ ایک مثال سے واضح کرتے ہیں جس میں کہتے ہیں کہ

کاملے بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

حضرت بایزید بسطامی ایک مشہور صوفی گزرے ہیں۔ یہ مجوسی الاصل تھے لیکن بعد میں تصوف کے ذریعہ سلطان الخلائق بن گئے۔ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ سنت رسول اللہؐ کی اتباع میں انتہا تک پہنچے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ کھانے پینے اور رہنے سہنے میں بھی حضورؐ ہی کا انداز اختیار کرتے تھے انہوں نے ایک مرتبہ اس بنا پر خربوزہ کھانے سے انکار کر دیا کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہؐ نے خربوزہ کس طرح کھایا تھا۔ علامہ اقبال اس سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ محبوب کی اتباع میں انسان کی یہ کیفیت ہو جانی چاہیئے کہ وہ جزئیات تک میں اسی رنگ میں رنگا جائے۔ (یہ بہرحال تصوف ہے)

عاشقی؟ محکم شو از تقلید یار
تا کمند تو شود یزداں شکار

تجھے عاشقی کا دعویٰ ہے تو اس دعوے کی صداقت کا ثبوت یہ ہے کہ تو محبوب کی اتباع میں پختہ سے پختہ تر ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو خود خدا کو شکار کرے گا۔ وہ تیری کمند میں آجائے گا۔ تصوف میں مقصود زندگی خدا تک پہنچ جانا یا خدا کی ذات میں جذب ہو جانا ہے۔ اس کا طریق یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان پہلے اپنے شیخ کی محبت میں فنا ہو جائے اور اس کے بعد فنا فی الرسول کا درجہ حاصل کرے۔ جب وہ اس مقام میں پختہ ہو جائے گا تو پھر اسے خدا کا وصل بھی حاصل ہو جائے گا۔ اس کے لئے علامہ اقبال خود سیرت رسول اللہؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مراحل بیان کرتے ہیں یعنے

اندکے اندر حرائے دل نشیں
ترک خود کن سوئے حق ہجرت گزیں
محکم از حق شو سوئے خود گام زن
لات و عزائے ہوس را سر شکن
لشکرے پیدا کن از سلطان عشق
جلوہ گر شو بر سر فاران عشق

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ تو اپنی ذات میں تفکر اور اپنے نفس کی بصیرت کے لئے حرا کی خلوتوں میں جذب ہو جا۔ اس طرح اپنے آپ کو طے کرنے سے پہلا مرحلہ طے ہو جائے گا۔ یہاں اقبال نے ترک خود کن" کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد نفی خودی نہیں کیونکہ اگر یہ مراد لی جائے تو یہ چیز اقبال کی ساری تعلیم کے خلاف جائے گی۔ اس سے مراد ضبط نفس ہے اپنے آپ پر کنٹرول سے اپنی قوتوں کو مقصد پیش نظر کے حصول کے لئے محفوظ کر لینا اور اس طرح محکم سے محکم تر ہوتے چلے جانا۔ اسے اقبال نے "سوئے حق" ہجرت کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی سب کچھ چھوڑ کر صرف خدا کو مقصود بنا لینا یہ پہلا مرحلہ ہے۔ جب حق کو مقصود بنانے سے انسان کے اندر مزید استحکام حاصل ہو جاتا ہے تو پھر وہ حرا کی خلوتوں سے نکل کر عالم انسانی کی طرف واپس آتا ہے۔ اسے اقبال نے دوبارہ "سوئے خویش" آنے سے تعبیر کیا ہے اس سے انسان اپنی خواہشات کے بتوں کو توڑتا ہے اور یوں کعبہ دل کو ان اصنام سے پاک کر دیتا ہے۔ جب اس عشق و محبت کی رو سے عاشق کو قوت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنے پیغام کو لے کر فاران کی چوٹیوں پر جلوہ بار ہو جاتا ہے۔

تا خدائے کعبہ بنوازد ترا
شرح "انی جاعل" سازد ترا

حضرت علامہ کہتے ہیں کہ یہ کچھ اس لئے ہونا چاہیئے "تاکہ خدائے کعبہ تجھے انسانیت کے بلند ترین مقامات عطا کر دے اور اس طرح تو نیابت حق کے مقام پر سرفراز ہو جائے۔ اس شعر پر اس باب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ [واضح رہے کہ" حرا خلوت" سے مراد رہبانیت کا تجرد نہیں۔ اس سے مقصود تفکر و تدبر ہے۔ نہ ہی "نیابت حق" سے مراد "خلیفۃ اللہ فی الارض" ہے۔ اس سے مراد دنیا میں خدا کے قانون کو نافذ کرنے والا ہے۔]

باب چہارم

دربیان ایں کہ خودی از سوال ضعیف می گردد

سابقہ باب میں حضرت علامہ نے بتایا ہے کہ خودی کے مستحکم ہونے کا کیا طریقہ ہے۔ اس باب میں وہ یہ بتلاتے ہیں کہ خودی کمزور کس طرح سے ہو جاتی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ خودی سوال اور احتیاج سے کمزور ہوتی ہے۔ جب انسان دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے تو وہ مقام انسانیت سے بہت نیچے گر جاتا ہے۔ انسان کو اپنے اندر خدا کی صفت صمدیت کو پیدا کرنا چاہیئے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیا میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ اس کے لئے وہ لکھتے ہیں کہ

اے فراہم کردہ از شیراں خراج
گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج

اس میں تخاطب امت اسلامیہ سے ہے۔ وہ مسلمان سے کہتے ہیں کہ تو وہ ہے جس نے شیروں تک سے خراج حاصل کر لیا تھا۔ لیکن اب احتیاج نے تیری حالت یہ کر دی ہے کہ تو بالکل لومڑی بن چکا ہے

خستگی‌ہائے تو از ناداری است
اصل درد تو ہمیں بیماری است

تو اسباب زوال امت کی تحقیق کے لئے کیٹیاں بٹھاتا ہے لیکن تیرے زوال کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تو دوسروں کا محتاج ہو گیا ہے۔ تیرے درد کی بنیادی علت یہی بیماری ہے۔ اس لئے کہ افلاس وہ لعنت ہے کہ

می رباید رفعت از فکر بلند
می کشد شمع خیال ارجمند

افلاس، انسان کے ذہن کو فکر کی بلندی سے محروم کر دیتا ہے۔ اس کے دماغ میں کوئی بڑا خیال آہی نہیں سکتا۔ یوں سمجھئے کہ اس کی فکر و نظر کی تمام شمعیں گل ہو جاتی ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ

از خم ہستی مئے گلفام گیر
نقد خود از کیسۂ ایام گیر

تو اپنے لئے توانائیوں کا سامان کسی دوسرے سے نہ مانگ۔ تو خود اپنی ذات سے وہ شراب پیدا کر جو تجھ میں زندگی اور حرکت پیدا کر دے۔ وقت بہت بڑی متاع ہے۔ زمانے کے پاس بہت بڑے خزانے ہیں۔ تو اس سے یہ متاع اور یہ خزانے حاصل کر۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت نہ ہو۔

اسلام کی سرگزشت

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی حیات عقلیہ اور اس کے مظاہر سے گفتگو کر لینے کے بعد بتایا گیا تھا کہ اسلامی تعلیمات نے عربوں کی زندگی پر کیا اثرات کئے تھے۔ آج کی فرصت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اسلام کے بعد دراصل جاہلی عقلیت اور اسلامی عقلیت کا تصادم شروع ہوا اور اس تصادم کے نتیجہ میں یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسلام نے تمام عربوں پر یکساں اثرات مرتب کر دیئے تھے اور عربوں کی ذہنی دنیا میں ہر طرح مکمل انقلاب پیدا کر دیا تھا۔

چنانچہ تقریباً ایک سو مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرلی اور نبی صلعم اور تھوڑے سے صحابہؓ کو آپ کے ساتھ چھوڑ کر وہ مکہ سے نکل گئے۔ مگر اسلام بالفاظ دیگر نئی عقلیت اس وقت تک نہیں پھیل سکی جب تک رسول اللہ صلعم اور باقی صحابہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرکے قریش کو فوجی حیثیت سے شکست نہیں دیدی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نزاع جو اولاً رسول اللہ صلعم اور قریش کے مابین تھا۔ پھر دوسرے درجہ میں یہ نزاع مکی اور مدنی لوگوں کا نزاع بن گیا، اور اس کے بعد نومسلموں اور غیر مسلموں کا نزاع بنا رہا درحقیقت دو مختلف عقلیتوں کے درمیان کا نزاع تھا۔ ایک طرف بت پرستانہ عقلیت تھی جس میں لذائذ و نعائم مباح ہوتے تھے۔ ہر شخص کو بہت بڑی حد تک حریت اور آزادی حاصل ہوتی تھی اور خاص پیمانوں کے مطابق اس میں اخلاق و عادات کے انداز سے قائم کئے جاتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسری عقلیت تھی جس میں بتوں کو بری طرح روندا جاتا۔ اور ہر ممکن طریقہ سے ان کی توہین کی جاتی تھی اور ان کو توڑ دیا جاتا تھا۔ لذائذ و نعائم اس میں بھی حلال ہوتے تھے مگر ایک خاص حد تک۔ اس میں لوگوں سے ٹیکس لئے جاتے تھے تاکہ انہیں فقراء اور عام صالح افراد پر خرچ کیا جائے۔ حریت اور آزادی پر ہر قسم کی پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ خاص اوقات میں خاص عبادتیں مقرر تھیں۔ ملکیت کا احترام کیا جاتا تھا اخلاق کی قیمت اس میں یکسر تبدیل کر دی گئی تھی۔ چنانچہ انتقام اور خون کا بدلہ لینا اس میں کوئی اچھی خصلت نہیں سمجھی جاتی تھی۔

ان دونوں حالتوں میں عقلیت جاہلیہ اور عقلیت اسلامیہ میں جو فرق تھا اسے بہترین تعبیر کے ساتھ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے ــــ جو ان مسلمانوں میں سے ایک تھے جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرلی تھی۔ بیان کیا تھا۔ جب انہوں نے نجاشی کے دریافت کرنے پر جواب میں کہا۔ ہم جاہلیت کی ایک قوم تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ شرمناک افعال کے مرتکب ہوتے تھے۔ قطع رحمیاں کرتے تھے پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔ ہم میں سے جو لوگ قوی ہوتے تھے وہ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ ہم اس حالت میں تھے حتیٰ کہ خدا نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا جو ہماری قوم میں سے ہے۔ ہم اس کے خاندان سے واقف ہیں۔ اس کے صدق و امانت اور پاک دامنی کو جانتے ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا تاکہ ہم اسے یگانہ و یکتا تسلیم کریں اور صرف اس کی عبادت و اطاعت کریں اور جن چیزوں ــــ پتھروں اور بتوں کی عبادت ہم اور ہمارے باپ دادے کرتے آرہے تھے ان کو چھوڑ دیں۔ اس رسول نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں۔ صلہ رحمی کریں۔ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ ناجائز کاموں اور خون ریزیوں سے بچیں۔ اس نے ہمیں شرمناک باتیں کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھا جانے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف ایک خدائے یگانہ و یکتا کی عبادت کریں، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ ساتھ ہی اس نے ہمیں صلوٰۃ۔ زکوٰۃ اور روزہ کا حکم دیا۔ ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے۔ ہماری قوم ہم پر تعدی کرنے لگی اور طرح طرح کے عذاب دے کر ہمیں اپنے دین سے برگشتہ کرنے کے لئے مجبور کرنے لگی تاکہ ہم پھر بتوں کی پرستش شروع کر دیں اور اللہ کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور جن خبائث کو ہم شیر مادر سمجھا کرتے تھے اب بھی انہیں شیر مادر کی طرح حلال سمجھنے لگیں۔ جب ان لوگوں نے ہم پر ستم توڑے اور مجبور کر دیا۔ زندگی کی راہیں تنگ کر دیں اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان میں حائل ہونے لگے تو ہم وہاں سے نکل کر تمہارے ملک میں آگئے۔

یہ قصہ اگرچہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ من گھڑت ہے۔ کیونکہ اس میں روزہ کا ذکر آیا ہے حالانکہ روزہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کے بعد فرض ہوا تھا۔ اس کے علاوہ چند اور چیزیں بھی ایسی ہیں، تاہم یہ قصہ اس نزاع کی تمثیل صحیح طرح پر کر دیتا ہے جو دونوں عقلیتوں کے درمیان برپا تھا۔

پروفیسر "گولڈزیہر" نے اسلام اور عرب جاہلیت کے فضائل کے درمیان نقطہ ہائے اختلاف پر ایک مستقل باب میں بحث کی ہے جس کا عنوان۔ "دین و مروت" رکھا ہے۔ جس کا خلاصہ آخر میں انہوں نے یہ دیا ہے کہ "اسلام نے زندگی کا وہ بلند نمونہ مقرر کیا جو جاہلیت کی زندگی کے بلند نمونہ سے مختلف تھا۔ یہ دونوں نمونے آپس میں مشابہت نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر اوقات ایک دوسرے کے متضاد تھے۔ انفرادی اور شخصی شجاعت۔ بے حد و نہایت شہامت، اسراف کی حد تک پہنچی ہوئی سخاوت، قبیلہ کے لئے مکمل اخلاص۔ انتقام لینے میں سخت دلی۔ ان لوگوں سے خون کا بدلہ لینا جنہوں نے تم پر تعدی کی ہو یا ان کے قریبی اعزاء یا ہم قبیلہ لوگوں سے جاہلیت میں بت پرست عربوں کے ہاں یہ چیزیں فضائل شمار ہوتی تھیں۔ لیکن اسلام میں ان کے مقابل اللہ اور قانون خداوندی کے لئے خضوع اور اطاعت، ثبات و صبر شخصی اور قبائلی منفعتوں کو دینی احکام کے تابع رکھنا، قناعت نسلی غرور، اور کثرت اموال پر فخر نہ کرنا، تکبر اور عظمت سے دور رہنا، زندگی میں ایک انسان کے لئے زندگی کا بلند ترین نمونہ ہوتا تھا"

پروفیسر "گولڈزیہر" کے مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ اسلام اور جاہلیت کے ادوار میں زندگی کے بلند معیار باہم متضاد اور مختلف تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں جو چیزیں زندگی کا بلند معیار ہوتی تھیں وہ اسلامی دور میں زندگی کا بلند معیار نہیں رہیں۔ مثلاً اسراف کی حد تک سخاوت زمانۂ جاہلیت میں زندگی کا بلند معیار تھی۔ مگر اسلام نے اسراف کو قطعاً پسند نہیں کیا۔ انتقام لینے میں مجرم اور مجرم کے قبیلہ اور اعزا میں فرق نہ کرنا قطعاً اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ مگر یہی چیز زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں نہایت مستحسن شمار ہوتی تھی۔ قبیلہ کے لئے مکمل خلوص خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر قطعاً غیر اسلامی معیار زندگی تھا۔ اس کے برعکس اسلامی زندگی کا معیار حق کا ساتھ دینا ہے خواہ اس کے لئے اپنے خاندان اور کسی قریب ترین عزیز بلکہ خود اپنی ذات تک ہی کو نشانۂ انتقام کیوں نہ بننا پڑے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے سامنے اقدار کی قیمتیں ہی بدل دی تھیں۔ جو چیزیں ان کے ہاں قدیم الایام سے حسنات میں شمار ہوتی آرہی تھیں وہ اب سیئات میں شمار ہوتی تھیں۔ اور جو چیزیں سیئات میں شمار ہوتی تھیں ان کا شمار اب حسنات میں ہونے لگا تھا۔ یہ ایک سراپا انقلاب تھا جس کو کامیاب ہونے کے لئے بڑی سعی و کاوش اور طویل زمانہ ہی درکار ہو سکتا تھا۔ بقول شخصے سو برس کا دلوں میں جما ہوا رام رام یک جنبش نظر میں تبدیل نہیں ہو سکتا تھا۔ جو لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تئیس سال عرصۂ نبوت میں عرب کا زمین و آسمان ہی بدل گیا تھا اور عربوں کی فطرت اور طبیعت ہی یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ دراصل تاریخ اور حقیقت سے چشم پوشی کرنا چاہتے ہیں۔

اِسلامی نظام

اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟
اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے
اس کے جواب میں
پرویز اور علامہ اسلم جیراج پوری
کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی
نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات۔ قیمت
دو روپیہ۔
ناظم ادارۂ طلوع اسلام، پوسٹ بکس ۱۳۱۰۔ کراچی

انڈونیشیا

حسن و اضطراب کے جزائر کا مجموعہ

(انڈونیشیا کے متعلق ذیل کے تصورات مغرب کے ایک مشہور مصنف JAMES.A MICHENER کے قلم سے، اکتوبر ۵۰ء کے ماہنامہ "ریڈرز ڈائجسٹ" میں شائع ہوئے ہیں۔ جن کا آزاد ترجمہ پیش ناظرین ہے واضح رہے کہ یہ ایک مغربی مصنف کے تصورات ہیں۔ انہیں اسی نگاہ سے دیکھئے۔ طلوع اسلام)

جس شخص نے انڈونیشیا کو نہیں دیکھا وہ اس کی عظمت و شوکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ذرا خیال کیجئے کہ تین ہزار سے زیادہ جزائر، خط استوا کے ساتھ متوازی یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ تیل۔ سونا۔ ربڑ۔ ٹین۔ لوہا اور شکر سے بھرے ہوئے ..... ان جزائر کے کشت زاروں اور باغات کے اندر نہایت چھبیلے اور حسین باشندے آزادی کی فضا میں سانس لیتے ہیں۔

ایک عرصہ تک انڈونیشیا کا نام "ڈچ ایسٹ انڈیز" تھا۔ یہ قوم اب اقوام متحدہ کے خاندان میں سب سے کم عمر ہی نہیں بلکہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں میں اس کا شمار ساتویں نمبر پر ہوتا ہے۔ اس کی آبادی، روس کو چھوڑ کر، یورپ کے ہر ملک سے زیادہ ہے۔ ایشیا سے جتنی چیزیں دوسرے ممالک میں پہنچیں وہ ہمیشہ انڈونیشیا کے راستہ سے باہر گئیں۔ آپ دیکھئے گا کہ ہوائی اور نیوزی لینڈ جیسے ممالک میں جو انسان، حیوان اور پودے ملتے ہیں وہ اسی راستے ایشیا سے وہاں پہنچے تھے۔

ان دنوں کمیونزم کی یہ کوشش ہے کہ وہ چین سے ابھر کر ان جزائر پر چھا جائے تاکہ انڈونیشیا دنیا میں ایک خاص اہمیت حاصل کرے۔ اگر کمیونزم نے اس ملک پر اپنا تسلط جما لیا تو جنوب مشرقی ایشیا اور آسٹریلیا دونوں خطرے میں آ جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر اس ملک میں جمہوریت تمکن ہو گئی تو جنوب مشرقی ایشیا اور اس کے گرد و نواح کے وسیع و عریض علاقہ میں آزادی کے لئے بہت اچھے مواقع پیدا ہوں گے۔ آیئے! ان اہم جزائر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں۔

جاوا

صبح سویرے کا وقت ہے اور آپ ایک چھوٹے سے کھیت کے کنارے کھڑے ہیں۔ آپ نظر آئے گا کہ آپ کسی پرستان میں جا نکلے ہیں۔ اس کھیت کا رقبہ ایک ایکڑ کے تہائی سے بھی کم ہے لیکن اس کے گرد کانٹوں کے بجائے پھولوں کی باڑ ہے۔ اس کے اندر لڑکیاں اور شادابیاں اس طرح مسرت کا جھولا جھول رہی ہیں کہ آپ اسے کوئی اور دنیا سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پورے کے پورے جاوا کی مثال اس چھوٹی سی کشت زار کو سمجھ لیجئے۔

اس چھوٹے سے کھیت پر پانچ نفوس کام کرتے ہیں لیکن اس سے اتنا غلہ پیدا ہوتا ہے جس سے ان کی ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں اور فاضل غلہ شہر میں بیچنے کے لئے بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ انناس، شکر قند، کیلا وغیرہ بڑی افراط سے ہوتے ہیں۔ کھیت کی باڑ سے ملحقہ ایک چھوٹا سا تالاب ہے۔ مچھلیوں سے لبریز ہے۔ اور کھیت کے چاروں طرف ناریل، پپیتا، آم۔ اور سنترے کے درخت پھلوں سے لدے کھڑے ہیں۔

جس مکان میں آپ ٹھہرے ہیں وہ کچا ہے۔ اس کے برآمدے کے سامنے ایک آتش فشاں پہاڑ نظر آتا ہے جس کے دامن میں دھان کے سینکڑوں کھیت بالکل سیڑھیوں کی طرح واقع ہیں۔ اس طرح کہ اگر سب سے اونچے کھیت میں پانی دیا جائے تو وہ پانی نیچے کے کھیت تک خود بخود چلا آتا ہے اور ہر ایک کھیت کو سیراب کرتے چلا جاتا ہے۔ یہاں کھڑے آپ جس طرف بھی نظر دوڑائیں گے آپ کو چھوٹے چھوٹے تالابوں میں کالی کالی بھینسیں اور فضا کی پہنائیوں میں خوبصورت پرندے نظر آئیں گے۔ دوسری طرف پہاڑ کی چوٹیوں سے پانی سے لدے ہوئے بادل ابھرتے اور تیرتے دکھائی دیں گے۔ یہاں سے یہ تقریباً تیس ہزار فٹ کی بلندی پر جا کر ایک نیلگوں چھت کی طرح پورے جزیرے پر چھا جائیں گے۔

یہاں کے باشندے صنیع اور جفاکش ہیں وہ دن بھر کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور شام کے بعد سب کے سب ایک جشن مسرت کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں جسے یہاں کی مقامی اصطلاح میں "سلامتان" کہتے ہیں۔ اس میں کھانا بھی ہوتا ہے اور موسیقی بھی۔ شور بھی۔ اور غوغا بھی۔ گاؤں میں کوئی خوشی کا واقعہ ہو؛ اس کی تقریب میں "سلامتان" ضرور منایا جائے گا۔ گائے کا بچھڑا پیدا ہو، دھان کی فصل گھر میں آئے۔ یا کسی کی لڑکی کی شادی ہو "سلامتان" کا انعقاد ضرور ہو گا۔ بھونا ہوا بچھڑا اور مسالہ دار چاول۔ سلامتان کا مرغوب کھانا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ سے اس سلامتان میں سنیما کے فلم بھی دکھائی دینے لگے ہیں۔

یہاں کی آبادی بڑی گھنی ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی دوسرا ملک شاید ہی کر سکتا ہو۔ کم و بیش ایک ہزار نفوس فی مربع میل۔ اس کے باوجود وہاں خوراک کی بالکل کمی نہیں اور افلاس کا نام و نشان دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے آتش فشاں پہاڑ ان کی خوراک کا انتظام کر دیتے ہیں۔ ان کے ارد گرد کم و بیش پچاس آتش فشاں پہاڑ ہوں گے۔ انہوں نے ملحقہ زمینوں پر اس قدر زرخیز راکھ بکھیر دی ہے کہ ان میں اب کسی کھاد کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور پیداوار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

غذا کی افراط نے ان لوگوں میں فنون لطیفہ کا ذوق پیدا کر دیا ہے۔ یہاں کا آرکسٹرا ایشیائی موسیقی کا مظہر ہے۔ لوگ قریب قریب ان پڑھ ہیں لیکن ان کے تھیٹر بڑے مشہور ہیں۔ ان کے ڈرامہ نگار اپنے معاشرے پر کڑی تنقیدی نگاہ رکھتے ہیں۔

ملبوسات میں ایک کہکشانی قسم کا کپڑا تقریباً ساتویں صدی سے مروج چلا آتا ہے۔ اس کے رنگنے کا طریق عجیب ہے۔ کپڑے کے بعض حصے پر موم لگا دیتے ہیں اور باقی کو ویسا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے بعد اسے رنگ میں ڈبوتے ہیں تو مومی حصہ سفید رہ جاتا ہے۔ اس طرح اسے بار بار رنگنے سے اسے مختلف رنگوں کا لہریا بنا دیا جاتا ہے۔

جہاں تک فن تعمیر کا تعلق ہے ان کے ہاں مہاتما بدھ کی یادگار میں ایک معبد بنا ہوا ہے جو ایشیائی حسن تعمیر کا بہت اچھا نمونہ ہے۔ یہ اس زمانہ کی یاد دلاتا ہے جب یہاں بدھ حکمران تھے۔

جاوا کی روح ہندوستانی ہے۔ اس کا نام انڈونیشیا ایک جرمن جغرافیہ دان نے رکھا تھا۔ اس کے معنی ہیں "انڈیز کے جزائر"۔ اس ملک میں ہندوستان کا مذہب اور وہاں کی پرانی کہانیاں؛ انہیں بلکہ گیان دھیان کے طور طریقے ذات پات اور رسم و رواج سبھی وہیں کے ہیں۔ ۱۲۹۲ء کے قریب جب مارکوپولو انڈونیشیا گیا ہے تو یہاں ہندوستان کے راستہ ایک نیا مذہب چلا آ رہا تھا۔ یہ مذہب اسلام تھا۔ اس سے یہاں کے باشندے بہت مطمئن ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج انڈونیشیا دنیا میں مسلمانوں کی ایک بڑی مملکت شمار ہوتی ہے۔ لیکن اسلام کے راستے میں ایک ایسی رکاوٹ آ گئی جس کی وجہ سے یہ زیادہ تیزی سے پھیل نہ سکا۔ قدامت پرست مسلمانوں نے جاوا کی عورتوں کو برقعہ پہنانا چاہا۔ کہتے ہیں کہ ان عورتوں نے برقعہ کی ہنسی اڑائی اور اسے پہننے سے انکار کر دیا۔

+ + + + + +

بالی

جاوا سے مشرق کی طرف چند میلوں کے فاصلہ پر بالی کا جزیرہ واقع ہے جو بڑا ہی خوبصورت اور تعجب انگیز ہے۔ بیسویں صدی کے شروع تک اس جزیرہ کا کوئی نام تک نہیں جانتا تھا۔ اب بھی اس میں ہندو بستے ہیں۔ مسلمانوں نے اس میں اپنا عمل دخل چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ولندیزی حکمرانوں نے بھی چاہا

اس پر پُرامن طریقے سے تسلط جمالیا جائے۔ لیکن وہ کبھی ناکام رہے۔ لیکن ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے کہ اس ملک کے راجہ کے حکم سے جزیرہ کی تمام آبادی۔ عورتیں۔ مرد، بچے، ہاتھوں میں چھڑیاں لئے ولندیزیوں کی توپوں کا مقابلہ کرنے کے لئے یکدم نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے تو ولندیزی رُکے لیکن جب یہ لوگ آگے بڑھتے چلے گئے تو انہوں نے ان پر فائر کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ اس جزیرے کے تمام جوانمرد ایک ہی دن میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اس کے باوجود یہاں کے باشندوں نے نہ اپنے رسم و رواج چھوڑے، نہ عادات و اطوار بدلے۔ ۱۹۳۰ء میں باہر کا ایک سیاح یہاں پہنچا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی جب اس نے دیکھا کہ یہ جزیرہ نہایت حسین اور فطرت کی رنگینیوں کا نادرہ کار مجسمہ ہے۔ یہاں کا ہر مرد آرٹسٹ ہے اور ہر عورت رقاصہ۔ ہزاروں سال پہلے کے ڈرامے اسٹیج پر کھیلے جاتے ہیں۔ جنگلوں میں بہت پرانے زمانے کے مندر ہیں جن کے دروازوں پر نیم برہنہ حسین اور نوجوان عورتیں رقصاں دکھائی دیتی ہیں۔ جب یہ خبریں باہر کی دنیا میں پہنچیں تو تہذیب حاضرہ کے تھکے ہوئے انسانوں کے گروہ کے گروہ اس جزیرہ میں پہونچنے شروع ہوگئے۔ اور رفتہ رفتہ اس قدیم ترین تہذیب میں جدید تمدن کے عناصر کے حامل ادھر ادھر پھرتے دکھائی دینے لگے۔

جب انڈونیشیا نے آزادی حاصل کی تو بالی کا جزیرہ بھی عہد قدیم کی افسانوی دنیا سے نکل کر عصر حاضر کے اسٹیج پر نمودار ہوگیا۔ اس کا نظم و نسق جاوا کے مسلمان حکمرانوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سب سے پہلا حکم یہ نافذ کیا کہ وہاں کی نیم برہنہ عورتیں پورا لباس پہنا کریں وہاں زراعت کے نئے طریقے نافذ کئے گئے۔ تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ باہر کے مبلغین کو اس ملک کے اندر جانے کی اجازت ملی۔

* * * * * * *

سماٹرا

میرے نزدیک انڈونیشیا کا سب سے زیادہ تعجب انگیز خطہ سماٹرا ہے۔ خط استوا اس کے بیچوں بیچ گزرتا ہے۔ یہاں انسان تو کم بستے ہیں لیکن ٹین۔ تیل۔ ربڑ۔ معدنیات کی دولت اس افراط سے بکھری پڑی ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس میں بڑے بڑے قدیمی جنگلات کھڑے ہیں جو بعض مقامات پر پچھتّر سو میل اندر تک چلے گئے ہیں۔ یہ خطہ ارضی دنیا کی قدیم ترین تہذیب کا نمونہ ہے لیکن یہ چیز بڑی حیرت انگیز ہے کہ انڈونیشیا کا تمام ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ اسی خطہ زمین کی پیداوار ہے۔ اس کے شہروں میں سو فی صدی لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ مثلاً (KOTAGADANG) ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ سطحی نگاہ سے دیکھئے تو آتش فشاں پہاڑ کے دامن میں نیم جنگلی قسم کی جھونپڑیوں کا مجموعہ، لیکن انڈونیشیا کے بڑے بڑے سیاستدان، مصنف، مفکر، قانون دان، علمائے معاشیات اور وہ لوگ جنہوں نے اپنی خطابت سے اقوام متحدہ کے ایوان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ سب یہیں کی پیداوار ہیں۔ پورے ایشیا بھر میں کوئی دوسرا شہر ایسا نہیں ملے گا جس نے اس قسم کے ابنائے قوم پیدا کئے ہوں۔ اس کا راز کیا ہے۔ اس کے لئے مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی گئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس گاؤں کے لوگ اپنے مدرسے کو بہت پسند کرتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی پہاڑیوں کی ہوا اس قدر صحت افزا اور خوشگوار ہے کہ اس سے ذہن میں جلا پیدا ہوجاتی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لوگ گوشت زیادہ کھاتے ہیں اس لئے زیادہ ذہین ہیں۔ لیکن ان سب میں ایک قیاس ایسا ہے جو زیادہ قرین صحت نظر آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ شروع سے یہاں کا نظم و نسق عورتوں کے ہاتھ میں رہا ہے۔ اور ان عورتوں نے تعلیم پر خاص طور پر زور دیا ہے انہوں نے اپنے بچوں کو بہترین تعلیم دی ہے۔ اور قوم میں موسیقی رقص اور فلسفہ کو رائج کرکے باہمی قبائلی لڑائیوں کا خاتمہ کردیا ہے۔ سماٹرا کے میدانوں میں کالے کالے رنگ کے دریا ناگن کی طرح رینگتے نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ دریا جنگلوں میں سے گزرتے ہیں تو درختوں کے خضاب آلود پتے ان کا رنگ بدل دیتے ہیں۔ جنگلوں میں بندروں اور قسم قسم کے پرندوں کی بڑی افراط ہے۔ اس قسم کے ہاتھی جنہیں سدھایا نہیں جاسکتا۔ ادھر سے ادھر پھرتے ہیں۔ بڑے بڑے اژدھے اور مگرمچھ ہر طرف پھیلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور ان سب پر جنگل کا بادشاہ دھاڑتا شیر۔ یہ شیر دریاؤں کو عبور کرکے بستیوں میں آنکلتے ہیں اور بچوں کو اٹھا لیجاتے ہیں

* * * * * * *

مسالوں کے جزیرے

انڈونیشیا کے شمال مشرق میں کچھ پہاڑی مقامات ہیں جنہیں مسالوں کے جزیرے کہتے ہیں۔ اس مقام پر ایسے مسالے پیدا ہوتے ہیں جو دنیا میں کسی اور جگہ نہیں ملتے۔ یہی وہ مسالے تھے جن کی تلاش میں "واسکوڈے گاما" "راس امید" کے گرد چکر لگاتا ہوا سمندروں میں گھومتا پھرا۔ یہی وہ جزیرے تھے جن کی جستجو میں "کولمبس" نکلا اور امریکہ جا پہنچا۔ انہی جزیروں کی دولت تھی جس پر قابض رہنے کے لئے ہالینڈ نے اسپین، پرتگال اور برطانیہ سے لڑائیاں لڑیں اور انہی جزیروں کی خاطر اس نے ۱۶۲۳ء میں باقی انڈونیشیا کو بھی فتح کرلیا۔

* * * * * * *

کمیونزم

بعض مبصرین کا خیال ہے کہ انڈونیشیا کے تین سو آتش فشاں پہاڑوں میں اتنا اضطراب نہیں جتنا اضطراب آج اس ملک کی سیاست میں دکھائی دیتا ہے۔ مرکزی حکومت کے خلاف اس وقت وہاں پانچ انقلابی گروہ برسرپیکار نظر آتے ہیں۔ وہاں قیمتیں بہت چڑھی ہوئی ہیں اور حکومت کو سامان کی درآمد میں بڑی دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ ایک نوزائیدہ مملکت کو اس قسم کی دشواریوں کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ لیکن ان میں ایک خطرہ ایسا بھی ہے جو اس مملکت کے وجود کو بھی ختم کرسکتا ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے آپ وہاں کے کسی اسکول میں جا نکلئے آپ دیکھیں گے کہ اس کے ہر کمرہ میں "ماؤزے تنگ" کی تصویر ہوگی اور کمیونزم کی سرخ جھنڈیاں کمرہ کے باقی حصہ میں اور قسم کی تصاویر ہوں گی جن میں دکھایا گیا ہوگا کہ امریکہ کس طرح ایشیا کو ہڑپ کرلینے کی فکر میں ہے۔ اس باب میں انڈونیشیا کے رہنے والوں کا جواب یہ ہے کہ یہ تو چینی مدرسے ہیں اس لئے اگر یہ چاہیں تو کمیونسٹ رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ "سورابایہ" میں ۱۱ چینی اسکولوں میں سے ۱۰ کمیونسٹ ہیں۔ "مکاسر" کا نیا اسکول بالکل کمیونسٹ ہے۔ اور ان سب کے اوپر انڈونیشیا کی کمیونسٹ پارٹی ہے۔ میں نے جب وہاں کے ایک باشندے سے ان تمام امور کا تذکرہ کیا تو اس نے کہا کہ ہم کمیونزم اور سرمایہ داری میں غیر جانبدار رہنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ کمیونسٹوں نے دو دفعہ یہ کوشش کی ہے کہ وہ تمہارے ملک کو کشت و خون اور انقلاب کے ذریعہ ہتھیالیں۔ اس کا جواب یہ تھا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے دونوں مرتبہ انہیں واپس جانے پر مجبور کردیا۔ اس نے کہا کہ ہم ہر یورپین حکومت سے نفرت کرتے ہیں۔ اور امریکہ کی طرف سے ہمارے دل میں بدگمانی ہے۔ لیکن یورپ سے نفرت سے یہ مراد نہیں کہ ہم کمیونزم کو پسند کرتے ہیں۔ ہم ہر قسم کے بیرونی غلبہ سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ وہاں کمیونزم دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔ کمیونسٹ دیہاتوں میں پھیل رہے ہیں۔ تجارتی ادارے ان کے کنٹرول میں ہیں اور یونیورسٹیوں کے شعبے ایک ایک کرکے ان کے ہاتھ میں چلے جارہے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ولندیزیوں نے ان پر اس بُرے انداز سے حکومت کی کہ اب وہ یورپ کی ہر قوم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مجھے وہاں کے ایک صنعت کے ماہر نے بتایا کہ ولندیزیوں نے ہم پر تین سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ جب وہ یہاں سے گئے ہیں تو ہمارے ہاں آٹھ کروڑ کی آبادی میں صرف ستر انجینیئر تھے۔ ہماری ۹۰ فی صد آبادی ناخواندہ تھی۔ ہمارے ہاں کل دو سو کے قریب گریجویٹ تھے۔ اگرچہ ہم کاشتکاروں کی قوم ہیں لیکن ہمارے ہاں کوئی شخص زراعت کا ماہر نہیں تھا۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کے پاس اتنا لمبا ساحل ہو جتنا ہمارے ہاں ہے۔ لیکن یہاں ایک بھی جہاز کا کپتان نہیں تھا۔ جب ہم اس کے لئے درخواست کرتے تھے تو ہم سے کہا جاتا تھا کہ تم میں جہازرانی کی صلاحیت ہی نہیں۔ ان تین سو سال کے عرصہ میں ہمارے ہاں کی دولت لوٹ کھسوٹ کر یورپ پہنچائی جاتی رہی۔ کہئے کہ ہم ان تمام مظالم کو کیسے بھلا سکتے ہیں؟ اس کا نتیجہ فی الواقع تاسف انگیز ہے۔ (اس کے بعد مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ولندیزی درحقیقت اتنے مجرم نہیں تھے)

* * * * * *

جکارتا

یہ انڈونیشیا کا دارالسلطنت ہے۔ اگرچہ یہاں کی گرمی بہت ستانے والی ہے لیکن شہر میں نئی توانائی کے مظہر دکھائی دیتے ہیں۔ یعنی یہاں ایشیائے جدید اپنے مقدر کے سانچے کو نئے قالبوں میں ڈھال رہا ہے۔ حکومت کے دفاتر میں ایسے نوجوان نظر آتے ہیں جن میں سے کسی کی عمر تیس سال سے زیادہ نہیں حتیٰ کہ کابینہ کے ممبران کی اوسط عمر بھی چھتیس سال سے زیادہ نہیں۔ ولندیزی اس شہر کو "بٹاویا" (BATAVIA) کہتے تھے جس کے معنی ہیں "گوروں کا قبرستان"۔ یہ اس لئے کہ یہ ایک دلدل کے مقام پر واقع ہے۔ اور یہاں کا بخار کسی کو نہیں چھوڑتا تھا۔ اب اس شہر کی آب و ہوا نسبتاً اچھی ہے۔ لیکن آبادی حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس سے پہلے اس کی آبادی ساڑھے سات لاکھ تھی۔ اب یہاں قریباً بیس لاکھ نفوس آباد ہیں۔ یہاں مکان کا ملنا ناممکنات میں سے ہے۔ لیکن شہر بہت گندہ ہے۔ یہاں وہاں پانی کی چھوٹی چھوٹی نالیاں دکھائی دیتی ہیں۔ جن کے کنارے لوگ سبزی دھوتے ہیں۔ مسواک کرتے ہیں۔ استنجا کرتے ہیں۔ نہاتے ہیں۔ اور کسی بھینسے کی گلی سڑی لاش کو ایک طرف کرکے وہاں گوشت صاف کرتے ہیں جو دو گھنٹے کے بعد کھانے کی میز پر آجائے گا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ چھ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے پانچ بچوں میں سے صرف دو باقی رہ جاتے ہیں۔

جکارتا میں قریب قریب تمام دکانیں چینیوں کی ہیں، جو تجارت بھی کرتے ہیں اور ساہوکارہ بھی۔ جب انڈونیشیا والوں سے

کہا جاتا ہے کہ تم ان چینیوں کو باہر کیوں نہیں نکالتے جو کمیونزم پھیلاتے ہیں تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ چلے گئے تو یہاں کا کاروبار کون چلائے گا۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ خود انڈونیشیا والے کیوں نہیں چلائیں گے تو وہ جواب دیں گے کہ دوکان پر بیٹھنا کون پسند کرتا ہے؟

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اُمید کی کرن لیکن ان تمام کمزوریوں کے باوجود انڈونیشیا ایک جوان اور توانا قوم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا مستقبل محفوظ ہے " اور کمیونزم بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

میرے اس یقین کی وجوہات حسب ذیل ہیں:

(۱) یہاں کوئی شخص بھوکا نہیں رہتا۔

(۲) یہاں طبقات کا امتیاز بہت کم ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جن کے پاس دولت بڑی افراط سے ہے۔

(۳) اگر یہاں اقتصادیات کا اچھا انتظام کر لیا جائے تو اس کی تجارتی میزان ہمیشہ اعتدال پر رہ سکتی ہے۔

(۴) چونکہ انڈونیشیا والے دستکار ہیں اور ان کی روایات کے مطابق دستکاری اور جفاکشی کو برا نہیں سمجھا جاتا، اس لئے یہاں صنعت پیشہ لوگوں کا معاشرہ آسانی سے قائم ہو سکے گا۔

(۵) اس قوم میں بڑی قوت برداشت ہے۔ اگرچہ آبادی کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ لیکن وہاں کی ہندو۔ عیسائی۔ اور بدھ اقلیتیں بڑے اطمینان سے رہتی ہیں۔

(۶) اس قوم نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ ہم جہالت کو دور کر دیں گے۔

(۷) وہاں کا پریس آزاد ہے۔

اور سب سے آخر یہ کہ ان لوگوں نے یہ عزم راسخ کر رکھا ہے کہ وہ اپنی قوم کو مستحکم بنائیں گے۔ وہ ڈکٹیٹر شپ کے سخت خلاف ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اپنی آزادی میدان جنگ میں حاصل کی، اور وہ اسے کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

خطرے کے نشانات لیکن اس کی دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اس ملک میں بعض خطرے کے نشانات بھی ہیں۔ اور اگر ان کی طرف جلد توجہ نہ دی گئی تو یہ شاید اس قوم کے لئے مہلک ثابت ہوں۔ یہ خطرات حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہاں کے باشندے اس کا اعتراف کریں گے کہ ہمارے ہاں تین بڑی بڑی وبائیں ہیں۔ رشوت ستانی اور بددیانتی بکثرت اور اقربا پروری۔

(۲) درآمد کے لائسنسوں کا بہت برا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ دیکھا کہ انڈونیشیا کا ایک تاجر سوئٹزرلینڈ کی کسی فرم سے چار ہزار پونڈ کا لوہے کا ضروری سامان خریدنا چاہتا تھا۔ لائسنس دینا ایک سیاسی لیڈر کے اختیار میں تھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سودے میں ایک سو پچاس فی صدی منافع کی توقع رکھتا ہوں۔ سوئٹزرلینڈ کی فرم نے کہا کہ ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ ہم اس مال کی قیمت دس ہزار پونڈ لیں۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ انڈونیشیا کا نہایت قیمتی اسٹیل لوہے کے سامان پر صرف نہ ہوا بلکہ کیمرے۔ جاکلم بکس۔

تیل۔ صابون میں ضائع کر دیا گیا۔ اس لئے کہ اس مال پر منافع بہت زیادہ مل سکتا تھا۔

(۳) چونکہ انڈونیشیا والے اہل یورپ اور امریکہ کی طرف سے بدظن ہیں اس لئے اگر یہ لوگ وہاں اپنا سرمایہ لگانا چاہیں تو اسے وہ خوش آیند نہیں سمجھتے۔ دوسرے ممالک نے بیرونی سرمایہ کو خوش آیند کہا ہے اور اس کے باوجود ان کی سیاسی آزادی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ انڈونیشیا کو ان سے سبق سیکھنا چاہیئے۔

(۴) وہاں کے مزدوروں کی حالت یہ ہے کہ کام کم کرتے ہیں اور معاوضہ زیادہ مانگتے ہیں۔ چنانچہ اب وہاں مطالبہ یہ ہے کہ ہم بارہ مہینے کام کریں گے اور پندرہ مہینے کی تنخواہ لیں گے۔

(۵) اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس قوم میں انتشار نہیں پیدا ہونا چاہیئے۔ یہاں کی جغرافیائی حالت کو دیکھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یہاں فیڈرل انداز حکومت سب سے زیادہ موزوں رہے گا۔ لیکن ولندیزیوں نے یہاں فیڈرل انداز کی ایسی مٹی پلید کی کہ اب یہ لوگ اسے اپنے حق میں سم قاتل سمجھتے ہیں۔

بہرحال انڈونیشیا کو قائم اور آباد رہنا چاہیئے۔ یہ بڑا ہی حسین ملک ہے۔ یہاں کا آتش فشاں پہاڑ زرخیز راکھ برساتا ہے یہاں کا سمندر دولت سے لبریز ہے۔ یہاں کے دھان کے کھیت بڑی فصل دیتے ہیں۔ مجھے یہ بات کبھی نہیں بھولے گی کہ ایک دن جب میں ایک انڈونیشیا کے سیاسی لیڈر سے بورنیو کے متعلق باتیں کر رہا تھا کہ اس کی آبادی کتنی کم ہے تو اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا کہ وہ ملک بڑا غریب ہے۔ اس کے پاس جواہرات۔ سونا۔ کوئلہ لوہا۔ اور تیل کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔

اس قسم کا خوشحال ملک چند غلطیوں کا متحمل بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ ان پر اصرار نہ کیا جائے۔

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرچے دفتر میں موجود ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۹۴۹ء	اگست۔ ستمبر۔ نومبر۔ دسمبر
۱۹۵۱ء	جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری و اکتوبر کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بنڈ ہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔ خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

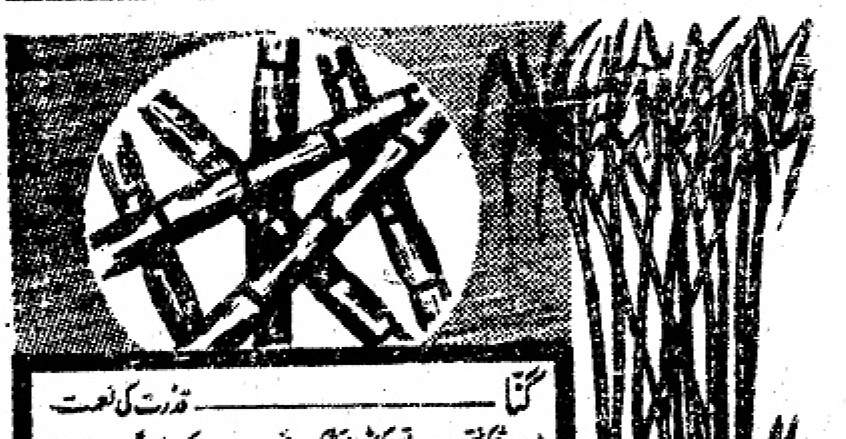

درسِ بخاری

(۲)

طلوع اسلام مورخہ ۵ نومبر ۱۹۵۵ء کے تسلسل میں صحیح بخاری کی منتخب احادیث بلا تنقید و تبصرہ پیش کی جارہی ہیں۔ احادیث کا ترجمہ مرزا حیرت صاحب دہلوی کا کیا ہوا ہے جو نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی سے شائع ہوا ہے۔ حوالہ کے لئے حدیث سے پہلے صفحہ اور حدیث کا نمبر دے دیا گیا ہے اوپر صفحہ نمبر ہے اور نیچے حدیث نمبر ہے۔ ذیل کی احادیث جلد دوم سے لی گئی ہیں۔

(۹/۵) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ یعنی ایک کم سو جو شخص ان کو یاد کرے۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۳/۵) حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ سب لوگوں میں افضل کون ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مومن جو اپنی جان سے اور اپنے مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا اس کے بعد کون۔ آپ نے فرمایا وہ مومن جو پہاڑ کے کسی درے میں رہتا ہو اور (وہیں) خدا کی عبادت کرتا ہو۔ اور لوگوں کو اپنے ضرر سے محفوظ رکھتا ہو۔

(۲۵/۶) حضرت خارجہ بن زید سے روایت ہے کہ حضرت زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ جب قرآن مجید متفرق پرچوں سے (نقل کرکے) مصحف میں لکھا گیا تو ایک آیت احزاب کی مجھے نہ ملی. میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے پڑھتے ہوئے سنتا تھا پس میں نے اسے نہ پایا۔ مگر خزیمہ انصاری کے پاس جن کی شہادت کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا وہ آیت یہ تھی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ۔

(۲۹/۶) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اصحاب بیر معونہ کو قتل کیا تھا تیس دن بددعا کی تھی۔ یعنی قبیلہ رعل اور ذکوان اور عصیہ کے لئے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی حضرت انس کہتے ہیں کہ جو مسلمان بیر معونہ میں قتل کئے گئے تھے۔ ان کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی تھی جس کو ہم نے پڑھا بھی۔ پھر اس کے بعد منسوخ ہوگئی (وہ آیت تھی) بلغوا قومنا قد لقینا ربنا فرضی عنا ورضینا عنہ۔

(۳۰/۶) لیث کا قول ہے کہ مجھ سے جعفر بن ربیعہ نے عبدالرحمٰن بن ہرمز سے نقل کیا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سلیمان بن داؤد (پیغمبر علیہما السلام) نے (ایک روز) کہا کہ آج شب کو میں سو عورتوں کے پاس یا ننانوے عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ وہ سب عورتیں ایک ایک شہسوار پیدا کریں گی۔ جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا تو ان سے ان کے ایک ہمنشین نے کہا کہ انشاء اللہ کہو۔ مگر انہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا۔ پس ان میں سے صرف ایک عورت حاملہ ہوئی سو وہ بھی آدھا بچہ جنی۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو سب عورتوں کے بچے پیدا ہوتے اور بے شک وہ سب سوار ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔

(۳۴/۹) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔ وہ شخص جو طاعون کے مرض میں مرجائے۔ اور وہ شخص جو پیٹ کے مرض میں مرجائے اور دب کے مرجائے۔ اور خدا کی راہ میں شہید ہوجائے۔

(۳۶/۱۰۹) حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے خیر وابستہ ہے۔

(۳۷/۱۱۰) عروہ بن جعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر قیامت تک کے لئے وابستہ ہے۔

(۳۷/۱۱۱) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت رکھی ہوئی ہے۔

(۳۸/۱۱۸) حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نحوست صرف تین چیزوں میں ہے گھوڑے میں، اور عورت میں اور گھر میں۔

(۳۸/۱۱۹) حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نحوست کسی چیز میں ہو تو عورت میں اور گھوڑے میں اور مکان میں ہوگی۔

(۵۹/۱۹۲) حضرت علی کہتے ہیں کہ جب جنگ احزاب کا دن آیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ان (کافروں) کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں درمیانی نماز (یعنی نماز عصر) پڑھنے سے روکا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔

(۵۹/۱۹۳) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قنوت میں یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ سلمہ بن ہشام کو (کفار کے ظلم سے) نجات دے۔ اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے اے اللہ عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے اے اللہ کمزور مسلمانوں کو نجات دے۔ اے اللہ اپنی پامالی (قبیلہ) مضر (کے کافروں) پر سخت کر دے۔ اے اللہ قحط سالیاں ڈال دے جس طرح یوسف (کے عہد) کی قحط سالیاں (تھیں)۔

(۷۶/۲۶۴) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کے ساتھ بھیجا۔ اور فرمایا کہ اگر فلاں اور فلاں شخص کو پانا تو اسے آگ میں جلا دینا۔ بعد اس کے جب ہم جانے لگے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں اور فلاں شخص کو آگ میں جلا دینا۔ مگر آگ سے تو خدا ہی عذاب کرتا ہے۔ لہذا اگر تم انہیں پانا تو قتل کر دینا۔

(۷۷/۲۶۵) عکرمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی نے کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا تھا۔ حضرت ابن عباس کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں (ان کی جگہ پر) ہوتا تو ہرگز انہیں نہ جلاتا اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے عذاب سے (کسی کو) عذاب نہ کرو اور بے شک میں انہیں قتل کر دیتا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو۔

مقامِ حدیث
دو جلدوں میں
قیمت فی جلد چار روپے

سالمارین
دردوں کیلئے اکسیر ہے
گٹھیا، رینگن، درد کمر، ریاحی درد، درد شقیقہ سر درد اور زہریلے جانوروں کے کاٹے کیلئے اکسیر ہے
انتہائی درد کی بے چینی کو دور کر کے سکون پہنچاتی ہے
اس کا مسلسل استعمال دائمی آرام کا ضامن ہے
ہوائی جہاز ـــ ریل ـــ اور بحری جہاز میں سفر کرنیوالوں کیلئے
سالمارین
بہترین وقتی مددگار ہے
قیمت فی شیشی دو روپے علاوہ محصول ڈاک
اپنے شہر کے ہر اچھے دوا فروش سے خریدیں
یا
سالما لیبارٹریز (پاکستان)
۲۷۔ زینت مینشن۔ میکلوڈ روڈ ۔ کراچی

حقائق و عبر

شدھی کی نئی منطق

۴ ہر اکتوبر ۱۹۵۵ء کے اخبار "الجمعیۃ" (دہلی) نے "شدھی کی نئی منطق کے عنوان سے حسب ذیل شذرہ شائع کیا ہے۔

معاصر قومی آواز لکھنؤ کی اطلاع ہے کہ لکھنؤ میں پانچ نومبر سے سات نومبر تک شدھی مہا یجنہ ہوگا جس کے لئے انتظامات شروع کر دیئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں لکھنؤ میں ایک جلسہ عام بھی ہوا ہے جس میں یوپی ہندو مہاسبھا کے جنرل سکریٹری شری دشوا ناتھ اگروال نے کہا کہ "شدھی کا مقصد یہ ہے کہ ہر فرد پر یہ بات واضح ہو جائے کہ تبدیل مذہب سے پہلے وہ کس مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک فرد جو ہندو گھرانے میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں جا سکتا۔ جو مسلمان اور عیسائی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تبدیل مذہب کر چکے اس لئے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اپنی کم علمی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہ لوگ مکمل طور پر ہندو ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ شدھی کی تحریک کو چلا کر اس غلط فہمی کو دور کیا جائے؛ مطلب یہ ہے کہ جو عیسائی اور مسلمان ہندوؤں سے گئے ہیں۔ وہ عیسائی اور مسلمان ہوتے ہوئے بھی مکمل طور پر ہندو ہیں۔ اور جب وہ ہندو ہیں تو انھیں ہندو بنانے کے لئے شدھی کی تحریک چلانی چاہیئے! ہماری حکومت اور اس کے ساتھ ساری دنیا کو سن لینا چاہیئے کہ فرقہ پرستوں کے ارادے کیا ہیں؟"

یوپی ہندو مہاسبھا کے جنرل سکریٹری نے جو کچھ کہا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک ہندو کبھی اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ مذہب تبدیل کرتا ہے تو اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔ وہ ہندو کا ہندو ہی رہتا ہے۔ یہ ہے وہ نظریہ جسے الجمعیۃ نے قابل اعتراض قرار دیا ہے۔ اس سے ایک ایسا اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ جو ہمارے نزدیک غور و فکر کا محتاج ہے۔ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے (اور مودودی صاحب نے تو اس مسئلہ پر ایک پمفلٹ شائع کیا تھا) کہ کسی مسلمان کو تبدیل مذہب کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اور اگر وہ اپنا مذہب تبدیل کرے تو وہ واجب القتل ہے۔ ہم نے اس کے جواب میں بصراحت لکھا تھا کہ یہ تصور قرآن کریم کی کھلی ہوئی تعلیم کے خلاف ہے۔ اور اس کے بعد یہ کہا تھا کہ اگر غیر مذاہب والے بھی یہی روش اختیار کر لیں۔ تو اس سے اسلام کی تبلیغ ہی ختم ہو جائے گی۔

ہم مودودی صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر اسلام کا حکم وہ ہے جو انھوں نے بیان کیا ہے (کہ کوئی مسلمان اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتا) تو ہندوستان میں جو نظریہ ہندو پیش کر رہے ہیں۔ ان کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ یہ سوال اس لئے بھی اہم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ آج ہندوستان کا ہندو کہہ رہا ہے۔ وہی کچھ کل کو پاکستان کا ہندو بھی کہے گا (کہ جس طرح آپ مسلمان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ مذہب تبدیل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ہم ہندو کے متعلق بھی کہتے ہیں) تو فرمایئے کہ اس وقت آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟

یاد رکھئے! اس دین کی رو سے جو خدا کی طرف سے رسول اللہ کو ملا تھا۔ مذہب (دین) کے معاملے میں جبر و اکراہ کی قطعاً اجازت نہیں۔ ہر شخص کو اس کی آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنی دانست میں جس مذہب کو صحیح سمجھے اسے بطیب خاطر قبول کرلے۔ اس اصول کا مسلم اور غیر مسلم سب پر یکساں طور پر اطلاق ہوتا ہے۔

الہامی خواب

ہمارے ہاں قادیانی فرقہ بھی خیر سے بڑا دلچسپ واقع ہوا ہے۔ اور آپ مانیں یا نہ مانیں ہم تو یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان کا وجود حاضر کے انسان پر بڑا احسان ہے۔ آج جب کہ حالت یہ ہو چکی ہے کہ انسان مختلف قسم کی مشکلات اور مصائب سے گھبرایا رہتا ہے۔ ان کا لٹریچر اس تھکے ماندے انسان کے لئے بڑی عمدہ تفریح کا سامان پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ان کے امام مرزا بشیر الدین محمود صاحب یورپ کی سیاحت کے بعد واپس تشریف لائے ہیں تو انھوں نے اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا۔

"میں نے زیورچ میں ایک خواب دیکھا کہ میں ایک پارک کے سامنے کھڑا ہوں۔ آسمان سے ایک نور اترا اور وہ سب سے پہلے میرے لڑکے ناصر احمد کے وجود میں گھس گیا۔ اس کے بعد میرے لڑکے مرزا مبارک کے وجود میں داخل ہو گیا۔ میں نے کہا کہ کاش عزیزم سر ظفر اللہ میرے لڑکے مبارک کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ تو وہ بھی اس نور سے مستفید ہوتے۔ چنانچہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ عزیزم سر ظفر اللہ نے مرزا مبارک کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور یہ خداوندی نور ان کے وجود میں بھی داخل ہو گیا۔ اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے تینوں کو مستفید فرمایا۔"

ارباب بصیرت سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہوگی کہ یہ خواب دراصل آئندہ خلافت کی بنیادوں کو استوار کرنے اور اس مسئلہ کو اپنے ہی گھرانے میں محدود رکھنے کی تمنا ہے۔ لیکن اس کا دلچسپ حصہ وہ ہے جو اس کے بعد آتا ہے۔ اور جس میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ

میرے ساتھ اللہ تعالٰے کی یہ سنت دیرینہ ہے کہ میں جو کچھ سوچتا ہوں۔ وہ خواب بنا کر مجھے دکھا دیا جاتا ہے۔

(بحوالہ المنیر مورخہ ۱۰ ۵۵)

حضرت مرزا صاحب کو غالباً اس کا علم نہیں کہ خوابوں کے متعلق "اللہ تعالٰے کی یہ سنت دیرینہ" ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ جانوروں تک کو بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ چنانچہ پنجابی کا یہ محاورہ مرزا صاحب نے ضرور سنا ہوگا کہ "بلی کو چھیچھڑوں کے خواب نظر آتے ہیں"؛ یعنی جو کچھ وہ سوچتی رہتی ہے۔ وہی کچھ خواب بن کر سامنے آجاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے معتقدین تو اس پر بھی مجبور ہیں گے کہ اللہ تعالٰے حضرت صاحب کو الہامات کے ذریعہ آنے والی باتوں کا خواب دکھا دیتا ہے۔ لیکن خوابوں کے متعلق علم تجزیہ نفس کے ماہرین کی تحقیقات جن لوگوں کے سامنے ہیں وہ جانتے ہیں کہ انسان کی وہ آرزوئیں جو اس کے دل میں مچلتی ہیں۔ اور پھر حسرت بن کر اس کے تحت الشعور میں جا چھپتی ہیں وہی پھر خواب بن کر اس کے قلب مضطرب کے لئے وجہ تسکین بنتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آجکل مرزا صاحب کے دل پر اپنی جانشینی کا مسئلہ اس درجہ حاوی ہے۔ اور سر ظفر اللہ خاں صاحب

تحفہ دینا

اچھّی بات ہے

بی۔ پی

کی مٹھائیاں

تحفہ میں

دیجئے

کا کھانٹا ایسا پہلو خراش واقع ہوا ہے کہ وہ ہر وقت اسی خیال میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اور یہی خیالات خواب بن کر ان کے سامنے آتے ہیں۔ اسی کا نام ان کی لاہوتی زبان میں "اللہ تعالیٰ کی سنت دیرینہ" ہے۔ جسے وہ اپنے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ خود فریبی یا ابلہ فریبی کی اس سے نمایاں مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔؟

خودساختہ زنجیریں

اس خارجی کائنات پر غور کیجئے۔ مختلف چیزیں مختلف پابندیوں کے ماتحت سرگرم عمل نظر آئیں گی۔ لیکن یہ پابندیاں ان کی اپنی عاید کردہ نہیں۔ بلکہ فطرت کی طرف سے ان کے اندر ودیعت کردہ ہیں۔ بکری گھاس کھاتی ہے۔ شیر گوشت کھاتا ہے۔ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ پتھر نیچے کی طرف گرتا ہے۔ غبارہ اوپر کی طرف اڑتا ہے۔ یہ سب پابندیاں ان پر خارج سے عاید شدہ ہیں۔ لیکن انسان کی دنیا عجیب ہے۔ اس پر کچھ پابندیاں تو دیگر حیوانات کی طرح از خود عاید ہیں۔ مثلاً پیاس کے لئے پانی پینا، بھوک کے لئے کھانا کھانا۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ سخت اور متشدد زنجیریں وہ ہیں جن میں اس نے اپنے آپ کو خود جکڑ رکھا ہے۔ رسم و رواج کی زنجیریں۔ غلط معتقدات کی زنجیریں۔ ان زنجیروں کی شدت کا ایک بار مظاہرہ قریباً بیس سال پہلے ہوا تھا جب انگلستان جیسی مملکت غلطی کا شاہنشاہ ایڈورڈ ہشتم اپنی مرضی کے مطابق شادی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس مملکت کے خود عاید کردہ قواعد اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس پر ملک میں بڑا ہنگامہ برپا ہوا اور اس شاہنشاہ بے بس و مجبور کو تاج و تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ دنیا اس پر حیران تھی کہ انسان ابھی کس بچپن کے زمانے سے گزر رہا ہے۔ اب اسی منظر کا اعادہ اس شہنشاہ کی بھتیجی شہزادی مارگریٹ کی شادی کے سلسلہ میں ہوا ہے۔ شہزادی ایک نوجوان سے اپنی مرضی کے مطابق شادی کرنا چاہتی تھی لیکن مملکت کے آداب اور کلیسا کے احکام اس کے خلاف تھے۔ عیسائیت کی رو سے شادی ایک معاہدہ نہیں جسے خاص حالات کے ماتحت باہمی رضامندی سے توڑا جا سکے۔ یہ ایک مقدس نوشتہ ہے جسے لکھا تو انسان کی مرضی کے مطابق جاتا ہے لیکن وہ اسے مٹانے پر قادر نہیں ہوتا۔ اور چونکہ یہ نوجوان طلاق یافتہ تھا اس لئے کلیسا اس شادی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ شہزادی مارگریٹ ان پابندیوں کو بالائے طاق رکھ کر سول میرج کر سکتی تھی لیکن اس صورت میں اسے شاہی مراعات سے دستبردار ہونا پڑتا تھا چنانچہ یہ کشمکش مہینوں تک جاری رہی اور بالآخر محبت اور آزادی کو، رسوم و قواعد کے حضور جھکنا پڑا اور شہزادی یہ کہنے پر مجبور ہو گئی کہ میں اس نوجوان کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔ شاہنشاہ ایڈورڈ ہشتم نے ہمت سے کام لیا لیکن شہزادی مارگریٹ کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔

عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

ہمارا دور بالکل مشینی دور ہو چکا ہے جس میں رومان بھی میکانیکل طریقے پر وجود کوش ہوتا ہے۔ اگر یہ دونوں واقعات کسی سابقہ دور میں پیش آتے تو نہ معلوم رومانی شاعر انہیں کیا سے کیا بنا کر پیش کرتے۔ لیکن اب یہ خبریں اخباروں کے فائل کے انبار میں دب کر رہ جائیں گی۔

نقد و نظر

ذیل کی تین کتابیں ہمیں انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) کی طرف سے بغرض تبصرہ موصول ہوئی ہیں۔ ان کتابوں کو دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی کہ اردو زبان کی اس قدر شدید مخالفت کے باوجود ہندوستان میں انجمن ترقی اردو اچھی اچھی کتابیں دوسری زبانوں سے اردو میں منتقل کر رہی ہے۔ اور اچھے پایہ کی ادبی کتابیں شائع کر رہی ہے۔

کاروانِ معیشت

ان میں پہلی کتاب کا نام ہے "کاروان معیشت"۔ معاشیات جہاں ایک طرف نہایت اہم موضوع ہے۔ وہاں دوسری طرف بڑا خشک بھی ہے۔ اردو زبان میں اس موضوع پر بہت کم لٹریچر ہے گا۔ لیکن انگریزی زبان میں اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور لکھا جا رہا ہے۔ لیکن جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بیشتر فنی اور اصطلاحی ہونے کی وجہ سے خشک واقع ہوا ہے۔ اور اس سے اس فن کے خصوصی طالب علم ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ لیکن انگریزی کی انہی کتابوں میں ایک کتاب "لیو ہیوبرمین" کی ہے۔ جس نے اس جامد یابس موضوع پر ایسے دلچسپ اور ہلکے پھلکے انداز میں لکھا ہے کہ کتاب میں ایک ناول کی سی کشش اور روانی پیدا ہو گئی ہے۔ اس کتاب میں قوموں کی دولت اور وسائل پیداوار سے بحث کی گئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ نجم الدین صاحب شکیب ایم اے نے کیا ہے جسے انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) نے اچھے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ جو لوگ معاشیات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیکن اصل کتاب انگریزی زبان میں نہیں پڑھ سکتے۔ انہیں اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراجِ انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور رسول کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً ۸۰۰ صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیز کاغذ۔ مضبوط جلد۔ قیمت [illegible]

ابلیس و آدم (از پرویز) سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم، جنات، ملائکہ، وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات۔ قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستورِ پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؛ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؛ اس کا جواب ہے پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات۔ قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات۔ قیمت چار روپے

اسبابِ زوالِ امت (از پرویز) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہر سے نشتر۔ سات سال دورِ آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۰ صفحات۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۔ کراچی

بین الاقوامی جائزہ

مذاکرات جنیوا کسی نتیجہ تک نہیں پہونچ سکے مگر ان کا سلسلہ جاری ہے۔ اور غالباً موجودہ دور مذاکرات ختم ہو جانے پر اسے کسی نہ کسی رنگ میں جاری رکھا جائے گا۔ چاروں ممالک کے وزرائے خارجہ نے پہلے جرمن وحدت کا مسئلہ لیا۔ اس سے اگلا اور اس سے متعلق یورپی تحفظ کا سوال تھا۔ لیکن جرمن وحدت پر کچھ تصفیہ نہ ہو سکا۔ اس سے یورپی تحفظ کا مسئلہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا۔ چنانچہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ان مسائل پر اتفاق رائے مشکل ہے، تحدید اسلحہ اور دیگر مسائل کی طرف توجہ دی گئی۔ تحدید اسلحہ کے بارے میں کچھ تصفیہ نہیں ہو سکا اور نوبت تعطل تک پہنچ گئی۔ لیکن تعطل ایسا نہیں جس سے سلسلہ مذاکرات مسدود ہو جائے۔ فریقین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تحدید اسلحہ پر بدستور اقوام متحدہ کی وساطت سے غور و خوض جاری رہے۔ واضح رہے کہ موجودہ جنیوا کانفرنس سے پیشتر اقوام متحدہ کی ایک ذیلی کمیٹی اس مسئلہ پر غور کر رہی تھی۔ اب معاملہ پھر اس کے سپرد ہو جائے گا۔ جنیوا کانفرنس نے البتہ بعض حدود متعین کر دی ہیں۔ یعنی (۱) ایٹمی جنگ ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی جارحانہ جنگ ممنوع قرار دی جائے (۲) ایٹمی اور غیر ایٹمی دونوں قسم کے اسلحہ کم کئے جائیں (۳) تمام ایٹمی ممالک ایسی سائنسی تحقیق میں مصروف رہیں جن سے ایٹمی اسلحہ پر بین الاقوامی نگرانی ممکن العمل ہو سکے (۴) اقوام متحدہ کی پنج ارکانی کمیٹی فی الحال اس مسئلہ پر غور و خوض کرے اور بہار میں چاروں ممالک کے وزرائے خارجہ کی پھر کانفرنس منعقد کی جائے مزید مذاکرات میں ان تجاویز کو پیش نظر رکھا جائے گا جو جنیوا کانفرنس کے دوران میں زیر بحث آئیں۔ اور کسی ایک یا دوسرے فریق نے مسترد کر دیں۔

مشرق وسطیٰ کا معاملہ جو ابھر کر سامنے آ گیا ہے۔ وہ بھی زیر بحث آیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ روس کو اس اہم علاقہ میں قدم جمانے کا جو موقعہ مل رہا ہے۔ وہ اسے ضائع نہیں کرنا چاہتا چنانچہ وہ اپنی موجودہ پالیسی ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ روس سے معاملہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے امریکہ اپنے طور پر اس مسئلہ کا حل تلاش کر رہا ہے۔ کانفرنس کے دوران میں مسٹر ڈلیز خاص طور پر یوگوسلاویہ گئے۔ اور مارشل ٹیٹو سے ملے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ وہ یا کوئی اور امریکی سکریٹری آف اسٹیٹ یوگوسلاویہ گئے ہیں۔ ملاقات کے بعد دونوں نے اعلان کیا کہ روسی حلقہ بگوش ممالک کو آزادی ملنی چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مارشل ٹیٹو اقوام مغرب کے موید ہیں اور ان پر روسی قائدین — بلگانن اور کرد شیف وغیرہ — کے دورے کا چنداں اثر نہیں ہوا۔ شاید اسی تائید کا اثر ہے کہ بعض اطلاعات کے مطابق مسٹر ڈلیز نے مارشل ٹیٹو کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ مصر جائیں۔ مارشل ٹیٹو مصر جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ لیکن انھوں نے اپنا سفر فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسٹر ڈلیز نے ان کو جلدی جانے پر آمادہ کیا ہے۔ اتنا بہرحال یقینی ہے کہ وہ دونوں مشرق وسطیٰ کو زیر بحث لائے۔ اس کا اعتراف خود مسٹر ڈلیز نے کیا۔ اس سے یہ خیال کرنا مشکل نہیں کہ انھوں نے مارشل ٹیٹو کو مصر جانے پر آمادہ کیا ہوگا۔ مارشل ٹیٹو روسی حلقہ بگوش تھے۔ پھر ادھر سے کٹ گئے اور غیر جانبداری کے دلدادہ رہے۔ اب انھوں نے اس موقف کو پوری طرح نہیں چھوڑا لیکن وہ اقوام مغرب کے ساتھ ضرور ہیں۔ وہ شاید ذاتی تجربہ کی روشنی میں کرنل ناصر کو موثر طریق سے قائل کرا سکیں۔ کم از کم امریکہ اسی انداز سے سوچتا معلوم ہوتا ہے۔

امریکہ اور چین کے مابین جو مذاکرات ایک عرصہ سے جاری ہیں۔ وہ اختتام پذیر نہیں ہوئے۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ دونوں کسی متفقہ نتیجہ تک پہنچ سکیں گے یا نہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق چین نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ مسٹر ڈلیز اور چو این لائی آپس میں ملاقات کریں۔ چین نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ وہ امریکہ کو یہ ضمانت دینے کے لئے تیار ہے کہ وہ بین الاقوامی معاملات میں فوجی قوت کے استعمال سے دریغ کرے گا۔ یہ ضمانت اپنی جگہ

اہم ہے لیکن امریکہ کے لئے بحالات موجودہ خوش آئند نہیں کیونکہ امریکہ کا مطالبہ یہ ہے کہ چین یہ ضمانت دے کہ وہ فارموسا کے بارے میں فوجی کاروائی نہیں کرے گا۔ چین فارموسا کو بین الاقوامی مسائل میں سے نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اس کے نزدیک یہ اس کا داخلی مسئلہ ہے۔ چنانچہ امریکہ نہ تو چو این لائی والی ملاقات کے لئے تیار ہے۔ نہ اس ضمانت کو قابل قبول سمجھتا ہے چین اس کے علاوہ یہ زور بھی دے رہا ہے کہ باہمی تجارت کو بڑھایا جائے۔ لیکن ابھی تک کہیں اتفاق نہیں ہو سکا۔ دراصل قوموں کی رقابت جس مقام پر پہنچ چکی ہے۔ وہاں مفاہمت قریب قریب ناممکن ہو گئی ہے۔ اسے ممکن العمل بنانے کے لئے شاید ایٹمی جنگ کا خطرہ کافی ثابت نہ ہو۔

سکھوں اور پنڈت نہرو کے مابین پنجابی صوبہ کیلئے جو مذاکرات شروع ہوئے ہیں۔ وہ بھی بے نتیجہ ثابت ہو رہے ہیں۔ کیونکہ اگر پنڈت نہرو اس صوبے کی تشکیل کے لئے تیار نہیں تو سکھ اس سے کم پر رضامند نہیں ہوتے۔ کانگریس نے اس قضیہ کو نپٹانے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر کی ہے۔ جس میں پنڈت نہرو اور ابوالکلام آزاد بھی شامل ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سکھوں کے مطالبہ کو کتنی اہمیت دے رہے ہیں۔ اب تک پنجابی صوبے کا مطالبہ اکالیوں کی طرف سے پیش کیا جاتا تھا ہے۔ لیکن اب نیشنلسٹ سکھ بھی جو زیادہ تر کانگریس کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ اس مطالبہ کے ہمدرد ہوتے جا رہے ہیں بظاہر اس قضیہ کا طے ہونا آسان نہیں۔

نقد و نظر

(صفحہ ۱۶ سے آگے)

یاد رہے کہ یہ کتاب سرمایہ پرستی کے خلاف اور اشتراکی نظریہ دولت کی تائید میں لکھی گئی ہے۔ کتاب ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور مجلد کی قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے۔

اسلامی فن تعمیر یہ کتاب بھی ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جسے ارنسٹ ٹاڈ رچمنڈ بیام نے لکھا تھا۔ یہ صاحب "مجلس تحفظ آثار عرب مصر" کے سابق اسسٹنٹ آرکیٹیکٹ تھے۔ انہوں نے ابتدائے اسلام سے لے کر سترھویں صدی عیسوی تک کے مسلمانوں کے فن تعمیر سے بحث کی ہے، بالخصوص مصری عمارات سے۔ بحث کی ابتداء اس اولین مسجد سے ہوئی ہے جو خود نبی اکرم صلعم کے مقدس ہاتھوں سے مدینہ منورہ میں تعمیر ہوئی تھی، کتاب دلچسپ بھی ہے اور معلومات افزا بھی۔ لیکن چونکہ اصل کتاب فنی ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ بھی اسی قسم کا ہے کتاب درسی کتابت کے ۲۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور مجلد کی قیمت سات روپیہ ہے۔

ادبی اور قومی تذکرے یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اور پنڈت کشن پرشاد کول کے ادبی اور قومی مضامین پر مشتمل ہے۔ ہندوستان کے تنگ نظر ہندو اردو زبان سے بھی اسی طرح نفرت کرتے ہیں جس طرح خود مسلمان سے اور اسی بنا پر وہ اردو کی جگہ ہندی کی ترویج کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ لیکن پنڈت کول کے مضامین دیکھ کر وہ یقیناً شرمائے ہوں گے کہ ان کا پروپیگنڈہ کس قدر غلط ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ پنڈت کول ایسی شستہ اردو لکھتے ہیں کہ اس سے نسیم اور سرشار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جلد اول قریب تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور مجلد کی قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے۔ جلد دوم کی ضخامت ۲۰۵ صفحات ہے۔ اور قیمت مجلد تین روپے۔

ان کتابوں میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ پاکستان کے رہنے والے انہیں ہندوستان سے کس طرح منگا سکتے ہیں۔ ضرورتمند حضرات انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) سے براہ راست دریافت فرمائیں۔

فلیوری ٹی کمپنی

ہم نے سلہٹ اور چاٹگانگ کے باغیچوں سے عمدہ اور خوشبودار چائے کے منگوانے کا خاص بندوبست کیا ہے۔

ضرورتمند اصحاب مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کریں

فلیوری ٹی کمپنی

محمد قیروز اسٹریٹ۔ جوڑیا بازار ــــ کراچی

فون: ۳۲۸۱۹

ٹیلیگرام: "KASHMIRTEA"

شیروانی

ہی واحد قومی لباس ہے!

رشید ٹیلرنگ فرم

۲۵۔ آرٹلری میدان ــــ کوئی روڈ

صدر کراچی

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاج شناس رسول یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول، مزاج شناس کون ہیں؟ یہی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۴ صفحات ــــ قیمت چار روپے

مقام حدیث حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یک جا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد ــــ چار روپے

فردوس گم گشتہ (از پرویز) ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقد نگاہ سے۔ آمد و لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۲۰۰ صفحات ــــ قیمت چھ روپے

نوادرات (از علامہ اسلم جیراج پوری) علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ــــ قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت (از پرویز) مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر پہلو قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲ ــ قیمت دو روپے

نظام ربوبیت (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے

قیمت (قسم اول) ــــ چھ روپے

(قسم دوم) غیر مجلد ــــ چار روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۳۔ کراچی

سو میں ننانوے

اشخاص ایام باسوری تبخیر معدہ (معدہ میں گیس پیدا ہونا) کے مریض ہیں۔ پاخانہ صاف نہ ہونا۔ تمام جسم میں درد، سر میں چکر، بھوک غائب ہاضمہ خراب۔ طبیعت میں بے چینی، سینے میں جلن خون میں کمی، نزلہ رہنا، اس مرض کی عام شکایات ہیں، اس مرض کا حب باسوری اور جوہر مقطم (مکمل کورس) سے زیادہ مفید اثر کوئی دوسرا علاج نہیں۔ یہ تمام شکایات کو دور تندرستی اور توانائی بخشتا ہے۔ قیمت مکمل کورس تین روپے آٹھ آنے۔ طبی دنیا ماہنامہ دردمند کراچی سالانہ چندہ ایک روپیہ بھیجکر خریدار بنئے۔

دردمند دواخانہ۔ فریئر روڈ۔ کراچی ٹیلیفون نمبر ۳۵۴۲۲

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔گرد پوش حسین۔
قیمت چھ روپے۔ علاوہ محصولڈاک۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ہی سے ہاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کرچکے ہیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ہے اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھولدی ہیں۔ قیمت دو روپے۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ ۔ کراچی ۔ ۳

دور حاضرہ کی عظیم کتاب

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

ھاتھوں ھاتھ فروخت ھورھی ہے - اس میں بتا یا گیا ہے کہ
قرآن کی رو سے اس زمین پر انسان کے سب سے اھم سوال - یعنی

معاشی مسئلہ

کا حل کیا ہے ؟ انسانی عقل اس کے حل سے کس طرح
قاصر رھی ہے اور وحی خدا وندی نے اسے کس خوبصورتی سے
حل کر دیا ہے - رزق کے سر چشموں پر

ذاتی ملکیت

کیا نتائج پیدا کرتی ہے اور قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے
چونکہ کتاب کی عام اشاعت مقصود ہے اس لئے دو قسموں
میں شائع کیا گیا ہے -

قسم اول - کاغذ سفید کرنا فلی - جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے -

قسم دوم - کاغذ میکانیکل - صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ ۔ کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 207/A. P. E. C. H. Society, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوع اسلام کراچی

جلد نمبر ۸ شمارہ [illegible] | کراچی ، ہفتہ - ۲۶ نومبر ۱۹۵۵ء | قیمت چھ آنہ سالانہ پندرہ روپے

قرآن نے کیا کہا؟

موجودہ (غیر قرآنی) معاشرہ میں ہر فرد اپنی اپنی فکر میں منہمک دکھائی دیتا ہے - ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے سمیٹ لے - یہ اس لئے کہ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میں اور ہوں اور دوسرے انسان اور ہیں - مجھے اپنی اور اپنے متعلقین کی فکر کرنی چاہئے - لیکن قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں - تمام نوع انسان ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی سمندر کے قطرے ہیں - ان سب کی پیدائش نفس واحد سے ہوئی ہے - ھوالذی خلقکم من نفس واحدۃ (۷/۱۸۹) - جب تمام انسان اصل کے اعتبار سے ایک ہیں تو پھر ان کی زندگی - نشوونما - اٹھان - سب ایک فرد کی طرح ہونی چاہئے - وماخلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ (۳۱/۲۸) - یہ محض مفاد پرست گروہ کی ہوسناکی ہے جس نے انسانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے - وحی کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح نوع انسان اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہے اسی طرح یہ اپنے معاشرے میں بھی ایک برادری اور ایک امت کی حیثیت سے رہے - کان الناس امۃ واحدۃ (۱۰/۱۹ - ۲/۲۱۳) - نوع انسان شروع میں بھی ایک ہی امت تھی اور قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ انہیں پھر ایک ہی امت بنا دیا جائے -

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

1. [illegible]
2. [illegible]
3. حق اور باطل کا معیار قرآن ہے - جو بات قرآن کے خلاف ہو وہ [illegible] غلط ہے -
4. [illegible]
5. قرآن کی رو سے [illegible] کے خلاف زندگی بسر کرے -
6. [illegible]
7. [illegible]
8. [illegible] قرآنی نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے -

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

[illegible]

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ اسلامی دستور کی ایک اہم شق ★ جسم کی پرورش ★ بعد از خرابی بسیار ★ جوش ملیح آبادی ★ سخن شناس نئی
★ سلطان کی واپسی ★ غیر ملکی جاسوس ★ تاریخی شواہد ★ مجلس اقبال ★ حیات جاوید
★ ہندوستان کی نئی صوبائی حد بندیاں ★ الدرون ہند ★ حقائق و عبر ★ عالم اسلامی ★ بین الاقوامی جائزہ

As. -/6/-

انسان نے کیا سوچا

جس کتاب کا ایک برس سے انتظار تھا بالآخر وہ چھپ گئی

یہ ایک عجیب و غریب کتاب ہے جس کا صحیح اندازہ اسے پڑھنے ہی سے لگ سکیگا۔

یہ ظاہر ہے کہ اگر زندگی کے اہم مسائل کا حل تنہا عقل انسانی پیش کر سکتی ہے تو پھر انسان کو وحی کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہٰذہ اس کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ زندگی کے اہم مسائل کیا ہیں اور عقل انسانی ان کا حل دریافت کر سکی ہے یا نہیں؟ آپ اس کا جواب نفی یا اثبات میں نہیں دے سکتے جب تک آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان مسائل کے متعلق انسانی عقل و فکر نے آج تک کیا کہا ہے؟ لیکن ظاہر ہے کہ یہ مرحلہ بہت طول طویل ہے۔ انسان ہزاروں سال سے ان مسائل کے متعلق سوچتا چلا آرہا ہے۔ جب تک یہ سب کچھ ہمارے سامنے نہ آجائے، ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عقل انسانی صحیح حل پیش کر سکی ہے یا نہیں۔

افلاطون سے لیکر اسوقت تک کے ائمہ فکر نے ان مسائل کے متعلق جو کچھ سوچا ہے اس کتاب میں وہ سب ایک مربوط اور دلکش انداز میں یک جا سامنے آجاتا ہے۔ اس میں سینکڑوں کتابوں کے اقتسابات دئے گئے ہیں۔ اردو تو ایک طرف ایشیاء کی کسی زبان میں بھی ایسی کتاب آپ کو نہیں ملیگی۔

یہ کتاب مختلف علوم و فنون سے متعلق محترم پرویز صاحب کے کم و بیش بیس سال کے مطالعہ کا ماحصل ہے۔ اس سے ان کے تبحر علمی اور وسعت معلومات کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور اس امر کا بھی کہ وہ کن دشوار گزار وادیوں سے گزرکر قرآن تک پہنچے ہیں۔

آئندہ اشاعت میں اس کی مزید تفاصیل پیش کی جائینگی۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی - ۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ہفتہ ۲۶ر نومبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۴۳

اسلامی دستور کی ایک اہم شق

آپ آئے دن اخبارات میں اس قسم کی خبریں پڑھتے رہتے ہیں!۔

(۱) کراچی میں ایک نوجوان نے ریل کے نیچے آکر خودکشی کرلی۔ اس کی جیب سے ایک رقعہ نکلا جس میں اس نے لکھا تھا میں تین ماہ سے بیکار تھا میں نے صبح شام مسلسل کوشش کی کہ مجھے کہیں کوئی کام مل جائے لیکن ہر طرف سے ناکام رہا۔ میرے پاس نہ رہنے کے لئے جگہ ہے۔ نہ اوڑھنے کا کپڑا۔ اب چار دن سے مسلسل فاقے سے تھا۔ ان حالات میں میرے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ میں اپنی زندگی ختم کرلوں۔ جو زندگی اس طرح وبالِ جان بن رہی ہو اسے رکھنے سے کیا حاصل!

یا مثلاً (۲) کل ۔۔۔ ہسپتال کے برآمدے سے باہر ایک ادھیڑ عمر آدمی کی لاش پائی گئی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ ایک غریب مزدور تھا۔ دو ماہ ہوئے اسے بخار آیا۔ دو چار دن اس کا علاج کیا لیکن بخار نہ گیا۔ اُدھر سے مزدوری چھوٹ گئی۔ اِدھر اس کے پاس کچھ نہ رہا۔ وہ اپنی جھونپڑی کے باہر پڑا رہتا تھا۔ کسی نے خدا ترسی کرکے اسے روٹی دیدی۔ کسی نے اوپر کپڑا ڈال دیا۔ اب وہ قریب ایک ہفتہ سے مختلف ہسپتالوں میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ اسے داخل کر لیا جائے لیکن اسے کہیں جگہ نہ مل سکی۔ رات وہ ہسپتال کے برآمدے میں لیٹا ہوا تھا جہاں سے اسے چوکیدار نے اٹھا دیا۔ باہر سردی تھی وہ اکڑ کر مر گیا۔

یا (۳) کل بندر روڈ پر ایک زیرِ تعمیر عمارت کی چوتھی منزل سے گر کر ایک مزدور مر گیا۔ لاش کو پوسٹ مارٹم کے بعد حوالۂ پولیس کردیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس مزدور کا ایک اندھا باپ اور تین چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ ان کا دیکھنے والا کوئی نہیں۔ یہی مزدوری کرکے لاتا تھا اور ان سب کا پیٹ پالتا تھا۔

یا (۴) اتوار کی شب، صدر میں ایک کیبن میں آگ لگ گئی اور قبل اس کے کہ آگ بجھانے والے وہاں تک پہنچتے، کیبن جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگئی۔ صبح معلوم ہوا کہ یہ ایک نہایت غریب آدمی کی کیبن تھی جسے اس نے بیوی کا آخری زیور بیچ کر خریدا تھا۔ وہ چھوٹی موٹی چیزیں اِدھر اُدھر سے لاکر بیچتا اور بمشکل اپنی اور اپنے بچوں کی روٹی کا انتظام کرپاتا۔ کیبن کے جل جانے سے اس کا یہ آسرا ختم ہوگیا۔ وہ کیبن کی خاکستر کے پاس خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی ساری کائنات لٹ چکی تھی۔ اب معلوم نہیں وہ کیا کریگا۔

ایک طرف آپ اس قسم کی خبریں پڑھتے ہیں اور دوسری طرف جب کسی مسجد میں جاتے ہیں یا جہانگیر پارک کے جلسے میں تو منبر اور اسٹیج سے آپ کے کانوں میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں کہ اسلام تمام نوعِ انسانی کی مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ یہ صرف خدا اور بندے کے درمیان ذاتی تعلق کا نام نہیں۔ یہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ انسان کی دینی۔ دنیاوی۔ معاشرتی۔ تمدنی سیاسی۔ اقتصادی۔ روحانی۔ معاشی۔ غرضیکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اس کے دائرے سے باہر ہو اور جس کے مسائل کا حل اس نے نہ بتایا ہو۔ اس قسم کے دلآویز خطبات اور سحر آفریں تقریریں، اس اسلامی مملکت کے ہر شہر اور ہر قریہ میں کروڑوں مسلمان سالہا سال سے سنتے چلے آرہے ہیں لیکن جس اسلام پر یہ کاربند ہیں اُس نے انہیں نہ اس نوجوان کی مصیبت کا کوئی عملی حل بتایا ہے جو مسلسل بیکاری کی وجہ سے خودکشی پر مجبور ہوگیا اور نہ اس مریض کی پریشانی کا جس سے وہ یوں سسک سسک کر مر گیا۔ اس سے نہ اس مزدور کے لاوارث پسماندگان کا کوئی مداوا ہو سکا جو اس عمارت سے گر کر مر گیا تھا اور نہ ہی اس کیبن والے غریب کا جس کی ساری کائنات چند منٹوں میں جل کر خاکستر ہوگئی تھی۔ اگر ان ستم رسیدگان کی مصیبت پر ان کروڑوں مسلمانوں میں سے کسی کا دل پسیجتا ہے تو وہ لوگوں سے چندے کی اپیل کرتا ہے اور اس طرح خیرات کے چند ٹکے اس کی جھولی میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اور اتنا کرکے، یہ بھیک دینے والے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کردیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے ان مشکلات کا یہی حل بتایا ہے کہ ہر حادثہ پر انفرادی طور پر خیرات کے کچھ پیسے جمع کرکے مظلوم اور ستم رسیدہ کو دیدیئے جائیں؟ کیا اس سے فی الواقعہ ان مسائل کا حل ہو جاتا ہے۔ آپ اس کا جواب اثبات میں دے کر اپنے دل کو فریب دینا چاہیں تو دے لیجئے لیکن جس طرح کبوتر کے آنکھیں بند کر لینے سے بلی کا خطرہ دور نہیں ہو جاتا اسی طرح آپ کے اس فریبِ نفس سے ان جگر پاش مسائل کا حل نہیں مل جاتا!

سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے ان کا کوئی حل دیا ہے اور اگر دیا ہے تو وہ حل کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے ان کا حل دیا ہے اور قرار واقعی حل دیا ہے ۔۔۔ وہ حل یہ ہے کہ اس کے نزدیک یہ مسائل انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہیں اور ان کا حل افراد کے نہیں بلکہ خود نظامِ مملکت کے ذمے ہوتا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ جو مملکت خدا کے نام پر قائم ہوئی ہے وہ سب سے پہلے خدا کی صفت ربّ العالمینی اور رزاقی کی مظہر ہوتی ہے۔ اس کا بنیادی فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس مملکت کی حدود کے اندر بسنے والے تمام افراد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی (روٹی۔ کپڑا۔ مکان۔ علاج۔ تعلیم۔ تربیت وغیرہ) کی ذمہ دار ہو۔ ذمہ داری کے معنی یہ ہیں کہ یہ چیز اس مملکت کے دستور کے اندر شامل ہونی چاہیئے اور اسے اس تقاضے کو ہر فرد کے بنیادی حقوق کی حیثیت سے تسلیم کرنا چاہیئے۔ بنیادی حقوق میں شامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر مملکت کسی وقت اپنے اس فریضہ کی سرانجام دہی میں کوتاہی کرے تو فرد متعلقہ عدالت میں جاکر، مملکت کے خلاف ڈگری حاصل کرسکے۔ اور اس طرح عدالت اس نظامِ مملکت کو مجبور کردے کہ وہ اس فرد کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچائے۔ نظامِ مملکت اور افرادِ مملکت کا باہمی تعلق باپ اور اولاد کا سا ہوتا ہے۔ جو باپ اپنی اولاد کی ضروریاتِ زندگی کا ذمہ دار نہیں بنتا، معاشرہ میں اسے کوئی بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ وہ اپنے منصبِ ابوّت سے گر جاتا ہے۔ اسی طرح جو نظام، افرادِ مملکت کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل نہیں ہوتا وہ اپنی بنیادی ذمہ داری کو پورا نہیں کرتا اس لئے کسی کی نگاہوں میں واجب التکریم نہیں رہ سکتا۔ اسلام کی یہی تعلیم ہے۔ قرآن نے یہی بتایا ہے۔

آجکل پاکستان میں پھر تدوینِ دستور کی کوششیں ہو رہی ہیں اور "اسلامی دستور" کے نعرے پھر بلند ہو رہے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے اسلامی دستور کسے کہتے ہیں، طلوعِ اسلام بار بار وضاحت سے بتا چکا ہے۔ لیکن جہاں تک زیرِ نظر سوال کا تعلق ہے، ہر اس شخص کو جو اسلامی دستور سے کچھ بھی دلچسپی رکھتا ہے یہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ اس کی بنیادی شق یہ ہوتی ہے کہ

> ہر فردِ مملکت کی تمام بنیادی ضروریاتِ زندگی (روٹی۔ کپڑا۔ مکان۔ علاج۔ تعلیم وغیرہ) کا بہم پہنچانا مملکت کی ذمہ داری ہوگا جس کا مطالبہ ہر فرد، بطور بنیادی حق کے کرسکے گا۔
>
> اگر مملکت اپنے اس فریضہ کی سرانجامدہی میں کوتاہی کرے تو ہر شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ

۵۔ اس کے خلاف بلا کسی قسم کے خرچ کے عدالت میں چارہ جوئی کر سکے۔

یاد رکھئے جس دستور میں یہ شق موجود نہ ہو وہ کبھی اسلامی نہیں کہلا سکتا۔ اگر آپ اس سے متفق ہیں تو آپ مرکزی حکومت کے وزیرِ قانون (لاء منسٹر) کراچی کو خطوط لکھئے۔ تاریں دیجئے۔ اپنے ہاں ریزولیوشن پاس کر کے اس کی نقول انہیں بھیجئے کہ پاکستان کے زیرِ تدوین دستور میں اس شق کی شمولیت نہایت ضروری ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ مملکت اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ رزق کے سرچشمے اس کی اپنی تحویل میں نہ ہوں۔ اگر وسائل پیداوار افراد کی ملکیت میں رہیں تو نظامِ مملکت افراد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کو کیسے بہم پہنچا سکتا ہے! لہٰذا پہلی شق کے ساتھ یہ دوسری شق لاینفک ہے کہ

وسائل پیداوار انفرادی ملکیت میں رہنے کی بجائے مملکت کی مشترکہ تحویل میں رہیں گے تاکہ مملکت افراد کی ضروریاتِ زندگی کی بہم رسانی اور ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کا انتظام کر سکے۔

یہ دونوں شقیں قرآنی تعلیم کے مطابق ہیں اور ان کے بغیر کوئی نظام اسلامی نہیں کہلا سکتا۔

اگر ہمارے زیرِ تدوین نظام میں یہ شقیں (جو دراصل ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں) شامل ہو گئیں تو آپ دیکھئے گا کہ اس سے آپ کے معاشرہ میں کس قدر حسین و خوشگوار انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت کس طرح نکھر کر دنیا کے سامنے آ جاتی ہے کہ اسلام انسانی زندگی کے اس بنیادی تقاضے کا حل کس خوبصورتی اور کامیابی سے پیش کرتا ہے اور دنیا کمیونزم کی انسانیت سوز لعنت سے کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔

جسم کی پرورش

سورۂ بقرہ میں ہے کہ بنی اسرائیل کی فرمائش پر اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کو ان کا کمانڈر مقرر کیا۔ اس پر انہوں نے اعتراض کیا کہ طالوت تو غریب آدمی ہے۔ اسے یہ منصب کیوں عطا کر دیا گیا ہے؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲/۲۴۷) کہ طالوت کی علمی استعداد بھی بہت ہے اور جسمانی صحت بھی نہایت عمدہ اس لئے وہ اس منصب قیادت کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ قرآن نے اس واقعہ سے یہ بتایا ہے کہ قومیں وہی زندہ رہ سکتی اور آگے بڑھ سکتی ہیں جن کے افراد کی ذہنی تربیت اور جسمانی پرورش دونوں بطریقِ احسن ہوتی چلی جائیں۔ پاکستان میں ہمارے بچوں کی تعلیمی حالت کے متعلق ایک سابقہ اشاعت کے لمعات میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ہماری موجودہ نسل تعلیمی اعتبار سے پست سے پست سطح کی طرف چلی جا رہی ہے اور کسی کو اس کا خیال نہیں کہ ان کی اس سطح کو اگر بلند نہیں کیا جا سکتا تو کم از کم گرنے سے ہی بچایا جائے۔ جہاں تک جسمانی پرورش کا تعلق ہے حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ آپ سڑک پر کھڑے ہو جائیے یا کسی اجتماع پر نگاہ ڈالئے یا کسی سکول یا کالج میں جا کر بچوں کو دیکھئے آپ کو نظر آئے گا کہ جسمانی اعتبار سے ہماری پوری کی پوری قوم پر مردنی چھا رہی ہے۔ کسی کے چہرے پر تازگی اور بشاشت نظر نہیں آتی۔ کسی کے جسم میں تازہ خون دوڑتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ اونچے طبقے کے مرد، سرِ شام ساز کی کرامات سے اور ان کی بیگمات غازہ کے تصدق اپنے چہروں پر مصنوعی سرخیاں پیدا کر لیتے ہیں لیکن نیچے کے طبقے والے اس سے بھی "محروم" ہیں۔ اس مردنی اور زرد روئی کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ قوم کے معتد بہ حصہ کو تو پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا۔ اور جن لوگوں میں اتنی استطاعت ہے کہ وہ اشیائے خورد و نوش ضرورت کے مطابق خرید سکیں انہیں خالص چیزیں کسی قیمت پر بھی نہیں مل سکتیں۔ قوم کی اکثریت کی یہ حالت ہے کہ ان کی آمدنی قطعاً اتنی نہیں جس سے وہ اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لئے پیٹ کا ایندھن خرید سکیں۔ ذرا غور فرمائیے۔ مرکزی حکومت کے دفاتر میں ایک کلرک کو ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ مہنگائی وغیرہ کا الاؤنس شامل کرنے سے اس کی کل آمدنی نوے یا سو روپیہ کے قریب ہوتی ہے۔ اگر اس کا خاندان، میاں بیوی اور دو تین بچوں پر بھی مشتمل ہو تو آپ حساب لگا کر دیکھئے کہ اس سو روپے میں وہ بیچارہ کیا کچھ خرید سکتا ہے؛ جبکہ اس میں سے اس نے کرایہ مکان بھی دینا ہو اور پانی اور بجلی کے بل بھی ادا کرنے ہوں۔ کپڑے بھی بنوانے ہوں اور دفتر تک آنے جانے کا خرچ بھی برداشت کرنا ہو۔ اس کے ساتھ بیماری اور حادثات بھی ہیں۔ ہمیں کئی ایک ایسے شریف گھروں کا علم ہے جنہوں نے محض آمدنی کی کمی کی وجہ سے ایک وقت کا کھانا ترک کر رکھا ہے۔ اشیائے استعمال اور خورد و نوش کی قیمتیں دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور جو کچھ دس سال پہلے سو روپیہ میں مل جاتا تھا وہ آج دو سو روپے میں بھی نہیں ملتا۔

لیکن جو لوگ ان چیزوں کے خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں ان کی حالت بھی کسی صورت میں اطمینان بخش نہیں۔ آٹا لائیے تو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس میں برادہ، سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے، پرانا بھوسہ اور نہ معلوم کیا کیا کچھ ملا ہوا ہے۔ دودھ لیجئے تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس کس جوہڑ کا سفید کیا ہوا پانی ہے۔ گھی اور مکھن کا تو ذکر ہی بےکار ہے۔ اب تو تیل تک بھی خالص نہیں ملتا۔ گوشت آتا ہے تو اسے دیکھنے سے گھن آنے لگ جاتی ہے۔ یہی حالت سبزی ترکاری کی ہے۔ حتیٰ کہ پسے ہوئے نمک مرچ مصالحے تک میں غلیظ چیزوں کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ ان حالات میں سوچئے کہ جو لوگ پیٹ بھر کر کھانے کی استطاعت بھی رکھتے ہیں وہ کن چیزوں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسان کا جسم انہی چیزوں سے ترکیب پاتا ہے جنہیں وہ کھاتا ہے۔ اس قسم کی غلیظ اور کثیف اشیاء سے جو جسم پرورش پائیں گے وہ مختلف بیماریوں کے چلتے پھرتے پیکر نہیں ہوں گے تو پھر اور کیا ہوں گے؟ نتیجہ ظاہر ہے۔ شہر کے کسی حکیم کے مطب یا ڈاکٹر کے کلینک میں چلے جائیے ہر جگہ بیماروں کی بھیڑ دکھائی دے گی۔ لیکن یہاں ایک اور تماشا شروع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر نسخہ لکھ کر دیتا ہے تو بیمار اسے دوکان دوکان لئے پھرتا ہے لیکن کہیں دوائی نہیں ملتی۔ آج ہی صبح ۱۰ر نومبر اخبار میں تھا کہ کراچی میں ایک غیر ملکی سفیر کو کسی دوائی کی ضرورت تھی وہ چار دن تک مارا مارا پھرتا رہا اور جب دوائی کہیں سے دستیاب نہ ہو سکی تو اس نے مجبور ہو کر اپنے ملک سے منگائی۔

آپ غور کیجئے کہ جس ملک میں کھانے پینے کی چیزوں اور ادویات کا یہ عالم ہو وہاں انسانوں کے جسم کی پرورش کیا ہو سکتی ہے؟ کہنے کو ان چیزوں کی روک تھام کے لئے قوانین بھی موجود ہیں اور ان قوانین کو نافذ کرنے کے لئے سفید ہاتھی جتنی بڑی حکومت کی مشینری بھی۔ لیکن ان انتظامات کا جو نتیجہ ہے وہ ہر گلی اور کوچہ میں کھلے بندوں نظر آتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس قوم کے جسم کی پرورش کا انتظام اس قسم کا ہو وہ کتنے عرصہ تک طبعی طور پر زندہ رہ سکتی ہے؟ لیکن

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار لگے یا درمیاں رہے!

... بعد از خرابی بسیار

۵ر نومبر کو کراچی کے ڈو میڈیکل کالج اور سول ہسپتال کے کم تنخواہ والے ملازمین نے ہڑتال کر دی۔ ان کی تعداد ساڑھے تین سو کے لگ بھگ تھی اور ان میں چپراسی، اردلی، بھنگی، خانساماں وغیرہ شامل تھے۔ ان کے مطالبات یہ تھے، ان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے، وردیاں مہیا کی جائیں، بہتر رہائش کا انتظام ہو اور لمبی ملازمت والوں کو مستقل کیا جائے۔ ان مطالبات میں کوئی نئی بات نہیں۔ قریباً ہر جگہ ملازمین کے مسائل و مشکلات اسی نوع کے ہوتے ہیں اور ان کے متعلق فریقین میں معاملہ بازی ہوتی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی ادارے کے بخوبی چلنے یا چلانے کے لئے ضروری ہے کہ ان امور کو نپٹانے کے واضح قاعدے مقرر ہوں تاکہ ان کے مطابق کاروبار چلتا رہے اور قدم قدم پر تنازعات پیدا نہ ہوں اور جب غیر معمولی حالات پیدا ہو جائیں تو باہمی صلاح و مشورے اور افہام و تفہیم سے ان کا حل تلاش کر لیا جائے۔ کہنے کو ہمارے ہاں اس کا انتظام موجود ہے لیکن اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسی باتوں پر نوبت ہڑتال کے انتہائی اقدام تک پہنچ جاتی ہے جو ہرگز اس کی متقاضی نہیں ہوتیں۔ مثلاً اس ہڑتال کو لیجئے، جس دن ہڑتال شروع ہوئی اس دن اربابِ حل و عقد نے یہ اعلان کیا کہ انہوں نے ملازمین متعلقہ کے مطالبات اصولاً تسلیم کر لئے ہیں لیکن ان پر عمل درآمد کرنے پر وقت لگے گا کیونکہ اس کے لئے پیسہ درکار ہے اور وزارتِ صحت کو اس کے لئے بجٹ میں گنجائش پیدا کرنی ہے۔ اگر صورتِ حال یہی تھی تو ہڑتال کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن ہڑتال ہوئی اور وہ دس دن تک جاری رہی۔ معاملہ ہسپتال کا تھا جہاں ہر قسم کے مریض آتے ہیں اور رہتے ہیں۔ چنانچہ نرسوں کو صفائی کا کام اور کمپونڈروں کو کھانا پکانے کا کام بھی کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ جب ان پر یہ فالتو بار پڑا ہوگا تو کام کا بھی ہرج ہوا ہوگا۔ اور مریضوں کو بھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ مریضوں کا معاملہ نازک ہے۔ جانے ان میں کس کس قسم کے مریض تھے اور انہیں کس قدر توجہ کی ضرورت تھی۔ بہرحال یہ صورتِ حال دس دن تک جاری رہی اور جب ہڑتال ختم ہوئی تو ملازمین کا کوئی ایک مطالبہ بھی نہیں مانا گیا بلکہ صرف اتنا ہوا کہ وزیرِ صحت نے انہیں یقین دلایا کہ ان کے مطالبات پر غور کیا جائے گا۔ یہاں

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہڑتال کو صرف اتنی سی بات پر ختم کیا جا سکتا تھا کہ وزیر صحت یہ یقین دلا دیں کہ ملازمین کے مطالبات پر غور کیا جائے گا (واضح رہے کہ غور میں مطالبات کی قبولیت و عدم قبولیت دونوں شامل ہیں)، تو یہ یقین دہانی پہلے ہی دن کیوں نہ کر دی گئی؟ اس لئے مناسب یہ تھا کہ ملازمین یہ مطالبہ نہ کرتے کہ ان کے مطالبات منظور نہ کئے گئے تو وہ ہڑتال کر دیں گے بلکہ وہ صرف اس پر اصرار کرتے کہ انہیں کسی ایسی اعلیٰ شخصیت کی طرف سے ضروری یقین دلا دیا جائے جس پر انہیں اعتماد ہو۔ اور اگر ملازمین نے ایسا نہیں کیا تھا تو ارباب حل و عقد کو از خود یہ معاملہ اعلیٰ سطح تک لیجانا چاہیئے تھا اور یقین دہانی کی کمی کو پورا کر دینا چاہیئے تھا۔ یوں تو ہر جگہ افہام و تفہیم کی ہر ممکن صورت سے کام لینا چاہیئے لیکن ہسپتالوں کے معاملہ میں اس کی ضرورت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس ہڑتال کی ذمہ داری تنہا ارباب حل و عقد پر عائد ہوتی ہے یا ملازمین پر لیکن جس انداز سے ہڑتال ہوئی وہ غایت درجہ افسوسناک ہے اور اس سے فریقین بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داری کو بطریق احسن محسوس کرتے تو معاملہ اس قدر نہ بگڑتا۔

جوش ملیح آبادی

ہماری طرح ہمارے دیگر معاصرین نے جوش ملیح آبادی کے پاکستان بلائے جانے پر شدید احتجاج کیا تو حکومت پاکستان نے اس کی تردید کر دی اور کہدیا کہ نہ انہیں کسی جاگیر کی پیشکش کی گئی ہے اور نہ ہی مکان یا کسی سینما میں حصّوں کی الاٹمنٹ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس تردید کو دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی تھی کہ ہماری حکومت اس احمقانہ (بلکہ مجرمانہ) حرکت کی ذمہ دار نہیں جو ایک اخباری اطلاع اور جوش صاحب کے اپنے بیان نے اس کی طرف منسوب کی تھی۔ لیکن اس تردید کے دوسرے دن نئی دہلی سے یہ اطلاع آ گئی کہ جوش صاحب نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ خود ہندوستان میں رہیں اور ان کے بچے پاکستان میں آ جائیں۔ البتہ وہ سال میں چار مہینے پاکستان میں گذارا کریں گے اور اس دوران میں یہاں کوئی ادبی کام کیا کریں گے۔ اس وقت انہیں حکومت ہند کی طرف سے جو ملازمت ملی ہوئی ہے وہ اس سے علیحدہ نہیں ہوں گے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جوش صاحب کے بچوں کی کفالت کا انتظام حکومت پاکستان نے کر دیا ہے اور جوش صاحب پاکستان میں کوئی خاص ادبی کام سرانجام دیں گے۔

اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو یہ صورت اس صورت سے بدتر ہے جس پر ہم نے سابقہ اشاعت میں تبصرہ کیا تھا۔ جوش صاحب کا ہندوستان کو خیرباد کہہ کے پاکستان آ جانا ایک حد تک قابل فہم تھا لیکن اب ان کے بچے تو حکومت پاکستان پالے گی اور وہ آٹھ مہینے حکومت ہند کی خدمت کریں گے اور چار مہینے پاکستان میں کچھ کریں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظام دونوں حکومتوں کی رضامندی کے بغیر ممکن نہیں۔ گویا اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکومت پاکستان اور حکومت ہندوستان نے اس قسم کا سمجھوتہ کر لیا ہے ہم اس پر جوش صاحب سے یہ نہیں پوچھتے کہ وہ دو کشتیوں میں کیوں سوار ہو رہے ہیں، نہ حکومت ہند سے یہ کہتے ہیں کہ وہ اس پر کیسے راضی ہو گئی حالانکہ مسلمانوں کو وہ اس بنا پر ترک وطن قرار دے کر ملک سے نکال دیتی ہے کہ ان کے بچے یا عزیز و اقارب پاکستان میں ہیں۔ البتہ ہم حکومت پاکستان سے اس کا جواب مانگتے ہیں کہ وہ مہاجروں کی ایسی کلاس کیوں پیدا کر رہی ہے جن کی پرورش تو ہم کریں گے لیکن ان کی وفاداریاں بٹی ہوئی ہوں گی؟ یہ صورت غیر معقول ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔ یوں تو کوئی ملک بھی اس دوغلے پن کو گوارا نہیں کرے گا۔ لیکن پاکستان کو اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بالخصوص جب واسطہ ہندوستان سے ہو۔ اور یہ نکتہ ایسا نہیں جسے سمجھنے کے لئے دماغ سوزی کی ضرورت پڑے۔ گذشتہ آٹھ سال میں ہندوستان نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا اور جو کچھ وہ کرتا چلا جا رہا ہے وہ کسی تبصرے کا محتاج نہیں اور نہ اس کے متعلق ملک میں دو رائیں پائی جاتی ہیں۔ اگر حکومت بالفرض اس فیصلے کو صحیح سمجھتی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ اس کے لئے تیار ہے کہ جو مسلمان ہندوستان سے محض اس لئے نکال دیئے گئے کہ ان کے خاندان کے بعض افراد پاکستان آ گئے تھے، ان کے لئے بھی وہ حکومت ہندوستان سے اسی قسم کا سمجھوتہ کر لے؟ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو ہم پوچھتے ہیں کہ جوش میں کونسا سرخاب کا پر ہے کہ اُن سے یہ امتیازی استثنائی سلوک روا رکھا جا رہا ہے؟ ہم حکومت سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ وہ کون سے کام ہیں عام اس سے کہ وہ ادبی ہوں یا غیر ادبی جو جوش صاحب کے بغیر پڑے رہیں گے اور کوئی پاکستانی انہیں سرانجام نہیں دے سکے گا؛ کیا جوش کے پائے کا کوئی ادیب پاکستان میں موجود نہیں؛ یا کیا ادیب کے لئے یہ شرط ناگزیر ہے کہ وہ پاکستان کا مخالف ہو؟ اگر حکومت پاکستان نے اب تک ان امور کو نہیں سوچا تو ہم اسے دعوت دیتے ہیں کہ وہ اب سوچے اور قوم کو جواب دے۔ حیرت یہ ہے کہ ایک طرف اس قسم کے اعلانات بھی ہوتے ہیں کہ پاکستان میں غیر ملکی جاسوسوں کی بھرمار ہے اور دوسری طرف حکومت خود ہی ایسے اشخاص کے لئے سہولتیں بہم پہنچا رہی ہے جو رہیں گے یہاں اور ان کی ہمدردیاں ہندوستان کے ساتھ ہوں گی! اور ان میں سے بھی ایک ایسا شخص جس کی اسلام دشمنی اور الحاد دوستی کوئی سربستہ راز نہیں۔ اور اسلام دشمنی بھی دریدہ دہنی اور گستاخی کی اس حد تک پہنچی ہوئی جسے کوئی شریف انسان برداشت نہ کر سکے۔

سخن شناس نہ

شاہ سعود عنقریب ہندوستان کے دورے پر تشریف لا رہے ہیں۔ پہلے اطلاع یہ تھی کہ آپ مقبوضہ کشمیر کی مخصوص حیثیت کے پیش نظر وہاں تشریف نہیں لے جائیں گے۔ لیکن اب نئی دہلی سے یہ خبر آئی ہے کہ آپ بالآخر اسے اپنے دورے میں شامل کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شاہ موصوف یا ان کے مشیروں نے کشمیر کی نزاکت کو یا تو محسوس نہیں کیا یا اسے کسی مصلحت کے تحت نظر انداز کر دیا ہے۔ ہم اس وقت کشمیر کے تنازعہ کے حسن و قبح میں پڑنا نہیں چاہتے کیونکہ ایک تو یہ بحث اس وقت غیر متعلق ہے دوسرے اس کی حقیقت ایک عالم کو معلوم ہے لیکن یہ کہنا مبالغہ نہیں محض اظہار حقیقت ہے کہ کشمیر عالم اسلامی کے لئے اتنا ہی سنگین خطرہ ہے جتنا یہودی سلطنت ہو سکتی ہے۔ "اسرائیل" اور "کشمیر" دونوں عالم اسلامی کے رستے ہوئے ناسور ہیں۔ پاکستان نے ان دونوں خطروں کو پوری طرح بھانپ لیا ہے اور ان کے مقابلے کے لئے وہ پوری طرح تیار ہو رہا ہے۔ امریکہ سے فوجی استمداد اور معاہدہ بغداد میں شرکت اسی نکتہ کی تفسیریں ہیں۔ لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دیگر ممالک مسلمہ نے بالعموم اور ممالک عربیہ نے بالخصوص کشمیر کے تباہ کن مضمرات کو کما حقہٗ محسوس نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب جہاں یہودی سلطنت کو زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں وہاں کشمیر کو چنداں شائستہ اعتنا نہیں سمجھتے حالانکہ بادنیٰ تامل دونوں مسائل کے مسلمانان عالم کیلئے زندگی اور موت کے مسائل ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

یوں تو کسی مسلمان ملک کی طرف سے بے اعتنائی کا مظاہرہ ہو ہمارے لئے وہ قلبی اضطراب کا باعث ہو گا لیکن جب شاہ نجد و حجاز بھی اسی روش پر جائیں تو ہیجان و اضطراب کی حد نہیں رہتی کیونکہ ان کی حیثیت متولی کعبہ ہونے کی وجہ سے بڑی قابل احترام ہے۔ مسلمانان عالم دیگر ممالک مسلمہ کے بارے میں ایسے ویسے خیالات رکھ بھی لیں تو عربستان کے متعلق ان کے جذبات عقیدت و محبت میں کبھی کمی نہیں آ سکتی۔ وہ ہر سال کشاں کشاں دیار عرب میں جاتے ہیں اور اسے زندگی کی سب سے بڑی سعادت تصور کرتے ہیں۔ عرب سے اس شیفتگی نے شاہ عرب کو مخصوص حیثیت عطا کر دی ہے۔ لہٰذا انہیں اپنے قول و فعل میں بڑا محتاط ہونا چاہیئے کیونکہ ان کا اثر مسلمانان عالم پر کہیں گہرا پڑتا ہے۔ اندریں حالات شاہ سعود کا کشمیر جانے کا فیصلہ جگر آشوب انگیز ہے اور یہ تاثر مسلمانان پاکستان کا ہی نہیں ان مظلومین کشمیر کا بھی ہے جو آٹھ سال سے ہندوستانی مظالم بے پناہ کا شکار رہتے چلے آ رہے ہیں۔ شاہ سعود ان مظلوموں کے وطن میں تشریف لے جائیں گے تو انہیں ان کے جانے کا کیا آہ تک سننے کا موقع نہیں ملے گا کیونکہ انہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ وہاں تشریف لیجا کر شاہ سعود براہ راست نہیں تو بالواسطہ ایک عالم کو یہ یقین نہیں دلائیں گے کہ کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے اور وہاں "سب خیریت ہے"! ہم شاہ سعود سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں کہ اگر کہیں وزیراعظم پاکستان "اسرائیل" کا دورہ کرنے جائیں تو ان کے قلب پر کیا اثر رہے گی؟ اگر وہ اسے برداشت نہیں کرتے تو اہل پاکستان ان کے کشمیر کے دورے کو بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کے دل میں ان کا اس قدر احترام ہے کہ جب پچھلے دنوں انہوں نے ان ترکی جہازوں کو عربی علاقے میں اُترنے یا اس پر سے گزرنے کی اجازت نہیں دی تھی جو پاکستان کے سیلاب زدگان کے لئے ضروری امداد لا رہے تھے تو انہوں نے اُف تک نہیں کی تھی۔ اب اگر وہ حرف شکایت زبان پر لا رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ خاموش نہیں رہ سکتے۔ اس ضمن میں شاید اس وفد کا تذکرہ بے محل نہیں ہو گا جو حج کے موقع پر مولوی حبیب الرحمان کی قیادت میں عرب گیا تھا۔ مولوی صاحب ہندوستان کے تنخواہ دار ہیں اور وہ بڑی ڈھٹائی سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ وہ مسلمانان عالم کو بتائیں گے

کہ مسلمانانِ ہندوستان امن و عافیت سے رہ رہے ہیں۔ امن و امان کا پاکستان میں کافی چرچا ہو رہا تھا۔ کیونکہ اس کی بناء راست زد پاکستان پر پڑتی تھی۔ کیا آج ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ شاہ سعود کا دورۂ ہندوستان بشمول کشمیر اس مردود وفد کی کوششوں کا مرہونِ منت ہے؟ ہم یہاں شاہ سعود کو انڈونیشیا کے نائب اور ڈاکٹر حتیٰ کی مثال دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ نے حال ہی میں ہندوستان کا دورہ کیا ہے اور آپ مقبوضہ کشمیر بھی گئے تھے۔ لیکن آپ نے یہ رعایت رکھی کہ اس دورہ کو سرکاری نہیں بنایا۔ آپ ایک عام آدمی کی طرح کشمیر گئے اور کسی قسم کے اعزاز و استقبال کو روا نہیں رکھا۔ نہ معلوم مصر کا غلط اقدام (کہ اس نے معاہدہ عراق کے بجائے اپنا رخ دوسری سمت کو کر لیا ہے) عالم اسلامی کے لئے کن کن خطرناک عواقب کا موجب بنے گا۔ شاہ سعود (جو مصر کے حلیف ہیں) کا موجودہ فیصلہ بھی اسی شاخسانہ کی کڑی نظر آتا ہے۔ اللہ رحم کرے۔ [ابھی ابھی اخبارات سے معلوم ہوا کہ شاہ سعود نے کشمیر جانا منظور نہیں کیا۔ خدا کرے کہ یہ خبر سچی ہو۔]

سلطان کی واپسی

مراکش کے حالات نے غیر متوقع طور پر خوش آیند پلٹا کھایا ہے اور سلطان ابن یوسف دو سال کی جلا وطنی کے بعد مراجعت فرمائے وطن اور سریر آرائے حکومت ہو گئے ہیں۔ ان کی واپسی تحریک آزادی کی بہت بڑی فتح ہے۔ سلطان موصوف بہت بڑے وطن پرست ہیں اور انہوں نے فرانس کے مقابلے میں وطن پرستوں کا یہاں تک ساتھ دیا کہ ۱۹۵۳ء میں فرانس نے انہیں معزول کر کے مڈغاسکر میں نظر بند کر دیا۔ لیکن مراکش نے انہیں آزادی کا نشان سمجھ کر ان کی واپسی کو قومی مطالبہ بنا لیا۔ اور دو سالوں میں بدقسمت مراکش میں بہت کشت و خون ہوا۔ اگر فرانس مراکش کا مزاج سمجھ لیتا تو جان و مال کا یوں بے دریغ اتلاف نہ ہوتا اور خود فرانس ان قومی حوادث سے محفوظ رہتا جا سے بین الاقوامی سیاست میں ایک کمتر درجے کی مملکت بنائے جا رہے ہیں۔ لیکن نہیں، فرانس نے ہند چینی کی ذلت آمیز شکست سے سبق سیکھا اور نہ مراکش کے تجربے سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے فوجی قوت اور سیاسی چالوں پر تکیہ کرنا ہی مناسب سمجھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ فوج اس سرزمین میں جھونکتا چلا گیا اور سلطان ابن یوسف کو راستے سے ہٹا کر اپنا پٹھو تخت پر بٹھا کر اس جھوٹے اطمینان میں مبتلا ہو گیا کہ اب تحریک آزادی دب جائے گی اور مراکش اس کے لئے پھولوں کی سیج بن جائے گا۔ لیکن ان دو سال کے واقعات نے اسے جتا دیا کہ اس صورت حال کا علاج نہ جبر و تشدد ہے نہ ساز و تمیں۔ چنانچہ اس نے اپنا مسلط کردہ سلطان ابن عرفہ، کو معزول کر کے ایک ایجنسی کونسل قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ البتہ مراکشی مطالبے کے دباؤ میں آکر یہ تسلیم کر لیا کہ وہ سلطان ابن یوسف کو مڈغاسکر سے پیرس لے آئے گا۔ اور نئی اصلاحات کے بارے میں ان سے مشورہ کرے گا۔ فرانس یہ کچھ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا ورنہ اس کی نیت بالکل صاف نہ تھی۔ اس نے ایک طرف سلطان ابن یوسف کو مراکش آنے سے روکا تو دوسری طرف ایجنسی کونسل میں اپنی مرضی کے آدمی بھرنے کی کوشش کی اس سے ملک میں پھر تعطل پیدا ہو گیا کیونکہ سب سے بڑی سیاسی جماعت، استقلال، نے اس ایجنسی کونسل سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں آ کے حالات نے غیر متوقع پلٹا کھایا۔ اچانک ابن عرفہ نے یہ حیران کن اعلان کر دیا کہ وہ ابن یوسف کے وفادار ہیں اور ان کی واپسی کے حق میں ہیں۔ اسی طرح مشہور بربر پاشا، الغلاوی، جنہیں ابن یوسف کا دشمن سمجھا جاتا تھا اور جن کی مخالفت کی آڑ لے کر فرانس نے ابن یوسف کو معزول کیا اور اب ان کی مراکش کی واپسی میں مانع ہو رہا تھا۔ انہوں نے بھی یہ اعلان کر دیا کہ وہ ابن یوسف کے وفادار ہیں۔ حالات کو یوں پلٹتے دیکھ کر فرانس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور اس کے پاس ابن یوسف کے خلاف جس قدر دلیلیں تھیں وہ سب باطل ہو گئیں۔ چنانچہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ سلطان کو پھر سے گدی نشین ہونے دیا جائے۔ اب ابن یوسف اپنے وطن واپس آ گئے ہیں اور چھنے ہوئے تخت کے مالک بن چکے ہیں۔ فرانس کی یہ بھاری شکست ہے لیکن کیا اس کی آنکھیں کھل گئی ہیں؟ اس کا ثبوت ان مذاکرات میں ملے گا جو سلطان کی حکومت اور فرانس کے مابین مراکش کے سیاسی مستقبل کے بارے میں شروع ہونے والے ہیں۔ اگر فرانس نے سابقہ تجربوں سے کچھ بھی فائدہ اٹھایا تو وہ کسی قسم کا روڑہ اٹکائے بغیر مراکش کو داخلی آزادی دینے پر رضامند ہو جائے گا، یہ کم سے کم رعایت ہے جو مراکش کو ملنی چاہیئے۔ اگر فرانس نے یہ درجہ رضامندی سے نہ دیا تو مراکش کا مطالبہ مکمل آزادی کا ہو جائے گا اور فرانس کے لئے اس سے کوئی مفر نہیں ہو گا۔ فرانس کو ٹیونس کی مثال بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے۔ وہاں ہر چند نو دستور پارٹی نے داخلی آزادی کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس پارٹی میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو مکمل آزادی پسند رہا ہے اور اس بنا پر وہ اپنی پارٹی سے کٹ گیا ہے۔ اگر فرانس نے اب بھی لیت و لعل سے کام لیا تو مغرب اقصیٰ میں انتہائی طبقہ زور پکڑ جائے گا اور سارے علاقے، ٹیونس، مراکش اور الجزائر میں مکمل آزادی کے لئے ایک نئی اور فیصلہ کن جنگ شروع ہو جائے گی۔ فرانس اس آگ کے شعلوں سے بچنا چاہتا ہے تو اسے حقیقت پسندی کا ثبوت دے کر مغرب اقصیٰ کی مفاہمت آمادگی کا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

کشمیر کانفرنس

اخبارات میں شائع شدہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۶ر نومبر کو منعقد ہونے والی کشمیر کانفرنس کے قریب قریب تمام مدعوین نے دعوت نامہ قبول کر لیا ہے۔ اور کانفرنس میں شمولیت کے لئے آ رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کانفرنس کے پہلے دن کی کارروائی "پبلک" ہو گی اور باقی کے بعد خفیہ۔ اس سے ظاہر ہے کہ کانفرنس میں ایسے امور پر بحث و تمحیص ہو گی جن کا صیغۂ راز میں رہنا ضروری ہے۔ ہم نے سابقہ اشاعت میں لکھا تھا کہ مدعوین کی فہرست میں ایسے لوگوں کے نام بھی نظر آتے ہیں جو نظریۂ پاکستان کے خلاف تھے، یا جو خود مسئلۂ کشمیر کے سلسلہ میں ایسی حرکات کے مرتکب ہوئے جن کی بنا پر حکومت کو انہیں پابند سلاسل کرنا پڑا۔ نیز ان میں ہندوؤں کے نام بھی ہیں۔ ہم حکومت سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا انہیں یقین ہے کہ جو باتیں ان لوگوں کی موجودگی میں ہوں گی وہ بالکل راز میں رہیں گی؟ "مجبور بادشاہ" ایک پرانی ضرب المثل ہے لیکن

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراج انسانیت (از پرویز) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کا [illegible] سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ عالی و [illegible] مضبوط جلد [illegible] قیمت [illegible] روپے

[illegible] آدم (از پرویز) سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد [illegible] انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم [illegible] ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے [illegible] صفحات ۔۔۔۔ قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے [illegible] قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے [illegible] حکومت علماء اور اسلامی جماعتوں کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ۔۔۔۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ ان کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ [illegible] صفحات۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (از پرویز) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ مدلل اور اچھوتا جواب [illegible] سائز کے [illegible] صفحات ۔۔۔۔ قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث [illegible] صفحات ۔۔۔۔ قیمت چار روپے

اسباب زوال امت (از پرویز) مسلمانوں کی [illegible] ایک سو [illegible] صفحات۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے [illegible] سات سالہ دور آزادی کی [illegible] صفحات [illegible] قیمت دو روپے آٹھ آنے

[illegible]

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس ۴۳۱۳ کراچی

غیر ملکی جاسوس

ان دنوں اخبارات میں غیر ملکی جاسوسوں کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ شائع شدہ تفاصیل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کارندے زندگی کے کم و بیش ہر شعبے میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر طرح کے جائز و ناجائز ذرائع سے کام لے کر اہل پاکستان میں انسردگی، بددلی اور منافرت کے جذبات پیدا کرنے میں کوشاں ہیں۔ انسانیت سوز وطنیت نے اقدار انسانی کو اس درجہ پست کر دیا ہے کہ دوسرے ممالک میں فتنہ و فساد پیدا کرنا اپنے وطن کی اعلیٰ خدمت متصور ہوتی ہے۔

یہ روش کتنی ہی مردود کیوں نہ ہو یہ موجودہ بین الاقوامی سیاست کا طرۂ امتیاز۔ لہٰذا اس پر چنداں اچنبھا نہیں ہوتا کہ کسی ملک میں غیر ملکی جاسوس کام کر رہے ہیں۔ پاکستان کے معاملہ میں تو اس کی گنجائش اور زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے ایک طرف ہندوستان ہے اور دوسری طرف روس۔ پاکستان دشمن ہندوستان کی مخالفت کے علی الرغم معرض وجود میں آیا بلکہ ہندوستان آج تک پاکستان کا حق زیست تسلیم نہیں کر سکا۔ وہ اسے متشکل ہونے سے روک نہ سکا تو اس نے بہت جتن کئے کہ یہ چل نہ سکے۔ اور اب جو یہ چل نکلا ہے تو اس کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی سیاست میں مؤثر ثابت نہ ہو سکے۔ لہٰذا وہ اسے اندرونی طور پر کھوکھلا کرنے کے درپے ہے اور بیرونی طور پر اس کی راہ میں کانٹے بکھیرتا جا رہا ہے۔ اسے تقویت روس سے مل رہی ہے۔ روس کو پاکستان سے خدا واسطے کا بیر تھا کیونکہ یہ دینی تصور کی بنا پر معرض وجود میں آیا۔ اب اسے پاکستان سے یہ کد بھی ہو گئی ہے کہ وہ مغرب سے رشتہ جوڑ رہا ہے۔ لہٰذا ان ممالک کا اپنے عزائم مشئومہ کی تکمیل کے لئے پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنا بالکل قابل فہم ہے۔ ہمیں ان سے گلہ یا شکایت نہیں ہے، ہمارے نزدیک رونا اس بات کا ہے کہ اہل پاکستان میں بالعموم پاکستانی تصور کا اس درجہ فقدان ہے کہ غیر ملکی کارندوں کو یہاں بڑی زرخیز زمین میسر آ جاتی ہے۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو پاکستان میں دو ایسے عناصر مصروف عمل ہیں جو ہر طرح سے اسے پست کرنے میں لگے رہتے ہیں اور ذہنی خلفشار پیدا کر کے پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرتے ہیں۔ ایک عنصر تو وہ ہے جو نہایت سادگی اور معصومیت سے یہ پروپیگنڈا کرتا رہتا ہے کہ پاکستان نے امریکہ سے رشتہ جوڑ کر اپنی آزادی کو رہن رکھ دیا ہے اور اس سے امداد لے کر اپنے آپ کو اس کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔ یہ عنصر صاف طور پر یہ نہیں کہتا کہ امریکہ سے کٹ کر روس سے رشتہ جوڑا جائے لیکن وہ بڑی عیاری سے روسی کارناموں کو پیش کرتا ہے۔ اور "غیر جانبدارانہ" نقطہ سے ان کی تعریف کرتا ہے ان کا انداز جذباتی ہوتا ہے اس لئے سننے والوں کو سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور عام قلوب واذہان غیر محسوس طور پر ایک خاص سمت کی طرف مڑتے جاتے ہیں۔ اور ان کے دل میں یہ خیال بیٹھتا جا رہا ہے کہ روس تو روس، ہندوستان بھی ایک جنتی ارضی بن چکا ہے اور وہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہاں حسنات ہی حسنات ہیں۔ اس کے برعکس، پاکستان میں سیآت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ عنصر کمیونسٹوں اور ان کے ہمنواؤں پر مشتمل ہے۔

دوسرا عنصر مذہب کی آڑ میں تخریب پیدا کر رہا ہے یعنی جماعت اسلامی اور ان کے متفقین کا ہے۔ ان کے لٹریچر کی ددکیر تحریر

سے بھی کہیں گہری پڑتی ہے۔ اس لئے کہ مسلمان مذہب سے والہانہ عقیدت رکھتا ہے۔ ان کے ہاں روپے کی فراوانی ہے اور پراپیگنڈے کی تکنیک نازیوں اور کمیونسٹوں کی سی ہے۔ ان کا دعوے یہ ہے کہ ہم ملک میں اسلامی دستور اور نظام شریعت چاہتے ہیں اور حکومت پوری پوری کوشش کر رہی ہے کہ یہاں اسلامی دستور نافذ نہ ہونے پائے۔ عوام سے... یہ کہتے ہیں کہ تم تو بہت اچھے ہو لیکن یہ خواص کا طبقہ جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے خالص طاغوتی طبقہ ہے جو شریعت کے نظام کو عام نہیں ہونے دینا چاہتا۔ غور کیجئے کہ اگر ایک مذہب پرست ملک میں برسہا برس تک اس خیال کو عام کیا جائے کہ حکومت، مذہب کی دشمن اور اسلامی نظام کی مخالف ہے تو لوگوں کے دلوں میں حکومت کے خلاف کس قدر نفرت اور عداوت کے جذبات پرورش پا جائیں گے انہوں نے حکومت کو اپنے مد مقابل ایک پارٹی قرار دے رکھا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ان سے کسی مذہبی نظریہ میں بھی اختلاف کرے تو یہ جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ حکومت کے ایما سے ہو رہا ہے۔ مثلاً ملک کا ایک طبقہ ہے، جو حدیث کے متعلق ایک خاص نظریہ رکھتا ہے۔ جو (بظاہر) ان کے نظریہ سے مختلف ہے اس کے متعلق ان کا ارشاد یہ ہے کہ

> یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ حدیث اور سُنّت
> کے خلاف ملک میں ایک محاذ کھول دیا گیا ہے
> اور اسلامی نظام زندگی کے تمام مخالفین اس
> محاذ پر اکٹھے ہو رہے ہیں، حکومت بھی اس
> کی سرپرستی فرما رہی ہے۔

(ترجمان القرآن۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۳۶)

چنانچہ ان کا یہ پروپیگنڈا بڑا کامیاب ہے اور خود حکومت کے دفاتر کے اندر تک اثرانداز ہو چکا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ملازمین حکومت تک اس بیباکی اور ڈھٹائی سے حکومت کا استہزاء اور سرکاری امور کا کھلے بندوں چرچا کرتے ہیں کہ صاف نظر آتا ہے کہ یہ ایک مخالف جماعت کے افراد ہیں جو ایک خاص سازش کے ماتحت دفتروں میں گھسے ہوئے ہیں۔

یہ تو ہیں ان تخریبی عناصر کی کارستانیاں۔ اس کے برعکس حکومت ان کے استیصال کے لئے کیا کچھ کر رہی ہے.... اس کے متعلق ملک کو کچھ علم نہیں بجز اس کے کبھی کبھار اس قسم کی آواز بلند ہو جاتی ہے کہ ملک میں دشمنوں کے کارندے ہر جگہ پھیل رہے ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا۔ اس خطرے کی گھنٹی کی آواز آج پہلی مرتبہ ہمارے کانوں تک نہیں پہنچی۔ یہ تو پاکستان بننے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں اس کا اعلان ہوا تھا کہ ملک میں اس قسم کے تخریبی عناصر مصروف کار ہیں۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ طلوع اسلام نے اس پر یہ کہا تھا کہ اس قسم کے مبہم اعلانات سے ملک ان تخریبی عناصر کے مذموم اقدامات سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت واضح طور پر بتائے کہ فلاں فلاں گروہ ملک کا دشمن ہے اور حکومت ان کے استیصال کے لئے یہ کچھ کر رہی ہے۔ لیکن حکومت نے غالباً ان اعلانات ہی کو کافی سمجھا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ اس سات آٹھ سال کے عرصہ میں اس تخریبی گروہ نے پورے ملک میں اپنا جال بچھا لیا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی

کو چونکہ خلاف قانون قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق تو ہم وثوق سے کہہ نہیں سکتے لیکن جماعت اسلامی کے متعلق تو ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ یہ کس بُری طرح ملک پر چھا گئی ہے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ حکومت اب بھی ان تخریبی عناصر کے استیصال کے لئے کیا کچھ کرنا چاہتی ہے۔ انہی دنوں ڈاکٹر خان صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں فرمایا کہ وہ خلاف مملکت سرگرمیوں کو برداشت نہیں کریں گے اور کسی ایسے فرد کا لحاظ نہیں کریں گے جو ان کا مرتکب ہوگا۔ گورنر جنرل صاحب نے بھی ایک حالیہ تقریر میں فرمایا کہ جو لوگ پاکستان کے وفادار نہیں انہیں حق حاصل ہے کہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ یہ پند و نصائح اپنی جگہ بجا و درست ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو لوگ پاکستان میں آئے ہی اس غرض سے ہیں کہ یہاں انتشار پھیلائیں وہ از خود اس ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ جائیں گے کیوں؟ انہیں یہاں سے نکالنے کے لئے جب تک حکومت خود کچھ نہیں کرے گی ان کا استیصال نہیں ہو سکے گا۔

اس کے ساتھ ہی حکومت کو ایسی تدابیر بھی اختیار کرنی چاہئیں جو ایسے عناصر کا کامیاب ہونا ناممکن بنا دیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے باشندوں میں پاکستانی شعور پیدا کیا جائے۔ ملکی شعور یوں تو ہر ملک کے بقا کے لئے ناگزیر ہے لیکن پاکستان میں اس کی ضرورت اور اشد ہو جاتی ہے کیونکہ پاکستان نیا ملک ہے اور اس کا جداگانہ وجود ذہنوں پر پوری طرح مرتسم نہیں ہوا۔ اس کا مرتسم ہونا تو ایک طرف الٹی مسلسل کوششیں ہو رہی ہیں کہ دل و دماغ کے دروازے اس کے لئے بند رہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس کے لئے مثبت طور پر کچھ نہیں کیا گیا۔ گھروں میں اس شعور کی بیداری کے سامان ہو سکے ہیں، نہ سکولوں میں، نہ اخبارات میں اس کے لئے کچھ کیا جاتا ہے، نہ ریڈیو کو اس مقصد کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ سکول، ریڈیو اور اخبارات پاکستانی شعور کی بیداری میں بڑا کام کر سکتے ہیں لیکن ان سے یہ کام لینے کے لئے ان کی بنیادوں تک کو بدل دینا ہوگا۔ مثلاً اگر ہم سکولوں میں نصاب تعلیم ایسا رکھیں جو پاکستانی شعور پیدا کرنے والا ہو تو ہمارے بچے صحیح معنوں میں پاکستانی ہوں گے۔ اسی طرح ریڈیو کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر حکومت چاہتی ہے کہ پاکستان غیر ملکی ایجنٹوں کے شر سے محفوظ رہے تو اسے ان اساسی امور کی طرف فوری توجہ دینی چاہیئے۔ اگر اس نے محض اعلانات ہی پر اکتفا کیا تو جو کچھ آج کمیونسٹوں کے ہاتھوں ملایا اور برما میں، اور مذہبی "مقدسین" کے ہاتھوں مصر، ایران اور انڈونیشیا میں ہو رہا ہے، وہی کچھ یہاں ہونے لگ جائے گا۔

اسلامی معاشرت
از پرویز
قیمت دو روپے

تاریخی شواہد

(۳۸)

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جب اس قوم کے احبار و رہبان حضرت ابراہیمؑ کے مسکت دلائل اور مسکن مبنی شہادات کے سامنے لاجواب ہو گئے تو بجائے اس کے کہ اعتراف کر لیتے، انہوں نے عوام کے جذبات کو مشتعل کیا اور تجویز کیا کہ آپ کو زندہ آگ میں ڈال دیا جائے کیونکہ ان کے نزدیک بتوں کی توہین اور مسلک بت پرستی سے بغاوت، جرم عظیم تھا اور ایسے جرائم کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ مجرم کو زندہ نذر آتش کر دیا جائے۔ سورۂ صٰفٰت میں ہے۔

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ (۳۷/۹۷)

وہ لوگوں نے کہا (بس بہت ہو چکی۔ اب) اس کے لئے ایک آتش خانہ بناؤ، اور دہکتی آگ میں اسے ڈال دو!

انہوں نے یہ تدبیر کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو خاک میں ملا دیا اور وہ اپنے مذموم ارادوں میں خاسر و نامراد رہے۔

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ۝ (۳۷/۹۸)

چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنے کا ارادہ کیا مگر ہم نے انہیں ہی نیچا دکھا کر چھوڑا (کہ ان کی تمام تدابیر کو خاک میں ملا دیا)

دیکھئے یہاں پھر فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا کہا ہے۔ یعنی انہوں نے ابراہیم کے خلاف اس منصوبہ کا ارادہ کیا تھا۔ سچ مچ انہیں آگ کی بھٹی میں نہیں ڈال دیا تھا وہ ابھی اپنی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ اس مقام سے ہجرت فرما کر دوسری جگہ تشریف لے گئے۔

فَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ (۳۷/۹۹)

اور (دیکھو) ابراہیم نے کہا۔ میں اس مقام کو چھوڑ کر وہاں جا رہا ہوں جہاں اس نظام ربوبیت خداوندی کی تشکیل کے لئے حالات زیادہ سازگار ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار وہاں میرے لئے بہت جلد کشادگی کی راہیں کھول دے گا۔

سورۂ عنکبوت میں ہے

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (۲۹/۲۴)

پس اس کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب ہی نہیں تھا کہ وہ کہنے لگے۔ ابراہیم کو قتل کر دو یا (زندہ) جلا دو۔ اللہ نے اسے آگ سے بچا لیا۔ بلاشبہ اس واقعہ میں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہوں (بڑی بڑی) نشانیاں (پنہاں) ہیں۔

اس واقعہ کو سورۂ انبیاء میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے،

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝ (۲۱/۶۸)

انہوں نے (آپس میں) کہا اگر ہم میں کچھ بھی ہمت ہے تو آؤ اس آدمی کو آگ میں ڈال کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں

اس کے بعد ایک آیت چھوڑ کر کہا۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۝ (۲۱/۷۱-۷۲)

اور دیکھو ہم نے اُسے اور اس کے بھتیجے) لوط کو (دشمنوں سے) نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جسے قوموں کے لئے (رہنما) بابرکت ملک بنایا ہے (یعنی سرزمین کنعان) اور (پھر ہم نے اسے (ایک فرزند) اسحاق عطا فرمایا اور مزید برآں (پوتا) یعقوب۔ ان سب کو ہم نے نیک کردار بنایا تھا۔

ان مقامات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اُس سرکش و متمرد قوم نے اپنے جوش انتقام میں یہ منصوبہ باندھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ کے انبار میں ڈال دیا جائے تاکہ ان کے معبود روز روز کی تحقیر و تذلیل سے محفوظ رہیں لیکن قبل اس کے کہ وہ ان پر ہاتھ ڈالتے آپ حکم خداوندی کے مطابق وہاں سے چپکے سے ہجرت کر گئے اور یوں وہ قوم اپنے ارادوں میں ناکامیاب رہی۔ جس طرح، جب اہل مکہ نے یہ سازش کی کہ نبی اکرمؐ کو رات کی تاریکی اور خاموشی میں قتل کر دیا جائے، آپ نے بحکم خداوندی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور یوں قریش کے خفیہ منصوبے خاک میں مل گئے۔ توریت کے صفحات میں ہم حضرت ابراہیمؑ کو مع ان کے برادرزادہ (حضرت لوطؑ) اور آپ کی حرم محترم (حضرت سارہ) کے، مصر تک سفر کرتے دیکھتے ہیں جہاں کے بادشاہ نے اپنی بیٹی (حضرت ہاجرہ) کو آپ کے عقد میں دیا۔ اس کے بعد آپ نے فلسطین (کنعان) میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ قرآن کریم میں اس ہجرت کے متعلق کئی ایک مقامات پر ذکر آیا ہے

سورۂ مریم میں ہے

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ (۱۹/۴۹-۵۰)

پھر جب ابراہیم ان لوگوں سے اور ان سب سے جنہیں وہ اللہ کے سوا معبود مانتے تھے الگ ہو گیا تو ہم نے (اس کی نسل میں برکت دی اور) اُسے اسحٰق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب عطا فرمایا۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نبوت دی تھی اور اپنی بخشش کی برکت سے سرفراز کیا تھا۔ نیز ان سب کے لئے سچائی کی صدائیں بلند کر دیں (جو کبھی خاموش ہونے والی نہیں۔)

سورۂ انبیاء میں ہے۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۝ (۲۱/۷۱)

ہم نے اسے اور (اس کے بھتیجے) لوط کو دشمنوں سے نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جسے قوموں کے لئے رہنما (بابرکت ملک بنایا ہے (یعنی سرزمین کنعان)۔ اور (پھر) ہم نے اُسے (ایک فرزند) اسحاق عطا فرمایا اور مزید برآں (پوتا) یعقوب۔ ان سب کو ہم نے عمدہ صلاحیتوں کا مالک بنایا تھا۔

سورۂ عنکبوت میں آگ سے محفوظ رکھنے کے بعد کہا۔

فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ ۘ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (۲۹/۲۶-۲۷)

چنانچہ لوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا میں اپنے پروردگار (کی بتائی ہوئی راہ) کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ بلاشبہ وہ (ہر چیز پر) غالب اور (ہر کام میں) حکمت والا ہے اور اللہ نے اسے اسحٰق اور یعقوب (جیسا بیٹا اور پوتا) عطا کیا۔ اور اس کی اولاد میں قیامت تک کے لئے) نبوت اور کتاب (کے سلسلہ) کو قائم کر دیا اور ہم نے دنیا میں بھی اس (کے نیک اعمال) کا اجر اُسے دے دیا (کہ تمام عالم انسانی کا اُسے امام بنا دیا) اور حقیقت یہ ہے کہ وہ آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوگا۔

اِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي کے ٹکڑے پر غور فرمائیے۔ سورۂ صٰفٰت میں اسی روح کو دوسرے الفاظ کا پیکر عطا ہوا ہے۔ جہاں فرمایا۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ (۳۷/۹۹)

مجلس اقبال

مثنوی اسرار خودی

باب چہارم (مسلسل)

خود فرود آ از شتر مثل عمر
الحذر از منت غیر الحذر

تو اپنے کاموں میں کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو۔ حتیٰ کہ اگر تو گھوڑے پر سوار ہو اور تیرے ہاتھ سے چابک گر جائے تو کسی دوسرے سے نہ کہہ کہ اس چابک کو اٹھا دو گھوڑے سے خود نیچے اُتر و اور اپنا چابک آپ اٹھاؤ جس طرح حضرت عمرؓ نے کیا تھا۔

تا بکے دریوزۂ منصب کنی
صورت طفلاں ز نے مرکب کنی

تو کب تک جاہ و منصب کی تلاش میں دوسروں کے پیچھے مارا مارا پھرے گا۔ دوسروں کی عطا کی ہوئی منصب اپنے اندر حقیقی قوت نہیں رکھتی۔ اس کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے بچے ایک چھڑی کو اپنا گھوڑا بنا کر اپنے پاؤں چلتے جاتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ گھوڑے پر سوار ہیں۔ دوسروں کی عطا کی ہوئی قوت اور عزت اسی قسم کا بچوں کا کھیل ہے۔ اس کی حقیقی قیمت کچھ نہیں۔

فطرتے کو بر فلک بندد نظر
پست می گردد ز احسان دگر

انسان کی وہ فطرت بلند جو اپنی نگاہ کو آسمانوں سے بھی اونچا لے جاتی ہے اور انتہائی بلندیوں کو اپنا نصب العین سمجھتی ہے۔ وہ دوسرے شخص کے احسان سے پست ترین درجہ میں پہنچ جاتی ہے۔

از سوال افلاس گردد خوار تر
از گدائی گدیہ گر نادار تر

یہ ٹھیک ہے کہ انسان پر ایسے حالات بھی آ سکتے ہیں جس میں وہ مفلس ہو۔ لیکن محض مفلسی سے اس کی خودی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ حرف اس وقت آتا ہے جب وہ اپنی مفلسی میں دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔ گدا گر بزعم خویش سمجھتا ہے کہ بھیک مانگنے سے اس کی احتیاج میں کمی آ جاتی ہے۔ حالانکہ اگر وہ نگاہ و بصیرت سے دیکھے تو دوسروں سے مانگنے سے جو کچھ اسے ملتا ہے وہ اسے نادار سے نادار تر بنا دیتا ہے۔ اسے روٹی کے چند ٹکڑے تو مل جاتے ہیں لیکن اس کی خودی کی متاع گراں بہا چھن جاتی ہے۔ اس لئے وہ درحقیقت پہلے سے بھی زیادہ نادار ہو جاتا ہے۔

از سوال آشفتہ اجزائے خودی
بے تجلی نخل سینائے خودی

سوال کرنے سے خودی کے اجزا پریشان ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان کی قوتیں مجتمع رہتی ہیں اور ان میں انتشار واقع نہیں ہوتا اس کی خودی محکم رہتی ہے جب ان میں انتشار پیدا ہو جائے تو خودی ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہ انتشار سوال سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے خودی کے نخل طور کی نور پاشیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اقبال کے لئے ضروری ہے کہ

مشت خاک خویش را از ہم مپاش
مثل مہ رزق خود از پہلو تراش

یہ پیکر خودی خاک کے منتشر ذروں کی باہم پیوستگی سے قائم ہے۔ اگر یہ ذرے منتشر ہونا شروع ہو گئے تو تیری خودی باقی نہیں رہے گی۔ تو اپنا رزق دوسروں سے نہ مانگ اپنے اندر سے پیدا کر۔ جس طرح چاند خود اپنا پہلو تراش تراش کر اپنے لئے رزق پیدا کرتا ہے۔ ماہ کامل کے آہستہ آہستہ گھٹنے سے یہ مضمون پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے پہلو سے اپنا رزق تراشتا رہتا ہے۔

گرچہ باشی تنگ روز و تنگ بخت
در رہ سیل بلا افگندہ رخت
رزق خویش از نعمت دیگر مجو
موج آب از چشمۂ خاور مجو

تجھ پر خواہ کتنی ہی تنگی کیوں نہ آ جائے۔ تو کتنا ہی بدنصیب کیوں نہ ہو جائے۔ تجھے مصائب چاروں طرف سے کیوں نہ گھیر لیں۔ لیکن تو اپنا رزق کسی دوسرے سے مت طلب کر۔ دوسرے سے رزق مانگنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص چشمۂ آفتاب سے پانی کی موج طلب کرے۔ وہاں سے تپش و سوز ملیگا آب خنک کیسے مل سکتا ہے؟ تو دوسروں کے سامنے اپنا ہاتھ مت پھیلا

تا نباشی پیش پیغمبر خجل
روز فردائے کہ باشد جاں گسل

تاکہ تو قیامت کے دن حضور سرور کائناتؐ کے سامنے شرمندہ نہ ہو، کہ ان کی اُمت کے ایک فرد نے غیروں کے سامنے جھولی پھیلائی تھی۔

ماہ را روزی رسد از خوان مہر
داغ بر دل دارد از احسان مہر

ہم دیکھتے ہیں کہ چاند کے اندر ایک سیاہ دھبہ ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس داغ کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چاند میں از خود روشنی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی روشنی کو سورج سے مستعار لیتا ہے۔ اس سے اس کی پیشانی داغدار ہو رہی ہے۔

ممکن ہے کہ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ابھی ہمارا شعار اوپر یہ کہا گیا تھا کہ چاند اپنا رزق خود اپنے پہلو سے تراش کر حاصل کرتا ہے اور یہاں یہ کہا گیا ہے کہ چاند کی پیشانی داغدار اس لئے ہے کہ وہ سورج سے اپنی روشنی (رزق) مستعار لیتا ہے۔ شاعری میں یہ سب چیزیں روا بھی ہوتی ہیں۔ شاعر ایک ہی چیز سے مختلف اوقات پر مختلف مطالب اخذ کرتا ہے اور مختلف استعارات سے اپنے مقصد پیش نظر کی تائید حاصل کرتا ہے۔

یہ چیز محض ضمناً کہہ دی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں۔

ہمت از حق خواہ و با گردوں ستیز
آبروئے ملت بیضا مریز

اگر تجھے ناسازگار حالات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے تو تو خدا سے ہمت طلب کر اور ان حالات سے نبرد آزما ہو جا۔ ان کے سامنے سپر ڈال کر غیر کے آگے ہاتھ پھیلانے سے اس امت شریفہ کو بے آبرو نہ کر۔

آنکہ خاشاک بتاں از کعبہ رفت
مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

رسول اللہؐ کہ جنہوں نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا تھا۔ نے فرمایا کہ محنت کرنے والے خدا کے دوست ہوتے ہیں۔ آپ نے فقر کو کفر کے قریب قرار دیا ہے اور سوال کرنے کو بدترین لعنت۔

وائے بر منت پذیر خوان غیر
گردنش خم گشتۂ احسان غیر

کس قدر قابل افسوس ہے اس کی حالت جو دوسروں کا احسان اٹھا کر ان کے دستر خوان سے روٹی کھاتا ہے۔ اس طرح اس کا پیٹ تو بھر جاتا ہے لیکن وہ اپنی گردن کو اونچا نہیں کر سکتا۔

خویش را از برق لطف غیر سوخت
با پشیزے مایۂ غیرت فروخت

ایسا شخص اپنی متاع حیات کو دوسروں کے احسان کی بجلیوں کے سامنے رکھ دیتا ہے جو اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہیں۔ وہ اپنی غیرت و حمیت کو کوڑیوں کے بھاؤ بیچتا ہے۔

اے خنک آں تشنہ کاندر آفتاب
می نخواہد از خضر یک جام آب

کس قدر خوش بخت ہے وہ انسان جو چلچلاتی دھوپ میں سخت پیاسا کھڑا ہو۔ لیکن اس کے باوجود خضر سے پانی کا پیالہ نہ مانگے۔

حیاتِ جاوید

(از۔ رشید احمد صدیقی)

[ہمارے دور میں جن ارباب فکر و عمل نے مسلمانوں کے معاشرے میں نمایاں انقلاب پیدا کیا ہے۔ ان میں سرسید کا نام ممتاز جگہ پر نظر آئے گا۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کے اس بطل جلیل کے صحیح مقام اور اس کی خدمات کے متعلق ہماری موجودہ نسل کو بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ حالی نے "حیات جاوید" میں سرسید کی سوانح عمری لکھی تھی لیکن وہ کتاب بھی اب نایاب ہے۔ علی گڈھ یونیورسٹی کے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب نے "حیات جاوید" کے تعارف کے سلسلہ میں ایک نیم تنقیدی سا مضمون لکھا ہے جسے ہم ہندوستان کے اخبار "مدینہ" کے شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اگرچہ اس مضمون میں "حیات جاوید" کے مختلف پہلوؤں کو سامنے نہیں لایا گیا۔ لیکن اس سے اس کتاب اور سرسید کا تھوڑا بہت تعارف تو ضرور ہو جاتا ہے۔ ایں ہم غنیمت است۔ طلوع اسلام]

حیات جاوید سرسید احمد خاں کی سوانح عمری ہے جو انیسویں صدی کے نصف آخر کے مسلمانوں کے مسلم سردار مانے گئے ہیں جن کی خدمات کا سب سے بہتر اور بڑا نمونہ علی گڈھ کی وہ درسگاہ ہے جو مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے مصنف مولانا الطاف حسین حالی ہیں جو اپنے عہد کے نہایت درجہ شریف اور درد مند انسان ہونے کے علاوہ اعلیٰ پایہ کے شاعر، نقاد، اور سوانح نگار مانے گئے ہیں۔ حیات جاوید ۱۸۹۳ء میں لکھی جانی شروع ہوئی۔ اور سرسید کی وفات کے تین سال بعد ۱۹۰۱ء میں ختم ہوئی۔ میرے سامنے جو ایڈیشن ہے اسے ۱۹۳۹ء میں انجمن ترقی اردو ہند نے دہلی سے شائع کیا تھا۔ متوسط سائز پر طبع ہوئی ہے۔ اور صفحات کی تعداد مع ضمیمہ جات کے کم و بیش چھ سو ہے۔

"حیات جاوید" میں سرسید کے خاندان، ان کی زندگی کے حالات اور سرکاری، ملکی، قومی، مذہبی، ادبی خدمات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ سرسید کی پیدائش سے وفات یعنی ۱۸۱۷ء سے ۱۸۹۸ء تک کا عہد کیا تھا؟ مسلمان کس حالت سے کس حالت کو پہنچ گئے تھے؟ سرسید ان سے کس طرح عہدہ برآ ہوئے۔ ان سب کا حال کتاب کی ضرورت کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں سرسید کی زندگی کے تمام واقعات اور ان کی خدمات ابتدا سے آخر تک ترتیب وار بقید تاریخ بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے میں ان کی زندگی اور ان کی خدمات پر تبصرہ ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ سرسید کی سیرت و شخصیت اور ان کی بیش بہا خدمات پر حیات جاوید ایک طور پر اس وقت تک سب سے اہم اور مکمل تصنیف ہے۔

اس کتاب کے بارے میں شبلی کی رائے یہ ہے۔

"اس میں سرسید کی شان میں قصیدہ پڑھا گیا ہے صرف ان کے ہنر گنائے گئے ہیں۔ ان کے عیب کا کہیں ذکر نہیں یہی نہیں بلکہ کتاب کے دوسرے حصہ کو بقول نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی، شبلی نے حالی کی محنت کی "تماشا گاہ" بتایا ہے۔ سرسید سے حالی اور شبلی، دونوں کا نہایت گہرا اور براہ راست تعلق رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حالی اور شبلی ایک دوسرے کے بڑے دوست تھے۔ ان کے علاوہ علامہ شروانی نے جو مضافات علی گڈھ کے بہت بڑے رئیس اور علوم شرقیہ میں بڑا درک رکھتے تھے۔ مدرسۃ العلوم سرسید اور ان کی خدمات کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا۔ انھوں نے سرسید کی وفات سے چھ سال بعد اور "حیات جاوید" کی اشاعت کے چار سال بعد "حیات جاوید" پر مفصل نکتہ چینی کی تھی۔ ان باتوں کے پیش نظر شبلی اور شروانی کے اعتراضات کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

"حیات جاوید" کے دیباچہ میں حالی نے لکھا ہے۔

"اگرچہ ہندوستان میں جہاں ہیرو کے ایک عیب یا خطا کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ کسی شخص کی بیوگرافی کریٹیکل طریقہ پر لکھی جائے۔ اس کی کمزوریاں بھی دکھائی جائیں۔ اور اس کے عالی خیالات کے ساتھ اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں چنانچہ اسی خیال سے ہم نے جو دو ایک مصنفوں کا حال اب سے پہلے لکھا ہے۔ اس میں جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکیں ان کی اور ان کے کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں۔ اور ان کے پھوڑوں کو کہیں ٹھیس نہیں لگنے دی۔ لیکن اول تو ایسی بیوگرافی چاندی سونے کے ملمع سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اس کے سوا؟ ان ہی لوگوں کے حال سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے جنھوں نے اس موج خیز اور پرآشوب دریا کے منجدھار میں اپنی ناؤ نہیں ڈالی۔ اور کنارے کنارے ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ صحیح سلامت جا اترے۔ ان کو سب نے بھلا جانا۔ کیونکہ ان کو کسی کی بھلائی یا برائی سے کچھ سروکار نہ تھا۔ وہ کہیں راستہ نہیں بھولے۔ کیونکہ انھوں نے اگلی بھیڑوں کے لیک سے کہیں ادھر ادھر قدم نہیں رکھا۔ لیکن ہم کو اس کتاب میں ایسے شخص کا حال لکھنا ہے۔ جس نے چالیس برس برابر تعصب اور جہالت کا مقابلہ کیا ہے۔ جس نے تقلید کی جڑ کاٹی ہے۔ بڑے بڑے علماء اور مفسرین کو لتاڑا ہے۔ اماموں اور مجتہدوں سے اختلاف کیا ہے۔ قوم کے پکے پھوڑوں کو چھیڑا ہے۔ اور ان کو کڑوی دوائیں پلائی ہیں۔ جس کو مذہب کے لحاظ سے ایک گروہ نے صدیق کہا ہے۔ تو دوسرے نے زندیق خطاب دیا ہے۔ اور جس کو پالیٹکس کے لحاظ سے کسی نے ٹائم سرور سمجھا ہے۔ اور کسی نے نہایت راست باز لبرل جانا ہے۔ ایسے شخص کی لائف چپ چاپ کیسے لکھی جا سکتی ہے ضرور ہے کہ اس کا سونا کسوٹی پر کسا جائے۔ اس کا کھرا پن ٹھوک بجا کے دیکھا جائے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"وہ ہم میں پہلا شخص ہے۔ جس نے مذہبی لٹریچر میں نکتہ چینی کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ سب سے پہلے اس کی لائف میں اس کی پیروی کی جائے۔ اور نکتہ چینی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ اگرچہ سرسید کے معصوم ہونے کا نہ ہم کو دعوی ہے۔ اور نہ اس کے ثابت کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس بات کا ہم کو خود بھی یقین ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں کہ سرسید کا کوئی کام سچائی سے خالی نہ تھا۔ اور اس لئے ضرور ہے کہ ان کے ہر ایک کام کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ کیونکہ سچ ہی اور صرف سچ ہی میں یہ کرامت ہے کہ جس قدر اس میں زیادہ کرید کی جاتی ہے اسی قدر اس کے جوہر زیادہ آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔"

حالی کے اس بیان پر علامہ شیروانی کے تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے:۔

"حیات جاوید" حرف بحرف پڑھنے کے بعد اس امر کا افسوس سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مصنف کا سارا زور یا سرسید کی حمایت میں صرف ہوا ہے یا مخالفین کو لتاڑنے میں۔ پکے پھوڑوں کے چھیڑنے کی جگہ وہ ان سے بچ کر نکل گیا ہے۔ چھوتا ہوا نکتہ چینی کے بارے میں یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ اس سے "حیات جاوید" تقریباً خالی ہے۔ اس میں ہیرو کے محاسن نمایاں کرنے میں بڑے مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ سرسید کے مقابلہ میں علمائے سلف کی خدمات کو جس طرح نظر انداز کیا گیا ہے۔ وہ صریحی بے انصافی ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ قدیم زمانہ میں علم نہایت محدود حلقے میں تھا۔ اور لوگ علوم کے اعلے اور ادنے مسائل سے بے بہرہ تھے۔ حالانکہ اس عہد کے علماء کے حلقہ درس میں تیس تیس چالیس چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے تھے۔ اور استاد کی آواز پہنچانے کے لئے تین تین سو آدمی کھڑے ہوتے تھے۔ مولف حیات جاوید نے سرسید کے مخالفوں کو لتاڑنے میں اعتدال سے زیادہ سرگرمی سے کام لیا ہے حالانکہ ایسے بزرگ موجود تھے جو سرسید کے مذہبی خیالات کے سخت مخالف تھے۔ لیکن بقیہ باتوں میں اول سے آخر تک ان کے معاون رہے۔ اس میں بھی کلام ہے کہ سرسید کے جو احباب عالم تھے۔ ان میں سے کسی نے ان کی تفسیر کو مانا ہو۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ سرسید نے جن علوم کا باقاعدہ تمام عمر درس نہیں لیا اس میں تصنیف کرنے پر وہ کس طرح آمادہ ہو گئے۔ سرسید عربی کے ادیب نہ تھے۔ اس لئے قرآن کے مستند مفسر کیسے مانے جا سکتے ہیں خود نواب محسن الملک نے اس بارے میں سرسید کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ اور طرفین کا مباحثہ اخبار میں شائع ہوتا رہا۔ کالج میں مذہبی تعلیم بالکل ویسی نہ تھی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے بلکہ سرسید کے عہد

سکریٹری شپ اور مسٹر جیک کی پرنسپلی کے زمانہ میں کالج میں جو چیز سب سے زیادہ غیر متہم بالشان تھی۔ وہ مذہبی تعلیم تھی۔ بہرحیثیت بل کا پیش ہونا بھی سرسید کی بڑائی میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔۔

۔۔۔۔ وغیرہ ۔۔۔ ؟

حالی اور شروانی دونوں کے بیانات اپنی اپنی جگہ پر ایک حد تک صحیح ہیں۔ البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حالی سوانح نگاری کی ذمہ داریوں سے ناآشنا تھے۔ وہ تو یہاں تک جانتے تھے کہ ہیرو کی خامیاں بتانے سے اس کی خوبیاں اور اجاگر ہوتی ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ سرسید کو عربی زبان پر اتنا عبور نہ تھا کہ وہ قرآن شریف کی تفسیر لکھنے پر آمادہ ہو جاتے۔ اور امور دین میں اجتہاد سے کام لیتے۔

سرسید کا یہ خیال بھی صحیح نہ تھا کہ ہر چیز کے ماننے کی کسوٹی صرف عقل ہے۔ لیکن سرسید کا زمانہ ایسا تھا کہ جب عقل اور مذہب خانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ عقل پر تمام تر زور دینا سرسید نے اپنے عہد کے مغربی رجحانات سے سیکھا ہو۔ اور مذہب کو نااہلوں کے ہاتھ میں کھلونا دیکھ کر ان کو مذہب کی عقلی تفسیر پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو جیسا کہ ہر زمانے میں ہر صاحب فکر و نظر کو محسوس ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بات خاص طور پر دھیان میں رکھنے کی ہے کہ مذہب کو تقاضائے وقت کے مطابق سمجھنے یا سمجھانے کا کام جب کسی اور کے بس کا نہ تھا تو سرسید کیا کرتے؟ بھلا یا برا اپنے حوصلے کے خود اس پر آمادہ ہو گئے۔ سرسید یہ دیکھتے تھے کہ بے شمار چھوٹے بڑے کام کرنے کے ہیں، لیکن کرنے والے دکھائی نہ دیتے تھے۔ اس لئے بے اختیار خود کرنے لگتے تھے۔ سوچئے تو طرح طرح کے کتنے اہم مسائل میں الجھے ہونے کے باوجود سرسید کو کیا پڑی تھی کہ ہومیو پیتھک کے علاج پر رسالہ لکھ ڈالا۔

امور زندگی میں مذہب، سیاست، فن، ادب، آرٹ سماج سبھی آتے ہیں۔ زمانہ کے نئے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے زندگی کے مقررہ اصول و آداب کو نئی تشکیل یا تغیر دینے کی ہمیشہ ضرورت سمجھی گئی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ہمارے آپ کے طریقہ فکر سے کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے مذہب میں تحریف کرنے کا حق کسی کو نہ تھا۔ سرسید کو بھی نہ تھا۔ لیکن مذہب کو سمجھنے یا سمجھانے کی کوشش کرنا گناہ نہیں۔ بالخصوص ایسی حالت میں اور ایسے زمانہ میں جو سرسید کو ملا تھا۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جہاں مذہب کی پیروی کی جائے گی۔ وہاں مذہب معرض بحث میں ضرور آئے گا۔

سرسید خود بڑے مذہبی آدمی تھے۔ اور ان کی خاندانی روایات ان کی تعلیم و تربیت۔ ان کا گرد و پیش۔ ان کے احباب و رفقاء سب کے سب مذہبی تھے۔ اس لئے یہ کہنا کہ سرسید دین کو مسخ کرنا چاہتے تھے صحیح نہیں۔ سرسید کو کافر قرار دیئے جانے کی جیسی جدوجہد کی گئی۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں مذہب کا تصور کیا رہ گیا تھا۔

سرسید مغرب اور انگریز دونوں سے عہدہ برآ ہونا چاہتے تھے۔ ان دونوں کو اللہ کی لعنت سمجھ کر نہیں بلکہ وقت کا تقاضا یا ہماری آپ کی شامت اعمال سمجھ کر۔ قوموں پر ایسا وقت آتا ہے جب قوم کے سربراہ کے لئے ایسا کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ بقول ایک فاضل کے حالی سرسید کے خیالات سے متفق رہے ہوں یا نہیں سرسید کی خدمات اور خلوص کے قائل تھے۔ حالی سرسید کے اصول اور کاموں کو ان کی ذات یا شخصیت پر ترجیح دیتے تھے اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ادب برائے ادب ماننے کی بات نہیں تو سوانح عمری بھی برائے سوانح عمری کیوں؟ میں شاعر، ادیب یا فن کار کو تھالوجسٹ یا ازلوسٹ نہیں مانتا۔ اس کو حسن کار اور معلم اخلاق جانتا ہوں۔ حالی سرسید کی خدمات کو سرسید کی کمزوریوں سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے۔

قوموں پر اکثر ایسا وقت آیا ہے جب اچھے اور بڑے لیڈر کو قوم کی جان و مال و آبرو کے بچانے میں بہت سی ایسی باتوں کو نظر انداز یا اختیار کرنا پڑتا ہے جن کا نارمل حالات میں نظر انداز کرنا یا اختیار کرنا ناروا اور ناقابل معافی ہوتا۔ لیڈر عموماً غیر معمولی حالات کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی خوبیاں اور خامیاں بھی غیر معمولی ہوتی ہیں۔ ان خوبیوں اور خامیوں کو انہیں غیر معمولی حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ حالی سرسید اور حیات جاوید تینوں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس زمانہ کو مدنظر رکھا جائے۔ جس میں ان کا ظہور ہوا۔

مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ انگریزی حکومت برسرکار آ چکی تھی۔ مغربی انداز و افکار زندگی میں تیزی کے ساتھ راہ پا رہے تھے۔ ملک میں طرح طرح کی نئی طاقتیں ابھر رہی تھیں یہ طاقتیں تاریخی اور معاشی عوامل کی پیدا کی ہوئی تھیں۔ انگریزی حکومت کی بساط پر طرح طرح کے کھیل کھیلے جا رہے تھے، ملک میں قومیت کا قدیم اور تجارت کا جدید تصور سر ابھار رہا تھا ان حالات کے ماتحت حالی جیسا دردمند سرسید پر نکتہ چینی کیسے کر سکتا تھا جب کہ وہ ان کو مسلمانوں کا وقت کا سب سے بڑا منجات دہندہ سمجھتے تھے۔

سوانح نگاری کوئی ایسا حادثہ تو نہیں جیسے سان گمان آسمان سے نازل ہو گیا ہو۔ وہ انسانی زندگی کا علم ہے۔ علم ہی نہیں ایک طرح کا صحیفۂ اخلاق یا صحیفۂ عبرت بھی ہے اس کے اصول و قانون۔ ریاضی اور طبیعات کی مانند اٹل نہیں ہوتے۔ اس لئے ہر علم و فن کی مانند سوانح نگاری کو بھی انسانیت کی تکریم و تقدیس کا آلہ بننا چاہئے۔ سرسید میں یقیناً خامیاں تھیں۔ اور ان کی بعض کارروائیوں سے حالی نیز سرسید کے بعض مقربین کو سخت اختلافات بھی تھا۔ اس کا تذکرہ حیات جاوید میں آیا ہے۔ لیکن ان کے مقابلہ میں خوبیاں اتنی زیادہ اور سرسید کا خلوص اس درجہ مسلّم تھا کہ ان خامیوں پر زور دینے کی اتنی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ سرسید نے جس اخلاص، قابلیت، جانکاہی اور سرفروشی سے کم و بیش پچاس سال قوم کی خدمت کی۔ اور اس کو حوصلہ مند بنا دیا۔ اس کا اقتضا تھا کہ ان کی خامیوں کو جو یقیناً بنیادی نہ تھیں اہمیت نہ دی جاتی اور حالی نے یہی کیا۔

مذہب کا معاملہ کچھ ایسا ہے اور قوموں کی زندگی میں ایسے مواقع آئے ہیں۔ اور آیا کرتے ہیں جب یہ حکم لگانا آسان نہیں ہوتا کہ امور مذہب میں اختلاف رائے رکھنے والوں میں مذہب کا دوست کون تھا اور کون نہیں۔ مذاہب آسمان سے اترے ہوں یا نہیں اترے بہرحال دنیا والوں پر ہیں۔ اور دنیا والوں کے لئے ہیں۔ اب اگر دنیا والے اس میں اپنی صلاح و فلاح ڈھونڈنے کی کوشش کریں تو اپنی اپنی نیت کے اعتبار سے نفرین یا تحسین کے مستحق ٹھہریں گے لیکن تاویل کا دروازہ کبھی بند نہیں رکھا جا سکے گا۔ اور نہ رکھنا چاہئے۔ بذات خود میں کچھ ایسا سمجھتا ہوں کہ بنیادی عقائد سے قطع نظر مذہب کو زندگی اور زمانہ کی حقیقتوں کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سرسید نے ایسا کیا۔

حیات جاوید کا سب سے بڑا امتیاز جیسا کہ میں نے ابتدا میں ہی عرض کیا ہے کہ اس کا مصنف اور اس کا ہیرو دونوں اپنے وقت کی بڑی بزرگ اور اہم ہستیاں تھیں۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس سے پہلے اس طرح کی سوانح عمری نہیں لکھی گئی تھی۔ شبلی نے حالی سے پہلے ہیروز آف اسلام سلسلہ کی سوانح عمریاں لکھیں۔ ان کی نوعیت بالکل جداگانہ تھی۔ ان کے ہیرو ہم سے بہت دور زمانے کے ہیں۔ اور ایک طور پر نکتہ چینی سے بلند بالا لئے گئے ہیں جو حالات و واقعات ان سے منسوب کئے جاتے ہیں بربنائے عقیدت ہم ان کو صحیح مانتے ہیں۔ حیات جاوید سرسید کی ہی زندگی میں لکھی جانی شروع ہوئی اور وفات کے تین سال بعد شائع ہو گئی۔ سرسید اور حالی سے براہ راست واقفیت رکھنے والے ابھی موجود ہیں۔ ظاہر ہے اس سبب سے حیات جاوید پر جیسی کڑی تنقید کئے جانے کا امکان ہے۔ شبلی کے "ہیروز آف اسلام" پر نہیں۔

بی پی
ڈبل وی ٹی
جسم کو
توانائی
بخشتی
ہے

ہندوستان کی نئی صوبائی حد بندی

زمانے کے انقلابات بھی عجیب ہوتے ہیں۔ عین اس حال میں کہ پاکستان افتراق و تشتت کی بساط تہ کر کے وحدت و استحکام کے ایک انقلاب انگیز تجربے کی طرح ڈال چکا تھا، ہندوستان میں علاقائی رقابت اور لسانی تصادم کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ منصوبہ وحدت کی تشکیل و تعمیل پر وقت تو صرف ہوا، لیکن یہ کچھ ہوا ایک قاعدے اور ڈھنگ کے مطابق۔ یہ اخبارات کے صفحات پر اور سیاسی لیڈروں کے مابین ہی موضوع بحث نہیں بنا بلکہ موجودہ صوبائی اسمبلیوں اور نمائندہ اداروں نے بھی اسے جمہوری طریق سے منظور کیا۔ اس منظوری کے بعد یہ منصوبہ مجلس دستور ساز میں آیا۔ کیونکہ از روئے آئین صوبوں کے خاتمے کا فیصلہ یہیں سے صادر ہو سکتا تھا۔ ہندوستان یہ دیکھ رہا تھا، اور وقت التہاب تھا کہ متشدد صوبائیت کے روز افزوں مظاہروں سے وحدت و یگانگت کا عمل کیسے ابھر آیا۔ یہ منظر اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ مگر اس میں اس کے لئے مخالفت کا ایک پہلو بھی نہیں ملتا تھا۔ ہندوستانی اخبارات نے بہت سر مارا تو انہیں وحدت مغرب میں یہ 'عیب' نظر آیا کہ اس کو عوام سے استصواب کئے بغیر حکومت کے زور پر مسلط کیا جا رہا ہے۔

خدا کی شان اس نکتہ چینی کی سیاہی بھی ہنوز خشک نہ ہونے پائی تھی کہ ہندوستان خود اسی مرحلے میں آ پہنچا جس سے پاکستان بخیر و خوبی گزر چکا تھا۔ ۱۴ر اکتوبر کو مغربی پاکستان کے متحدہ صوبے کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے چار دن پیشتر یعنی ۱۰ر اکتوبر کو صوبائی حد بندی کی نئی تجاویز شائع ہوئیں۔ یہ تجاویز اس کمیشن نے پیش کی تھی جو ۲۹ر دسمبر ۱۹۵۳ء کو مقرر ہوا تھا اور گذشتہ دو سال سے ضروری معلومات و شہادات جمع کر رہا تھا۔ اس کمیشن نے جن مزعومہ اصولوں کی بنا پر اپنی سفارشات پیش کیں انہوں نے ہندوستان میں عجیب ہنگامہ بپا کر دیا ہے۔ ترتیب نو کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ موجودہ صوبے انگریز نے اپنی مصلحتوں کی بنا پر بنائے تھے۔ اور ان کی حدود انہیں کے استعماری تقاضوں کو پورا کرتی تھیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ تحدید نو بایں انداز کی جائے کہ اس سے معتدبہ اکثریت کی دلجمعی ہو جائے اور ملکی وحدت بھی برقرار رہے۔ اصول اپنی جگہ درست، لیکن اس کے مطابق جو نئی حدود تجویز کی گئی ہیں۔ ان سے شاید ہی کوئی علاقہ یا فریق ہوگا جو مطمئن ہوگا۔ اطمینان تو ایک طرف الٹا ایک ایسا فتنہ کھڑا ہو گیا ہے۔ جس نے ملک کی وحدت اور سالمیت کے لئے کڑی آزمائش کا موقع بہم پہنچا دیا ہے یہ محض اتفاق نہیں کہ رپورٹ شائع ہونے کے بعد صدر راجندر پرشاد اور وزیر اعظم پنڈت نہرو نے خاص طور پر اپیلیں کی ہیں کہ ملک کی اساسی وحدت کو پیش نظر رکھا جائے اور نقصان نہ پہنچایا جائے۔

چونکہ بعض صوبوں میں خصوصیت سے مجوزہ حد بندی کی شدید مخالفت ہو رہی ہے۔ اور متضاد مطالبات کی تکمیل کے لئے انتہائی قربانی تک دینے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اس لئے فیصلہ یہ کیا گیا ہے کہ رپورٹ کو صوبائی اسمبلیوں میں پیش کرنے کی بجائے مرکزی اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ یہ جمہوری پگڈنڈی اس لئے اختیار کی جا رہی ہے کہ عام راستوں پر صوبائی مخالفتوں کے جو بے شمار کانٹے بکھرے پڑے ہیں، ان سے تلوے زخمی نہ ہو جائیں۔ یہ فیصلہ صوبائی وزرائے اعلیٰ کی خفیہ کانفرنس میں کیا گیا۔ اس کے لئے نہ تو صوبوں سے مشورہ کیا گیا اور نہ ان عناصر سے استصواب کرنا ضروری سمجھا گیا جو مختلف وجوہ کی بنا پر کمیشن کی سفارشات سے مطمئن نہیں۔ اور ان میں اساسی تبدیلیاں چاہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس کے لئے آئین تک کو بدل دیا جائے گا۔ یعنی آئین کی اس شق میں ترمیم کر دی جائیگی جس کی رو سے مرکزی اسمبلی براہ راست اس مسئلہ کا فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں۔ ہندوستانی حالات کے مبصر جانتے ہیں کہ اگر صوبائی اسمبلیوں میں یہ رپورٹ زیر بحث آئے تو اس کے منظور ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ مرکز سے جلد از جلد منظور کرا کے تجاویز پر عمل درآمد کرنے میں مصلحت یہ بتائی جا رہی ہے کہ جنوری ۱۹۵۷ء میں دوسرے انتخابات عامہ شروع ہوں گے۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ تجاویز کو انتخابی ایشو بنایا جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ انہیں کم سے کم وقت میں نافذ بلکہ بالفاظ صحیح تر مسلط کیا جائے۔ پنڈت نہرو کے دست راست پنڈت پنت نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ تجاویز کو مرکز سے پاس کرا کے نافذ کر دیا جائے۔ اور جمہوری اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صوبائی اسمبلیوں کو توڑ دیا جائے۔ نہ بعض یہ کہ صوبائی اسمبلیوں کو بحث کا موقعہ نہ دیا جائے۔ بلکہ ان کو توڑ کر ان کی زبان بندی کر دی جائے۔ نیز اس کے بعد صوبوں میں جو گڑبڑ ہو اسے مرکز براہ راست کچل دے۔ جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹنے والا۔ اور پاکستان کو جمہوریت کا سبق دینے والا آج خود کس 'جمہوری' مشکل میں پھنس گیا ہے۔ پاکستان اس پر اور کیا کہہ سکتا ہے کہ۔ 'انتقام خاک درویشے نگر!'

کمیشن کی تجاویز کا جائزہ لینے سے قبل اس کے پس منظر کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ جس نے کمیشن کے تقرر کو ناگزیر بنا دیا۔ اور نہرو حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ بھڑوں کے اس چھتے کو ضرور چھیڑے۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان ایک ملک نہیں تھا۔ اس خطہ ارض میں کئی قومیں بستی تھیں جو ایک دوسرے سے دست و گریباں تھیں۔ یا ایک عرصہ دست و گریباں رہ کر جداگانہ دائروں میں ختم ہو گئیں تھیں۔ مسلمان فاتحین نے ان علاقوں کو فتح کیا تو انتظامی مصالح کے تحت انہیں مربوط و منسلک کرتے گئے۔ اس طرح تمام فتح مفتوح علاقے ایک ملک بن گئے۔ مسلمانوں کے بعد انگریز آئے تو انہوں نے بھی ہندوستان کو ایک رکھا۔ لیکن ہندوستان کی وحدت میں تخریب کی کچھ ایسی صورت مضمر تھی کہ ان کی قوت کے باوجود وہ ایک نہ رہ سکا۔ اس سے سیلون علیحدہ ہوا۔ برما کٹ گیا۔ پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ اب جب ہندوستان آزاد ہو کر اس قوت سے محروم ہو گیا ہے۔ جو اسے متحد کرنے اور رکھنے کی ضامن تھی تو دیکھنا ہے کہ بھارت ماتا کہاں تک "دبستانِ اقوام" ثابت ہوتی ہے۔

بہرکیف جب ہندو کانگریس نے انگریز سے سیاسی حقوق حاصل کرنے کی تحریک شروع کی تو اس نے دیکھا کہ مختلف حصص ملک مشترکہ دشمن کے خلاف پوری طرح ایک دوسرے کی معاونت نہیں کر رہے ہیں۔ اس کی دراصل وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کے عناصر ترکیب پوری طرح گھل مل نہیں گئے تھے۔ وہ گھل مل جانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ ان عناصر کا تفاوت بیشتر زبان سے تھا۔ ہندوستان کی لسانی تقسیم کا سوال ابھرنا شروع ہوا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ غیر ملکی حکمرانوں کے دم سے صدیوں متحد رہنے کے باوجود اہل ہندوستان ایک نہیں بن سکے۔ اور پہلے قدم پر ہی ان میں اختلافات رونما ہوئے۔ کانگریس نے یہ خطرہ بھانپا تو اس نے لسانی بنیاد پر تقسیم نو کے وعدے شروع کئے۔ کانگریس نے یہ وعدہ ہی نہیں کیا۔ بلکہ اپنی کمیٹیوں کی تقسیم کم و بیش انہی اصولوں پر کر دی۔ اس طرح متضاد مفادات ایک دوسرے کے معاون بنتے گئے۔ جب ہندوستان آزاد ہوا تو پنڈت نہرو اور ان کی جماعت نے وحدت کے نام پر لسانی تحدید کے مطالبہ کو پس پشت ڈالنا شروع کر دیا۔ کیونکہ انہیں خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ جیسے پاکستان علیحدہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح اور لسانی گروہ بھی کہیں جداگانہ مملکتیں نہ بن جائیں۔ لیکن پنڈت جی کی غیر معمولی شخصیت بھی اسے دبا نہ سکی۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں آندھرا کی علیحدگی کا مطالبہ سنگین صورت اختیار کر گیا۔ اور نہرو وزارت اس کی علیحدگی کی مخالف ہونے کے باوجود اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی۔ آندھرا مدراس سے کٹا تو دیگر لسانی گروہ بھی آگے بڑھے۔ اور اپنے اپنے مطالبوں پر تشدد کا مظاہرہ کیا۔ یہ دیکھ کر حکومت نے عافیت اسی میں دیکھی کہ ایک کمیشن مقرر کر دیا جو سارے ہندوستان کی تشکیل کا نقشہ پیش کرے۔ اس وقت خیال یہ تھا کہ اس حیلے سے لسانی شور و غوغا تھم جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے سو جائے۔ لیکن کانگریس نے کچھ اس شد و مد سے وعدے کر رکھے تھے کہ ان مطالبات سے مفر ممکن نہیں رہا تھا۔ یہ اسی شدت کا نتیجہ تھا کہ جب کمیشن مشرقی پنجاب میں آیا تو سکھوں پر یہاں تک پابندی لگا دی گئی کہ وہ اپنے پنجابی صوبے کے مطالبہ کے حق میں نعرے تک نہ لگائیں۔ سکھوں نے اس حیران کن پابندی کو برداشت نہ کیا اور اس کی خلاف ورزی کی تو حکومت نے انہیں جیلوں میں ٹھونسنا شروع کر دیا۔ اس طرح کم و بیش چھ ہزار سکھ گرفتار ہوئے۔ لیکن حکومت کو بالآخر جھکنا پڑا اور انہیں رہا کر دیا گیا۔

آندھرا کے علیحدہ صوبے بن جانے کے بعد دو لسانی

صوبوں کے لئے مطالبہ خصوصیت سے بڑھ گیا۔ ایک مطالبہ مرہٹوں کا تھا۔ جو بمبئی سمیت جداگانہ صوبہ مہاراشٹر کے نام سے طلب کر رہے تھے۔ اور دوسرا مطالبہ سکھوں کا تھا، جو پنجابی صوبہ مانگ رہے تھے۔ پنڈت نہرو کو ان دونوں میں سے سکھوں کا زیادہ ڈر تھا۔ وہ پاکستانی سرحد پر آباد تھے۔ اور ان کے تعلقات حکومت ہند اور عام ہندوؤں سے مسلسل خراب ہوتے چلے آ رہے تھے۔ ایسے مواقع بھی آئے کہ مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کے مابین اتنی کشیدگی پیدا ہو گئی کہ خانہ جنگی کا گمان ہونے لگا۔ اندریں حالات پنڈت نہرو سکھوں سے کسی قسم کی رعایت کے روادار نہیں۔ کمیشن نے ان دونوں مطالبات کو مسترد کر دیا ہے لیکن اس کا جو حل پیش کیا ہے۔ اس سے پیچیدگیاں بڑھ گئی ہیں مثلاً مدھیا پردیش (سابقہ سی، پی) کے مرہٹی بولنے والے علاقوں کو علیحدہ کر کے ایک نیا صوبہ "ودربھا" کے نام سے بنا دیا گیا ہے۔ لیکن ریاست حیدرآباد کے مرہٹی بولنے والوں کو کاٹ کر بمبئی میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ گویا مرہٹوں کو دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان علاقوں کو ملا کر لسانی اعتبار سے علیحدہ مرہٹی صوبہ بنایا جا سکتا تھا۔ مرہٹے اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ ایک صوبہ چاہتے ہیں۔ اور بمبئی کو اپنا مرکز بنانے پر مصر ہیں۔ ان کی مخالفت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ کانگریس کی مجلس عاملہ کو یہ حیران کن فیصلہ کرنا پڑا ہے۔ کہ بمبئی کے مجوزہ صوبے کو تین صوبوں میں بانٹ دیا گیا ہے ایک گجرات، دوسرا بمبئی اور تیسرا مہاراشٹر۔ مرہٹے اس فیصلے سے مطمئن نہیں۔ مہاراشٹر کانگریس کمیٹی کے صدر جو مجلس عاملہ میں شریک تھے، انھوں نے ایک بیان میں کہا ہے۔ کہ یہ فیصلہ مہاراشٹر کانگریس کے لئے قابل قبول نہیں۔ وہ اسے مسترد کر دینے کی مجاز ہے۔ کانگریس کے صدر مسٹر ڈھیبر نے مرہٹوں کو یہ جھکپہ دیا ہے کہ صوبہ بمبئی کی اسمبلی کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ چاہے تو دو تہائی اکثریت سے مہاراشٹر میں مدغم ہونے کا فیصلہ کر لے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ پنڈت نہرو عجیب کشمکش میں ہیں۔ وہ مہاراشٹر کا مطالبہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اسے مسترد کرنے کی ہمت بھی نہیں پاتے اور جو مفاہمت کرتے ہیں۔ اس میں انکار و اقرار اس طرح آ جاتے ہیں کہ صورت حال اور ابتر ہو جاتی ہے۔

سکھوں کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ پنڈت نہرو سکھوں کو ایک حد سے زیادہ ڈھیل نہیں دینا چاہتے۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ سکھ ان سے برہم ہو کر ایک علیحدہ تحریک شروع کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ سکھوں کا مطالبہ پورا نہیں کیا گیا۔ بلکہ الٹا انھیں اور بے اثر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تقسیم کے بعد جب ریاستوں کو صوبوں سے ملایا گیا تو سکھوں کو یہ رعایت دی گئی تھی کہ مشرقی پنجاب کی سکھ ریاستوں کو پیپسو کے نام سے ایک علیحدہ وحدت بنا دیا گیا تھا۔ اور اس کی قیادت مہاراجہ پٹیالہ کے سپرد کی گئی تھی۔ بعد میں اس حصے میں سکھوں کو غیر موثر بنانے کے لئے جو کچھ ہوا۔ وہ علیحدہ داستان ہے۔ بہرحال اس سے سکھوں کی ایک حد تک اشک شوئی ہو گئی تھی۔ اب اس وحدت کو ختم کر دیا جائے گا۔ اور مشرقی پنجاب میں ہماچل (سابق شملہ اور ملحقہ ریاستیں) بھی شریک کر دی جائیں گی اس کا مطلب یہ ہے کہ نئے صوبے میں سکھوں کا تناسب آبادی کم تر ہو جائے گا۔ اور وہ غیر موثر ہو جائیں گے۔ اس طرح دراصل مہا پنجاب کا وہ مطالبہ تسلیم کیا گیا ہے جو ہندوؤں نے سکھوں کے پنجابی صوبے کے جواب میں پیش کیا تھا۔ گویا سکھوں کا مطالبہ ٹھکرا کر ان کے خلاف مطالبہ کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس سے سکھوں کا مشتعل ہونا قابل فہم ہے۔ سکھوں کے اشتعال کی ایک اور وجہ حکومت کا مرہٹوں سے امتیازی سلوک ہے۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ کانگریس کی مجلس عاملہ نے مرہٹی دباؤ میں آ کر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ کمیشن کی سفارشات کے علی الرغم بمبئی سے مرہٹی صوبہ علیحدہ کر دیا جائے۔ اسے دیکھ کر سکھ لامحالہ سوچیں گے کہ آخر ان کا مطالبہ کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہ قابل ذکر ہے کہ کمیشن کی سفارشات چھپتے ہی پنڈت نہرو نے ماسٹر تارا سنگھ کو ملاقات کے لئے دہلی بلایا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ نے پنجابی صوبے سے متعلق جو سب کمیٹی بنائی ہے اس میں بھی پنڈت جی شریک ہیں۔ گویا وہ سکھوں کا معاملہ اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ پنڈت نہرو نے ماسٹر تارا سنگھ کو دہلی نہیں بلایا۔ خود بھی امرتسر آئے۔ اور دربار صاحب میں سکھوں سے خطاب کرتے ہوئے انھیں ہندوؤں سے مل کر اور امن و امان سے رہنے کی تلقین کی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ پنڈت جی نے نیشلسٹ یعنی کانگریسی سکھوں سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ گویا وہ دل میں جانتے ہیں کہ سکھوں کے مطالبے کے متعلق اکالی سکھوں سے ہی بات کی جا سکتی ہے۔ ویسے نیشنلسٹ سکھ بھی پنجابی صوبے کی مخالفت نہیں کر رہے۔ ان حالات میں یہ کہنا مشکل ہے کہ پنڈت نہرو سکھوں کو راضی کر لیں گے۔ لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ سکھوں کا معاملہ بڑا نازک ہو گیا ہے۔

ضمنی طور پر کمیشن کی دو ایسی سفارشات ہیں جن کا تذکرہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ریاست حیدرآباد کو جس طرح ہندوستان نے کچلا ہے۔ وہ عام طور پر معلوم ہے۔ لیکن اس پر قبضے کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی گئی۔ اب اس ریاست کو مٹا دیا گیا ہے۔ اس کے مرہٹی اضلاع بمبئی سے ملا دیئے گئے ہیں۔ اور بقایا حصے کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ "چاہے" تو سنہ ۱۹۶۱ کے انتخابات عمومی کے بعد آندھرا میں مل جائے۔ کانگریس کی مجلس عاملہ نے اس سلسلہ میں ایک اور قدم اٹھایا ہے اور وہ یہ کہ اس نے فیصلہ کیا ہے کہ ابھی سے یہ مہم شروع کی جائے کہ بقیہ حیدرآباد آندھرا میں جذب ہو جائے۔ اسی طرح بہار میں پورنیا کا علاقہ ایسا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے۔ بنگالی ہندوؤں کی اس پر نظریں ہیں۔ وہ اس کو اپنے ساتھ ملانے کا مطالبہ کرتے چلے آ رہے تھے۔ تاکہ مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کو وہاں بسایا جائے۔ کمیشن نے یہ علاقہ مغربی بنگال کو دے دیا ہے۔ اس سے وہاں کے مسلمانوں کا جو حشر ہو سکتا ہے۔ اس کا اندازہ مشکل نہیں۔

الغرض صاف نظر آ رہا ہے کہ ہندوستان آزادی کے بعد ایک عظیم الشان بحران سے دوچار ہو رہا ہے۔ دور غلامی میں یہ دشواری اس کے لئے پیش نہیں آئی تھی۔ اب اس کا عجیب و غریب امتحان ہو گا۔ اس امتحان میں بہت حد تک پنڈت نہرو ہندوستان کے آڑے آئیں گے، ان کی ذات، مسٹر گاندھی کے بعد، وطنیت کی علامت ہے اس علامت کو عظیم الشان چیلنج مل رہا ہے۔ پنڈت جی اس سے کہاں تک عہدہ برآ ہو سکیں گے؟ اور ہندوستان کا آئندہ نقشہ کیا ہو گا؟ یہ بڑے دلچسپ سوالات ہیں۔ ان کا جواب مستقبل دے گا۔

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں۔
نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبۂ اشتہارات) سے حاصل کیجئے۔
ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳، کراچی

سالمارین
دردوں کے لئے اکسیر ہے
گٹھیا، رینگن، درد کمر، ریاحی درد، درد شقیقہ سر درد اور زہریلے جانوروں کے کاٹے کیلئے اکسیر ہے
انتہائی درد کی بے چینی کو دور کر کے سکون پہنچاتی ہے، اس کا مسلسل استعمال دائمی آرام کا ضامن ہے
ہوائی جہاز، ریل، اور بحری جہاز میں سفر کرنے والوں کے لئے "سالمارین" بہترین وقتی مددگار ہے
قیمت فی شیشی دو روپے۔ علاوہ محصول ڈاک۔ اپنے شہر کے ہر اچھے دوا فروش سے خریدیں۔ یا
سالما لیبارٹریز (پاکستان) ۲۷۔ زینت مینشن۔ میکلوڈ روڈ کراچی

اندرونِ ہند

[ہندوستان کی سیکولر گورنمنٹ میں مسلمانوں کے ساتھ وہاں کے اکثریتی فرقہ کا کیا سلوک ہے۔ وہ ذیل کی چند خبروں سے واضح طور پر سامنے آجائے گا کہ وہاں نہ ان کی جان و مال محفوظ ہے۔ اور نہ ہی ثقافت و مذہب۔ یہ سب کچھ پنڈت نہرو کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ جو دنیا میں ہندوستان کی امن پسندی کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ وہ ملک جہاں ایک جانور کی ہتیا پر ہنگامے برپا ہو جاتے ہیں وہاں مسلمانوں کے خون کی کس قدر ارزانی ہے]

کاسگنج میں فرقہ وارانہ ہنگامہ

روزنامہ الجمیعۃ مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء رقمطراز ہے کہ

"گذشتہ ۱۵ اکتوبر کو یہاں فرقہ پرستوں نے متعدد نہتے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں ایک معمر بزرگ زخموں کی تاب نہ لا کر کچھ دیر بعد ہی فوت ہو گئے۔ چار اشخاص شدید زخمی ہوئے۔ چند ہندوؤں نے صرف حملہ ہی نہیں کیا بلکہ بہت سی دکانوں کو بھی حملہ کر کے لوٹ لیا۔ نقصان کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔ مفسدوں اور غنڈوں کی سرگرمیوں کی بنا پر اقلیتی فرقہ میں سخت خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔ حکام کی طرف سے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔ فساد کی وجہ ایک گائے کے ذبیحہ کو بنایا گیا۔ جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ غنڈوں سے ملے ہوئے اقلیتی فرقہ کے ایک آوارہ شخص کی حرکت تھی جس نے گائے کاٹ کر اپنے آپ کو گرفتار کرا دیا۔ اور اس واقعہ سے تعلق نہ رکھنے والے چودھری مہدی حسن میونسپل کمشنر کی بھی نشان دہی کی جس کی بنا پر وہ بھی گرفتار کر لئے گئے۔ ان کے علاوہ ایک جاٹو اور اس واقعہ سے تعلق رکھنے والے دوسرے دو ملزمان کی بھی گرفتاری عمل میں آئی ہے پولیس کا رویہ عام طور سے اطمینان بخش رہا۔ شہر کوتوال نے فوراً پولیس سپرنٹنڈنٹ اور کلکٹر کو بلا لیا۔ شہر میں کاروبار شروع ہو گیا ہے۔"

کوٹہ کے فسادات

معاصر الجمیعۃ مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کی اطلاع ہے کہ

"۱۰ اکتوبر سے فرقہ پرستوں نے یکایک تمام بازاروں کے بند کرانے اور مکمل ہڑتال کرانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے پہلے روز احتیاطاً مسلمانوں نے بھی دکانیں بند رکھیں۔ اس حرکت سے عوام میں سخت تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن حکام کے ہر قسم کے انتظام و تیاری سے کسی قسم کا نقض امن نہ ہوا۔ البتہ سوا مہینے سے زائد کوٹہ کی فضا مکدر رہنے سے معاشی و کاروباری زندگی پر بہت برا اثر پڑا ہے۔ مزدوری اور دستکاری کا سلسلہ مسدود ہو جانے سے غریب عوام سخت حیرانی میں ہیں۔ لوگ اپنے مال و متاع کو بیچ رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عام ہڑتال فرقہ پرستوں نے اس لئے کرائی ہے کہ ان کے نزدیک ۳۰ ستمبر کے المیہ پر اسمبلی میں ہوم منسٹر کا بیان، اس سلسلہ میں حکام کی تبدیلی اور مجرموں کی گرفتاری یہ سب کام نادرست ہے۔ اس لئے حکومت راجستھان سے احتجاج کرنے کے لئے یہ طویل ہڑتال کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے"

اس کے ساتھ ہی کچھ لیڈروں اور مقامی اخباروں نے مسلمانوں کی مظلومیت پر پردہ ڈالنے کے لئے مسلمانوں پر الزام لگایا ہے کہ وہ دیش کے غدار ہیں۔ اور اب تک پاکستان اپنے ریڈیو اور پروپیگنڈے کے ذریعہ ان کی حمایت کرتا ہے۔

مقامی اخبارات مسلمانوں کی طرف سے پتھراؤ اور مسلح حملہ کا من گھڑت افسانہ بنا رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کو حملہ آور قرار دے کر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مرنے اور زخمی ہونے والے کون ہیں؟ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ۳۰ ستمبر کے حادثہ میں ایک مقتول کا ذکر "ہندو" کے نام سے تمام اخبارات میں کیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت مرنے والے اور زخمیوں کو "مسلمان" لکھنا جرم سمجھ لیا گیا؟ اور مسلمانوں کو حملہ آور قرار دے کر عام ہندوؤں کا ذہن اس طرف منتقل کر دیا گیا ہے کہ شاید مرنے والے بھی ہندو ہی ہوں گے یہ کتنی خوفناک فتنہ انگیزی ہے؟"

مغربی بنگال میں سات لاکھ بے خانماں مسلمان

روزنامہ الجمیعۃ دہلی مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء کی اطلاع ہے کہ

"مغربی بنگال جمیعۃ علماء کے ناظم قاری عبدالرشید خان نے مرکزی وزیر بحالیات مسٹر کھنہ کے حالیہ بیان کو جس میں مسٹر کھنہ نے کہا ہے کہ مغربی بنگال کے تمام اجڑے ہوئے مسلمانوں کو آباد کیا جا چکا ہے۔ دفتری مغالطہ پر مبنی قرار دیا ہے۔ پورا بیان حسب ذیل ہے۔ "چند ماہ پیشتر مورخہ ۳ جولائی ۱۹۵۵ء کو جمیعۃ علماء مغربی بنگال کے ایک وفد نے مرکزی حکومت کے وزیر بحالیات شری مہر چند کھنہ کو ایک میمورنڈم پیش کرتے ہوئے مغربی بنگال ایکٹ ۱۱۶ اور ایکٹ ۵ سنہ ۱۹۵۱ء کی منسوخی کا مطالبہ کیا تھا۔ جو دو فرقوں کے درمیان امتیاز پیدا کر کے عدل و انصاف کا خون کر رہا ہے۔ اور جس کی رو سے سات لاکھ اجڑے ہوئے مسلمانوں کے ہزاروں مکانات اور جائدادیں جن پر اب تک رفیوجی قابض ہیں۔ وہ اس وقت تک واپس نہیں مل سکتیں جب تک مسلمانوں کے مکانات پر قبضہ کرنے والے ایک ایک فرد کو حکومت کسی دوسری جگہ آباد نہ کرے۔ اس پر مسٹر کھنہ نے نہایت ہی صفائی سے کہا تھا کہ اس قسم کے اجڑے ہوئے مسلمانوں کے لئے میں تاوقتیکہ کچھ نہیں کر سکتا اور ان کے کیس میرے حدود و اختیار سے باہر ہیں۔ البتہ انسانی ہمدردی کے تقاضے کی بنا پر یہ کوشش کروں گا۔ میرا تعلق تو صرف ان لوگوں سے ہے۔ جو نہرو لیاقت پیکٹ کے تحت

ہندوستان واپس ہوئے ہیں۔ وزیر بحالیات کے سیکرٹری نے اپنے ناظموں کی مدد سے بتایا کہ چار لاکھ تین ہزار مسلمان پاکستان گئے اور دو لاکھ پانچ ہزار مسلمان مغربی بنگال واپس ہوئے۔ ان میں سے بیشتر کو امدادی رقوم اور مکانات دیئے گئے اور حسب معمول آبادکاری سے متمتع کیا گیا۔

اب یکایک مسٹر کھنہ کا ایک تازہ بیان نظر سے گذرا جو ۱۳ر اکتوبر کو انھوں نے ایک پریس کانفرنس میں دیا ہے اور جس میں مسلمانان مغربی بنگال کی آبادکاری کے سلسلہ میں نہایت سادگی سے کہا گیا ہے کہ مغربی بنگال کے تمام اجڑے ہوئے مسلمانوں کو بسایا جا چکا ہے۔ باقی ماندہ اٹھارہ سو کیسوں میں سے جمیعۃ علماء کے ایک وفد کو چند ماہ قبل آگاہ کیا تھا۔ یہ سرتاسر غلط ہے کہ انھوں نے صرف اٹھارہ سو باقی ماندہ کیسوں سے وفد کو آگاہ کیا تھا۔ موصوف کا یہ تازہ بیان دفتری مغالطہ پر مبنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعداد و شمار کے خود ذمہ دار ہیں۔ اور انھیں کے سابقہ بیان کے مطابق آج سے تین ماہ پیشتر ایک لاکھ مسلمان ایسے تھے۔ جن کی باز آبادکاری کا سلسلہ کوششوں کے باوجود سامان نہ ہو سکا تھا۔ وہ تین ماہ کے اس قلیل عرصہ میں کس طرح بسا دیئے گئے اور اب اٹھارہ سو کی ایک مختصر تعداد باقی رہ گئی ہے۔ تعجب ہے کہ وہ اپنے بیان میں ان کیسوں کو بھی شامل کر لیتے ہیں جن کے متعلق اپنی بے بسی کا اظہار کر چکے ہیں۔ آخر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ مغربی بنگال کے تمام اجڑے ہوئے مسلمانوں کو آباد کیا جا چکا ہے۔ اور انہیں ان کے مکانات اور جائیدادیں واگذار کر دی گئی ہیں۔ اور اب لاکھوں میں صرف چند سو باقی رہ گئے ہیں۔

ہمارے مرکزی وزیر بحالیات اپنے بیانات میں یہ بات صاف کیوں نہیں کر دیتے کہ ہماری یہ تعداد ان سات لاکھ بے خانماں برباد مسلمانوں کے علاوہ ہے۔ جن کی لاکھوں درخواستیں اس لئے مسترد ہو گئیں کہ وہ مکانوں کے تخلیہ اور جائیدادوں کی واگذاری کے متعلق تھیں۔ اور جن کو مغربی بنگال ایکٹ علاقہ اس وقت ملک کے لئے ناقابل سماعت قرار دے چکا ہے۔ جب تک ان مکانوں اور جائیدادوں پر قابض شرنارتھیوں کے لئے حکومت سکونت کا انتظام نہ کرے اور جو حکومت مغربی بنگال کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ اور اس کے تابناک چہرے پر ایک بدنما داغ ہے۔ کیا ان گمراہ کن بیان بازیوں سے مسلمان بہک جائیں گے؟ کیا اسی کو دادرسی کہتے ہیں؟ کیا قانون عدل و انصاف اس کو آبادکاری قرار دے گا۔ ہمارے لائق وزیر جن کو تباہ شدہ لوگوں کی امداد کے لئے وزیر بنایا گیا ہے۔ اور جو خود بھی خانہ ویرانی کے مزے سے کسی قدر آشنا ہیں۔ وہ مغربی بنگال کے تباہ شدہ اور اجڑے ہوئے مسلمانوں کو اپنے رنگین بیانات سے بسانا چاہتے ہیں۔

(ناظم جمیعۃ علماء مغربی بنگال قاری عبدالرشید)

مسلمانان بہار پر مظالم کے خلاف جمیعۃ علماء بہار کا میمورنڈم

روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی کی اسی اشاعت میں درج ہے کہ

"گذشتہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر بہار کے مختلف علاقوں میں بے گناہ مسلمانوں پر پولیس نے جو ناقابل بیان زیادتیاں کیں اس پر بہار کے معزز مسلمان وزیر اعلیٰ بہار کی توجہ مبذول کرا چکے ہیں۔ اسی سلسلہ میں جمیعۃ علماء بہار نے بھی واقعات کی پوری تحقیقات کے بعد ایک میمورنڈم وزیر اعلیٰ بہار کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ حکومت ان ہولناک واقعات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کرے اور جن افسروں کے خلاف ثبوت بہم پہنچ جائے انھیں قرار واقعی سزا دے۔

میمورنڈم میں کہا گیا ہے کہ بہار کے مسلمانوں پر مختلف علاقوں میں یکسانیت کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئیں۔ ان سے کسی سوچی سمجھی اسکیم کا پتہ چلتا ہے۔ اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مجسٹریٹوں اور پولیس افسروں کی موجودگی میں زیادتیوں کا ارتکاب ہوا۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہاں پولیس کی بدسلوکیوں کی کوئی فہرست پیش کریں۔ مگر یہ نرم مطالبہ کہ حکومت بہار تحقیقاتی کمیشن کے ذریعہ واقعات کی چھان بین کرائے وزیر اعلیٰ بہار کے لئے قابل قبول ہونا چاہیئے۔ اگر ریاستی حکومتیں کسی ہریجن کی موت پر پولیس کے خلاف محکمانہ کارروائی کر سکتی ہیں تو بہار کا المیہ تو اس سے کہیں زیادہ تحقیقات کا مستحق ہے۔ کیا وزیر اعلیٰ بہار مظلوم مسلمانوں کے اس معمولی مطالبہ کو مان کر اپنی عدل گستری اور آئین پسندی کا ثبوت دیں گے؟"

کلکتہ کی مسجدوں پر ہندو شرنارتھیوں کا قبضہ

روزنامہ پاسبان ڈھاکہ مورخہ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا ہے کہ

• پاکستان مجلس دستور ساز کے رکن مسٹر مسلم علی ملا (عوامی لیگی) حال ہی میں کلکتہ گئے ہوئے تھے۔ آپ نے حکومت کی توجہ کلکتہ کی ان مساجد کی طرف مبذول کرائی ہے۔ جو افسوسناک حالت میں ہیں۔ اور جن پر ہندو شرنارتھیوں نے اپنا قبضہ جما رکھا ہے۔ مسٹر مسلم علی نے آج ایک بیان میں کہا ہے کہ جب کہ حکومت پاکستان غیر مسلموں کے مذہبی مقامات اور مندروں کی تقدیس کی عملی طور پر حفاظت کر رہی ہے۔ بھارت میں مساجد کی اب تک بے حرمتی ہو رہی ہے۔ اور ان میں سے بعض پر پاکستان کا تخلیہ کرنے والے ہندو فوجیوں نے قبضہ جما رکھا ہے۔ مسٹر مسلم علی ملا نے حکومت پاکستان سے اپیل کی ہے کہ وہ بھارت کے مساجد اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کی واپسی کے لئے فوری اقدامات کرے موصوف نے اپنے بیان میں حکومت سے پرزور درخواست کی ہے کہ وہ ڈھاکہ کے ۲۵۲ مکانات کو خالی کرانے کے حکمنامے کو اس وقت تک کے لئے روک دے۔ جب تک کہ ان مکانات میں بسنے والوں کے لئے متبادل رہائش کا انتظام نہ کیا جائے۔"

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔

کیا آپ نے یہ کتابیں پڑھی ہیں؟

معراج انسانیت

شعلۂ مستور

نوادرات

اسلامی معاشرہ

فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ۔۔۔ قیمت دو روپے

نظام ربوبیت

دور حاضرہ کی عظیم ۔۔۔

حصہ اول

حصہ دوم

اقبال اور قرآن

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۔ کراچی

حقائق و عبر

متعہ متعہ کے جواز میں امیر جماعت اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کے متعلق ۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء کے طلوع اسلام میں لکھا جا چکا ہے اس سلسلہ میں جمعیت اہل حدیث کے ہفتہ وار ترجمان "الاعتصام" نے اپنی ۱۸ نومبر کی اشاعت میں ایک مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کرایا ہے۔ جسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(طلوع اسلام)

"جب ایک دفعہ آدمی پھسلتا ہے تو پھسلتا ہی چلا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی بالکل یہی کیفیت ہے۔ وہ کچھ عرصہ سے اس قسم کی اجتہادی و فکری ٹھوکریں کھانے لگے ہیں۔ اور ان کا ذہن اس بری طرح پھسلنے لگا ہے کہ رکنے کا نام تک نہیں لیتا۔ اسی متعہ کے معاملہ کو لیجئے اس میں انہوں نے اتنی بڑی لغزش کا ارتکاب کیا ہے۔ کہ ان کی قیادت و سیادت کی ساری زندگی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بتلائیے اس دور میں اس تحقیق عمیق کا کیا فائدہ تھا دنیا آج بڑے بڑے مسائل سے دوچار ہے۔ اور پاکستان کے بعض مسائل بالخصوص بہت اہم اور دور رس نتائج کے حامل ہیں۔ بعض اوپر کے حلقوں میں ایک طرف پاکستان کو لادینی اور غیر مذہبی ریاست بنانے کے لئے سعی و کوشش کا بازار گرم ہے۔ دوسری طرف بے پردگی اور حجاب کا طوفان عریانی و بے حیائی کے دروازوں کو دستک دینے لگا ہے۔ اس کے علاوہ اقتصادی و معاشی مشکلات ہیں جنھوں نے پاکستانی عوام کو مصائب و آلام کے بھنور میں پھنسا رکھا ہے لیکن امیر جماعت اسلامی ہیں کہ تفسیر قرآن کے نام سے اس دور میں "استمتاع بالید" اور "متعہ" کے جواز پر تحقیق فرما رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا نے متعہ کے جواز پر اضطراری و بے قراری کی جو ڈرامائی دلیل پیش فرمائی ہے۔ ہمیں ذاتی طور پر علم ہے، بالکل یہی چیز بعض کمیونسٹ پیش کیا کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں کہ اگر اس طرح کی صورت حال پیش آجائے تو اسلام اس کا کیا حل پیش کرتا ہے۔ یہ ناقابل وقوع مثال نہ کبھی پیش آئی۔ اور نہ اس کے قیامت تک کے لئے پیش آنے کی امید ہے۔ لیکن حضرت مولانا نے اس پر فکر و اجتہاد کا ایک قصر عظیم تعمیر فرما دیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو کمیونسٹوں سے جو تعلق خاطر ہے۔ وہ اسی سے ظاہر ہے کہ انھوں نے رمضان شریف کی ایک دعوت افطار میں ان کو بھاری تعداد میں مدعو کیا۔ حتیٰ کہ اس میں ان کے بعض صنادید تک نے شرکت فرمائی حالانکہ جماعت اسلامی کے دستور اساسی کی دفعہ ۷ کے نقرہ ۸ میں صاف لکھا ہے۔

"فساق و فجار اور خدا سے غافل لوگوں سے موالات اور مودت کے تعلقات منقطع کرنا اور صالحین سے رابطہ قائم کرنا۔"

مولانا کے جواز متعہ کی تحقیق اور کمیونسٹوں کے ساتھ ان کے تعلقات کے ڈانڈے آپ ملاحظہ فرمائیے کہ کہاں آکر ملے ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس طرح کی تحقیقات اجتہادی و فکری سے مولانا اپنی جماعت کو اپنی عوامی بنانے کے خواہشمند ہیں اور شیعہ کے لئے بھی اس کے دروازے وا کر دینا ان کا ایک مقصد ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ جماعت اسلامی میں بعض شیعہ حضرات بھی شامل ہیں۔ اور جماعت کی مجلس شوریٰ تک کے رکن ہیں ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی میں شیعہ حضرات کی شرکت بغیر کسی "خفیہ سمجھوتہ" کے ممکن نہیں۔ وہ خفیہ سمجھوتہ کیا ہے؟ اس کی پہلی قسط "جواز متعہ" کی صورت میں امیر جماعت اسلامی کی طرف سے تفسیر قرآن کے قالب میں ڈھال کر شیعہ اصحاب کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

اسی طرح اضطرار و بے قراری کے مفروضے قائم کر کے بے حیائی اور فواحش کے وہ کواڑ امیر جماعت اسلامی کے ہاتھوں دن دھاڑے کھولے جا رہے ہیں جو چودہ سو برس ہوئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی طور سے بند کر دیئے تھے۔ مژدہ ہو شیعہ حضرات کو اور مبارک ہو موجودہ شہوت پسند ماحول کو کہ آج ایک متدین و صالح جماعت متعہ و فواحش کے جواز میں استدلال کی پوری طاقتوں کے ساتھ ان کی پشت پناہ ہے۔

مولانا اس ڈرامائی استدلال سے ان دو طبقوں کی امداد حاصل کرنے میں تو شاید کامیاب ہو جائیں۔ لیکن انھوں نے اس پر بھی کبھی غور فرمایا ہے کہ ممتوعہ عورت اگر حاملہ ہو جائے تو اس کی اولاد کا مستقبل کیا ہو گا۔؟

کیا جماعت اسلامی اس کی پرورش کے لئے کوئی ادارہ قائم کر رہی ہے؟ مولانا غور فرمائیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔؟

اگر اضطراری حالت میں بقول ان کے متعہ جائز ہوا تو نکاح کی صورت میں عورت کا مصرف تو محض یہی ہوا نا کہ وہ مرد کے جنسی تقاضوں کو پورا کرے۔ حالانکہ شرعی اعتبار سے عورت کا مصرف محض یہ نہیں ہے بلکہ میاں بیوی دونوں کا تعلق ایک مجلسی اور ہمہ گیر تعلق ہوتا ہے۔

پھر "اضطرار" کی قید لگا کر مولانا نے متعہ کے جواز کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ کیونکہ اضطرار ایک اخلاقی شے ہے۔ اور ہر شخص کا اضطرار الگ الگ صورتوں کا حامل ہوتا ہے مولانا کے پاس کیا پیمانہ ہے۔ جس کے ساتھ وہ اضطرار کے طول و عرض کو ناپیں گے۔؟

مولانا نے غضب یہ کیا ہے کہ جو مثال بیان فرمائی ہے اس میں انھوں نے "شرعی شرائط کے مطابق نکاح کو ناممکن" قرار دیا ہے۔ حالانکہ مولانا کو چاہیئے تھا کہ ایسے موقع کے لئے شرعی نکاح کے جواز پر دلائل دیتے اور یہ ثابت کرنے کی سعی کرتے کہ ایسی صورت اگر کبھی پیش آ بھی جائے تو اس میں شرعی نکاح ہو سکتا ہے۔

کیونکہ نکاح چند شرعی شرائط کے ساتھ فریقین کی باہمی رضامندی کا نام ہی تو ہے رہا مہر کا نقد تو یہ معجل بھی ہو سکتا ہے اور غیر معجل بھی۔

لیکن افسوس ہے کہ مولانا نے نکاح کو چھوڑ کر متعہ کا راستہ اختیار کیا۔ اور فواحش و منکرات کا دروازہ کھولنے کی سعی کی اس سے اور کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو۔ یہ البتہ ہو گا۔ کہ اشرف میڈیکل ہال کے طلاء اور مقوی باہ کی ادویات کی فروخت میں اضافہ ہو جائے گا۔

جماعت اسلامی کے "اہل علم" صحیح بخاری کی حجیت و استناد کے خلاف تو اقوال شاذہ کا پشتارہ لے کر مودودی صاحب کی پشت پر آگئے تھے۔ کیا اب وہ جواز متعہ کے سلسلہ میں بھی حق نمک ادا فرمائیں گے اور مولانا کے پیچھے متعہ کے جواز میں دلائل و براہین کا انبار

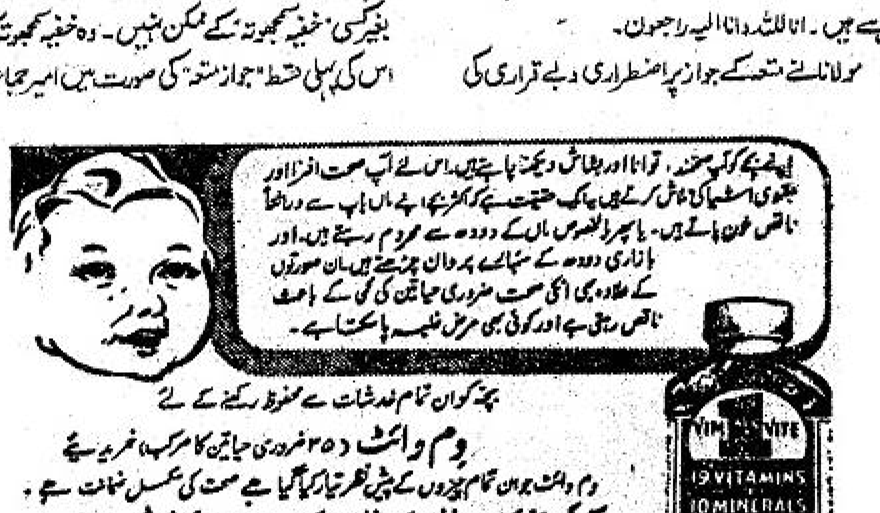

لگانے کی کوشش کریں گے!

بلاتبصرہ لکھنؤ کے ہفتہ وار اخبار "صدق جدید" میں حسب ذیل خبر اور تبصرہ شائع ہوا ہے۔

معمہ بازی پر بندش ایک روزنامہ کے ایڈیٹوریل سے:۔

"حکومت سندھ نے آخر وہ قانون پاس ہی کر دیا۔ جس کی رو سے اخبارات و جرائد کی معمہ بازی کے سلسلے میں بانٹ دینے والے انعاموں کی رقم ایک ہزار روپے سے نہ بڑھنے پائے گی۔ حکومت سندھ اس مسئلہ پر عرصے سے غور کر رہی تھی۔ اور اس لئے جو تحقیقاتی کمیشن اخبارات کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس نے بھی معموں کو صحافت کے لئے ایک بہت بڑی لعنت قرار دیا تھا۔ اب سرکار سندھ اس لعنت کے اثرات کو محدود کرنے والے قانون کے بنانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔"

اور اس پر یقیناً سرکار سندھ مخلصانہ مبارکباد کی مستحق ہے۔ لیکن اس قسم کی خبر جب سننے میں آتی ہے تو بے اختیار جی چاہنے لگتا ہے کہ کاش اس اصلاحی اقدام کی اولیت پاکستان کے حصہ میں آئی ہوتی۔ جہاں تک قمار بازی کی اس نئی لعنت کا (انعامی معموں کے خوبصورت غلاف میں) تعلق ہے۔ ہند اور پاکستان دونوں ہی اس میں یکساں مبتلا ہیں۔ پھر اسلامی کے خیر خواہوں کے لئے یہ نظارہ کیسا عبرت انگیز اور حیرت انگیز ہے کہ اصلاح کا قدم (محدود پیمانہ پر ہی) ایک سیکولر حکومت تو اٹھا لے۔ اور پڑوس کی مسلم حکومت ابھی تک خاموش ہی رہے۔"

طلوعِ اسلام ہم نے اس خبر کو بلاتبصرہ اس لئے شائع کیا ہے کہ جب پاکستان کے ارباب حل و عقد کی اپنی غیرت ایمانی انہیں اس پر آمادہ نہیں کر سکی۔ کہ وہ اس قسم کی خرافات کو پاکستان سے دور کریں۔ تو انہیں غیروں کی مثالیں دکھا کر غیرت دلانا بے سود ہے۔ ان کی اصل دشواری وہ ایوانات ہیں۔ جن میں ہر شام ساغر کے دور چلتے ہیں۔ اور ہر شب "برج" کی محفلیں جمتی ہیں۔ ان مجبوریوں کے ماتحت یہ بے چارے بھلا کس طرح شراب و قمار کو ممنوع قرار دے سکتے ہیں!

زندہ بزرگ روزنامہ "تسنیم" نے اپنی ۵ر نومبر کی اشاعت کے "متکلف بر طرف" کے کالم میں حسب ذیل شذرہ لکھا ہے۔

"مصر کے وزیر اوقاف شیخ احمد حسن باقوری نے کچھ عرصہ ہوا اعلان کیا کہ ان کی وزارت ان تمام مزاروں میں مدفون بزرگوں کے حالات زندگی کا پتہ چلائے گی۔ جو عوام کی عقیدت کے مرکز ہیں۔ لیکن ان کے سوانح حیات کا علم نہیں ہے۔ حال ہی میں ان کے محکمے نے انہیں جو رپورٹ پیش کی ہے۔ اس میں جہاں ایسے اولیائے کرام کے نام آئے ہیں جو پاکیزہ زندگیوں کے مالک تھے۔ وہاں کچھ ایسے "بزرگوں" کے نام بھی ہیں۔ جن کے مزاروں کی رونق محض ضعیف الاعتقادی کی مرہون منت ہے — ایک ایسے ہی بزرگ کے متعلق رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ

"آپ ممالیک کے دور میں بہت بڑے راہزن تھے۔ اور ایک ترکی خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ راہزنی کی خاطر ایک کھنڈر میں مقیم تھے۔ جو عام گذرگاہ سے قریب تھا۔ اور ایک اونچی جگہ بیٹھ کر ذکر و اذکار میں مصروف رہتے تھے جب کوئی قافلہ یا مسافر نظر آتا دور سے "الحمدللہ" کہتے اور اس کے ساتھی مسافر پر جھپٹ پڑتے اور اس کا سب کچھ چھین لیتے"

جب آپ کا انتقال ہوا تو ان کے ساتھیوں نے ان کو قبر کے لئے اسی کھنڈر کا انتخاب کیا۔ اور خود مجاور بن کر بیٹھ گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ "مزار" مرجع خلائق بن گیا۔ اور وہ دونوں ہاتھوں سے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو لوٹنے لگے۔

یہ رپورٹ واقعی بڑی دلچسپ ہے۔ اور مرنے والے بزرگوں میں واقعی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ جو مرنے کے بعد تو عوام و خواص کی عقیدت کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اپنی زندگی میں لوٹ کھسوٹ کا مرکز بنے رہے ہوں۔ لیکن مصر میں تو اس سے بھی زیادہ دلچسپ رپورٹیں ان "زندہ بزرگوں" کے بارے میں تیار کی جا سکتی ہیں جو قاتل ہونے کے باوجود اگر عوام کے نہیں تو خواص کی عقیدت کا مرکز ضرور بنے ہوئے ہیں"

طلوعِ اسلام معلوم نہیں ارباب تسنیم کو اس قسم کے "زندہ بزرگوں" کی تلاش میں مصر تک کے دور دراز سفر کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ جب کہ خود ان کے اپنے ہاں اس قسم کے بزرگوں کی کوئی کمی نہیں جو "اونچی جگہ بیٹھ کر ذکر و اذکار میں مصروف رہتے ہیں۔ اور جب کوئی قافلہ یا مسافر نظر آتا ہے تو وہ الحمدللہ کہتے ہیں۔ اور ان کے ساتھی ان پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ اور ان کا سب کچھ چھین لیتے ہیں"۔ کیا ان بزرگوں کا سارا کاروبار اسی قسم کی مقدس رہزنی نہیں!

فلیوری ٹی کمپنی

ہم نے سلہٹ اور چاٹگانگ کے باغیچوں سے عمدہ اور خوشبودار چائے کے منگوانے کا خاص بندوبست کیا ہے۔

ضرورتمند اصحاب مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کریں

فلیوری ٹی کمپنی

محمد فیروز اسٹریٹ — جوڈیا بازار — کراچی

فون ۳۲۸۱۹

ٹیلیگرام — "KASHMIRTEA"

بین الاقوامی جائزہ

وزرائے خارجہ کی جنیوا کانفرنس بالآخر ناکام ختم ہو گئی ہے یہ وزرا، رئیسان مملکت کی جولائی میں منعقد ہونے والی چوٹی کی جنیوا کانفرنس کی ہدایت کے مطابق ۲۷ر اکتوبر کو مجتمع ہوئے تھے ان کے سپرد تین امور کئے گئے تھے (۱) یورپی تحفظ اور جرمنی (۲) تحدید اسلحہ (۳) مشرق و مغرب میں روابط کی استواری۔ تین ہفتوں کی بحث و تمحیص کے بعد ۱۶ر نومبر کو یہ کانفرنس ختم کر دی گئی کیونکہ کسی ایک معاملہ پر بھی کوئی اتفاق نہیں ہو سکا تھا۔ پہلا مسئلہ یورپ اور جرمنی کا تھا۔ وہ دونوں دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اقوام مغرب نے مغربی یورپ کو ناٹو اور مغربی یورپی یونین کی تنظیموں میں منسلک کر رکھا ہے۔ انہوں نے مغربی جرمنی کو مسلح کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اسے ناٹو کا رکن بھی بنا لیا گیا ہے۔ روس اسے پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ اسے جو مغربی نمائندوں سے بات کرنے کا موقع ملا۔ تو اس نے یہی کوشش کی کہ ناٹو کی دفاعی تنظیم ختم نہ ہو سکے تو بے کار ضرور کر دی جائے۔ اس نے تجویز یہ پیش کی کہ تمام یورپ کی ایک عمومی دفاع تیار کی جائے۔ جس میں امریکہ بھی شریک ہو۔ اس نے جرمنی کی وحدت کے اہم مسئلہ کو یورپی تحفظ سے الگ کر کے یہ رویہ اختیار کیا کہ وہ مشرقی اور مغربی جرمنی والے آپس میں طے کریں۔ حالانکہ یورپی تحفظ کا دارومدار جرمنی پر ہے۔ اقوام مغرب نے اس کے برعکس یہ پیشکش کی کہ وہ یہ ضمانت دینے کے لئے تیار ہیں کہ مسلح اور متحدہ جرمنی جارحیت کا مرتکب نہیں ہو سکیگا۔ انہوں نے جرمنی کو متحد کرنے کے لئے یہ تجویز پیش کی کہ آئندہ سال دونوں حصوں میں انتخابات کرائے جائیں۔ اور اس کے مطابق ان کو متحد کیا جائے لیکن روس اس کے لئے تیار نہ ہوا۔ کانفرنس کے خاتمہ پر تینوں مغربی وزرائے خارجہ نے جو علیحدہ بیان دیا۔ اس میں انہوں نے کہا کہ روسی وزیر خارجہ مسٹر مالوٹوف نے وحدت جرمنی کو منظور کرنے ہی سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس سے کمیونسٹ مشرقی جرمنی کا خاتمہ ہو جاتا تھا البتہ انہوں نے ایسی تجاویز پیش کیں۔ جن سے جرمنی کی تقسیم مستقل ہو جاتی اور مغربی دفاعی سلسلہ باطل ہو جاتا۔

دوسرا مسئلہ تحدید اسلحہ کا تھا جیسا کہ یہ معلوم ہے کہ یہ مسئلہ دس سال سے دونوں گروہوں کے نمائندوں کے مابین زیر بحث چلا آ رہا ہے۔ اور فریقین اس حد تک اپنے اپنے مطالبات پر مصر رہے کہ اس کا کچھ نتیجہ نہ نکل سکا۔ اب ایک حد تک غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کہ چوٹی کی کانفرنس نے جو "روح جنیوا" بیدار کی ہے۔ وہ اس مسئلہ کو ٹھکانے لگا دے گی۔ لیکن بقول غالب "یہ نمود بھی حریف دم افعی نہ ہوا"۔ جنیوا میں صدر آئزن ہاور کی یہ تجویز خصوصیت سے پیش نظر رہی کہ دونوں طرفوں کے جنگی مقامات کا معائنہ کیا جائے۔ اور عسکری تیاریوں کی بروقت اطلاع بہم کر لی جائے۔ لمبی چوڑی بحثوں اور جوابی تجویزوں کے باوجود معاملہ وہیں تک پہنچا جہاں کانفرنس سے پیشتر تھا۔ روس اپنے اس موقف کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوا کہ ایٹمی اسلحہ کو فی الفور ممنوع قرار دیدیا جائے۔ اور غیر ایٹمی اسلحہ

(باقی صفحہ ۴۰ پر)

عالمِ اسلامی

بغداد کونسل کا اجلاس بالآخر شروع ہو گیا ہے۔

معاہدہ بغداد کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لئے یہ پہلا اہم قدم ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کے فیصلے کیا ہوں گے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر اسے مؤثر دفاعی تنظیم نہ بنایا گیا۔ تو اس کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ اور ساری محنت اکارت جائے گی۔ وزیر اعظم پاکستان نے بغداد جانے سے دو ایک روز پیشتر ایک بیان میں فرمایا کہ معاہدہ بغداد کو مؤثر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اسے مناسب فوجی امداد دی جائے۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہوگا جب تک کہ امریکہ اس معاہدہ کا رکن نہیں بن جاتا۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ وہ کونسل میں ان امور پر زور لگائیں گے۔ امریکہ ابھی تک معاہدے میں شریک نہیں ہوا گو اس کی ہمدردی اس کے ساتھ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کونسل کے فیصلے پر اس کی شرکت کا راستہ صاف ہو جائے۔ وہ اس میں فوری طور پر شریک نہ بھی ہو تو بالآخر وہ شریک ہو کے رہے گا۔ اگر وہ فوری طور پر شریک نہ ہوا تو اسے اس کا انتظام کرنا ہوگا کہ مجوزہ تنظیم ایک فعال تنظیم بن سکے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فوجی تیاری کے ساتھ ساتھ کونسل معاشی امداد و ترقی کا بھی کوئی منصوبہ تیار کرے۔ کیونکہ معاشی بہبود کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ممالک متعلقہ جوں جوں معاشی اعتبار سے آسودہ ہوتے جائیں گے۔ اشتراکیت سے دور بھی ہوتے جائیں گے۔ اور زیادہ سے زیادہ فوجی ذمہ داری قبول کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ بغداد کونسل کی تیاریوں کے سلسلہ میں اس واقعہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ ہفتے وزیر اعظم ایران حسین اعلیٰ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ انھیں معمولی ساز خم آیا اور خوش قسمتی سے بچ گئے۔ اس حملہ کی وجہ پوری طرح معلوم نہیں ہو سکی۔ لیکن اسے معاہدہ بغداد سے متعلق کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ جناب حسین اعلیٰ اس ایرانی وفد کے قائد ہیں جو بغداد کونسل کے اجلاس میں شریک ہو رہا ہے۔ وہ اس حملے کے باوجود کونسل میں شریک ہو گئے ہیں۔ اس شرکت سے باز رکھنے کے لئے ان پر حملہ بالکل قابل فہم ہے۔ کیونکہ ایران میں اشتراکی عناصر خاص سرگرم ہیں۔ جو معاہدہ بغداد کو روسی مفاد کے منافی سمجھتے ہیں۔ اس سے معاہدہ مذکور کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسرائیل کا مسئلہ ایک نئے دور میں داخل ہوتا نظر آتا ہے۔ مصر نے اسرائیلی جارحیت سے بچنے کے لئے اقوام مغرب سے اسلحہ خریدنے کی کوشش میں ناکام ہو کر روس اور روسی حلقہ اثر سے اسلحہ خریدنے کی جو طرح ڈالی ہے تو یہودی امریکہ پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ انھیں مزید اسلحہ مہیا کیا جائے امریکہ اور برطانیہ یہودیوں کی ہمدردی سے تو دستکش نہیں ہو سکتے۔ لیکن بحالات موجودہ ان کو زیادہ اسلحہ بھی مہیا کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس سے ایک تو عرب جو پہلے ہی ناراض ہیں اور ناراض ہو جائیں گے دوسرے یہودیوں اور عربوں میں جنگ کا خطرہ یقینی ہو جائیگا اس صورت حال کے پیش نظر ایک طرف اقوام متحدہ مصالحت کے لئے کوشاں ہے۔ دوسری طرف وزیر اعظم برطانیہ نے مصالحت کی پیشکش کی ہے اور تیسرے مارشل ٹیٹو کو مسٹر ڈلیز نے آمادہ کیا ہے کہ وہ جنرل ناصر سے اس سلسلے میں ملاقات کریں۔ عرب لیگ نے مصالحت کی ان مساعی پر غور و خوض کیا ہے اور اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ مناسب تجاویز کا جائزہ لے گی۔ اور تمام ارکان عرب ممالک یہودیوں کے بارے میں مشترکہ پالیسی اختیار کریں گے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ عرب ملکوں نے یہودیوں سے مفاہمت پر آمادگی کا اظہار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسرائیلی حکومت کی موجودگی کو مان لیں گے۔ بشرطیکہ ان کے دیگر مطالبات منظور کر لئے جائیں۔ ایک انھوں نے بالعموم اس پر زور دیا ہے کہ یہودی ان حدود کو قبول کر لیں جو ان کے لئے اقوام متحدہ نے ۱۹۴۹ء میں متعین کی تھیں اس وقت یہودی ان حدود سے کافی تجاوز کر چکے ہیں۔ دوسرے ان کا مطالبہ یہ ہے کہ فلسطینی عرب مہاجرین کو پھر سے اپنے گھروں میں آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔ اور ان کے نقصان کا معاوضہ دیا جائے۔ یہ مہاجر کم و بیش دس لاکھ کی تعداد میں ہیں اور وہ ناگفتہ بہ حالات میں پڑے ہیں۔ آج تک ان کی بحالی کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہو سکا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اقوام متحدہ یا امریکہ اور برطانیہ یہودیوں کو ان مطالبات پر رضامند کر لیں گے لیکن اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو عرب صلح پر راضی نہیں ہو سکیں گے اور اسلحہ کی جو دوڑ مشرق وسطیٰ میں شروع ہو چکی ہے اس کے نتائج خطرناک ہوں گے۔

بین الاقوامی جائزہ

(صفحہ ۱۷ سے آگے)

میں ایک تہائی تخفیف کر دی جائے۔ اور پھر بات کو آگے بڑھایا جائے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر بھی کہیں اتفاق رائے نہ ہو سکا۔

تیسرا مسئلہ باہمی روابط کا تھا۔ اقوام مغرب کی کوشش یہ تھی کہ روس نے جو آہنی پردہ ڈال رکھا ہے۔ وہ اٹھا دیا جائے اور دونوں طرفوں کے باشندوں کو زیادہ سے زیادہ ملنے جلنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ انھوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ دونوں کے مراکز اطلاعات ایک دوسرے کے علاقہ میں کھولے جائیں اور اخبارات و رسائل کو بھی آنے جانے کی اجازت دی جائے۔ روس انھیں کسی طرح قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اس بناء پر ان تجاویز کو رد کر دیا۔ کہ اقوام مغرب کے مراکز اطلاعات اس کے ہاں جاسوسی کریں گے۔ اس نے البتہ اس پر زور لگایا کہ روس سے تجارت پر جو پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ وہ ہٹا دی جائیں۔ اور تجارت کو بڑھایا جائے۔ چنانچہ اس پر بھی کہیں اتفاق رائے نہ ہو سکا۔

کانفرنس کے خاتمہ پر جو اعلامیہ شائع کیا گیا ہے۔ وہ بہت مختصر ہے۔ اس میں اتفاق کا ذکر کیا گیا ہے جو وزرائے خارجہ کے مابین پایا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ اپنے اپنے رہنمایان مملکت کو مذاکرات کے نتائج سے باخبر کریں گے۔ اور اس کی سفارش کریں گے کہ آئندہ سفارتی ذرائع سے ان امور کا تصفیہ کیا جائے۔ گویا ناکامی اتنی مکمل ہے کہ نہ رہنمایان مملکت کی ملاقات کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ نہ ... نمائندوں کی یہ ناکامی چنداں حیران کن نہیں۔ حیرانی کی اصل وجہ یہ تھی کہ اساسی اور شدید ترین اختلافات کے باوجود یہ مذاکرات ہوئے یہ کسی تبدیلی ذہنیت کے آئینہ دار نہیں تھے۔ بلکہ ایٹمی آلات تباہی و ہلاکت کے پیدا کردہ خوف کے مرہون منت تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خوف کی بنا پر امن کی حفاظت کب تک برقرار رہتی ہے۔ صحیح امن کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے۔ "حتیٰ یکون الدین کلہ للہ"۔ یہ منزل ابھی دور ہے۔ اور نہ جانے انسان کو اس تک پہنچنے کے لئے کن کن انقلابات سے گزرنا ہوگا۔

تفسیر بیان القرآن

قرآن پاک کا متن مع اردو ترجمہ بین السطور از
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
حاشیہ پر
تفسیر بیان القرآن و مسائل السلوک
عکسی بلاکوں کے ساتھ بارہ جلدوں میں چھپ رہی ہے
چھ جلدیں تیار ہو گئی ہیں
نمونہ کے صفحے مفت طلب فرمائیے
تاج کمپنی لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس ۵۳۰ کراچی

شیروانی

ہی واحد قومی لباس ہے
رشید ٹیلرنگ فرم
۲۵ آرمڈی میدان — کوی روڈ — صدر کراچی

سو میں ننانوے

جو اشخاص یا ح یا سوء ہی تبخیر معدہ وسوء ہضم میں مبتلا ہونا کے مریض ہیں۔ پاخانہ صاف نہ ہونا۔ تمام جسم میں درد، سر میں چکر، بھوک غائب، ہاضمہ خراب، طبیعت میں بے چینی، سینے میں جلن، خون میں کمی، نزلہ رہنا اس مرض کی عام شکایات ہیں۔ اس مرض کا
حب باسوری اور جوہر ہضم (مکمل کورس)
سے زیادہ زود اثر کوئی دوسرا علاج نہیں۔ یہ تمام شکایات کو دور کر کے تندرستی اور توانائی بخشتا ہے۔ قیمت مکمل کورس تین روپے آٹھ آنے
طبی و علمی ماہنامہ ہمدرد سندھ کراچی سالانہ چندہ ایک روپیہ بھیج کر خریدار بنئے۔
دردمند دواخانہ۔ فریر روڈ۔ کراچی
فون نمبر ۳۵۰۴۲۱

اعجاز القرآن

از علامہ تمنا عمادی مدظلہ

جس میں مختلف جہات سے قرآن کے اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ھے۔ اس کی چند اقساط ماہوار طلوع اسلام میں آپ ملاحظہ فرماچکے ھیں۔ ناظرین کے مسلسل اصرار پر اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ھے۔

جن حضرات کی رقم ادارہ کے پاس جمع ھے انہیں آرڈر دینے کی ضرورت نہیں ان کی خدمت میں یہ کتاب نوسبر کے پہلے ہفتہ میں خود بھیجدی جائیگی۔ البتہ ان میں سے جو حضرات یہ کتاب نہ منگانا چاھیں وہ ۲۹ نوسبر سنہ ۱۹۵۵ء تک مطلع فرمادیں۔

سائز ۸/۳۰×۲۰ ضخامت ۱۱۲ صفحات

قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاھوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ھے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم)
دو روپے۔

قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ)
دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ھے۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ھے۔ ابلیس" کیا ھے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ھے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔

قرآن کیا کہتا ھے اور اقبال کا پیغام کیا ھے؟

ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیت دو روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۲۱۳ ۔ کراچی ۔ ۳

روٹی کا مسئلہ

انسان کے لئے بڑی اھمیت رکھتا ہے۔ اس کی اھمیت ھمیشہ سے رھی ہے اور ھمیشہ تک رھیگی۔

آج تک انسان نے اس مسئلہ کو کیسے حل کیا؟ اس کا جواب تلاش کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائیگی کہ اس نے بدن کو زندہ رکھنے کیلئے اپنی جان کو رھن رکھدیا۔

اب سوال یہ ھے

کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ انسان کا بدن اور اس کی جان دونوں سلامت رھیں؟ اس کے لئے ھمیں قرآن سے رجوع کرنا ھوگا۔

قرآن کا حل

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

میں ملیگا جو بلاشبہ دور حاضرہ کی عظیم کتاب ہے۔

قسم اول۔ کاغذ سفید کرنا فلی۔ جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے۔

قسم دوم۔ کاغذ میکانیکل۔ صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۲۱۳ ۔ کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 207/A, P. E. C. H. Society, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM